

# تفسیر فضل القرآن

سورۃ آل عمران

الحزب ۲

ترجمہ تفسیر قرآن و احکامات

فضل الرحمن بن محمد الازہری

ایک جامع عربی تفسیر ہے جس میں آیات و احکامات کے ساتھ ساتھ روایات و احادیث کے ساتھ ساتھ  
شرعی مسائل و مسائل کے ساتھ ساتھ فقہی مسائل کے ساتھ ساتھ روایات و احادیث کے ساتھ ساتھ

ریلز مشینری سٹور، نیشنل روڈ، لاہور

فون نمبر: 59-7641358

# تفسیر فضل القرآن

سورة آل عمران

الجزء (۲)

kitabosunnat.com

ترجمہ، تشریح و مل لغات

فضل الرحمن بن محمد الازہری

ایم اے عربی و کلامیہ اسلامیہ ایم اے اسلامیات۔ صدر دار الدعوة السلفیہ لاہور  
شریہ کورس الازہر القاہرہ۔ خطیب مسجد مبارک اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور

ریز مشینری سٹور، 53 نشتر روڈ لاہور۔ فون: 7641358-59

جملہ حقوق محفوظ ہیں

23845  
فصل ۲

نام کتاب:

# تفسیر فضل القرآن

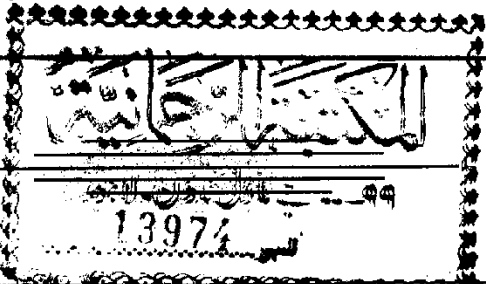
سورة آل عمران

صفحہ:

فضل الرحمن بن محمد الازہری

ایم اے عربی و لٹریچر ایم اے اسلامیات - صدر دار الدعوة السلفیہ لاہور  
شریک کورس الازہر القاہرہ - خطیب مسجد مبارک اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور

کمپوزنگ ----- عبدالقدوس  
تعداد ----- 1100  
دوسرا ایڈیشن ----- فروری 2006  
ناشر ----- انیس الرحمان  
قیمت ----- 250/-  
طابع ----- زاہد بشیر پریس





فہرست کے صفحات آگے پیچھے ہو گئے ہیں۔ اس پر ہم معذرت خواہ ہیں



## تبصرہ نوائے وقت

یہ تفسیر کا دوسرا حصہ ہے اور سورہ آل عمران کی تشریح اور حل لغات پر مبنی ہے اس تفسیر کی خصوصیات یہ ہیں کہ اس میں اسلاف امت کے نقطہ نظر کو پیش نگاہ رکھا گیا ہے۔ جبکہ کتب حدیث کے حوالہ جات دیئے گئے ہیں اور ارشادات رسول ﷺ سے استشہاد کیا گیا ہے جبکہ قدیم کتب تفسیر سے بھی مدد لی گئی ہے۔ تاریخی واقعات کے لئے مستند کتب تاریخ سے رجوع کیا گیا ہے حل لغات کے عنوان سے ہر آیت کے مشکل الفاظ کے اصل معنی کی تشریح کی گئی ہے تفہیم القرآن کے لئے یہ کتاب سند کا درجہ رکھتی ہے اس کے مصنف مولانا فضل الرحمان بن محمد الازہری ہیں جو خطیب مسجد اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور ہیں۔ اس کتاب کے ناشر ریز مشینری سٹور 53 نشتر روڈ لاہور ہے اور قیمت 250 روپے ہے۔ یہ کتاب خوبصورت کاغذ عمدہ طباعت کے ساتھ خوبصورت جلد ہے۔ اس کا پڑھنا علم دین سیکھنے والوں کیلئے بہت مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

4 ستمبر 2005ء

مولانا فضل الرحمن بن محمد پاکستان کے سابق ٹیٹ کرکٹر ایف رحمن ہیں۔ ان کے نیک والدین کی دعائیں ان کو دینی میدان میں لے آئیں اور انہوں نے مسجد کی چٹائیوں پر بیٹھ کر پانچ سال میں دینی تعلیم کے حصول کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اسلامیات اور ایم اے عربی میں گولڈ اور سلور میڈل بھی حاصل کئے۔ جامعہ ازہر سے شریعہ کورس کرنے کی سعادت بھی پائی۔ 32 سال سے مسجد مبارک اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں لوجہ اللہ جمعہ کا خطبہ دے رہے ہیں۔ خاص طور پر نیشنل پک اپ کے پروگرام ”قرآن حکیم اور ہماری زندگی“ میں قرآنی آیات کا حل اللغہ، ترجمہ اور تشریح بھی بیان کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے ایسی تفسیر لکھنی شروع کی ہے کہ جو خطباء و مدرسین اور معلمین کے لئے بنے بنائے خطبہ اور کورس ہیں اور قرآن کو سمجھنے کے لئے انتہائی مفید ہے۔ اس کی پہلی جلد (سورۃ فاتحہ اور سورۃ البقرہ) کے بعد دوسری جلد بھی منظر عام پر آگئی ہے۔ جو سورۃ آل عمران کا ترجمہ اور تشریح اور حل اللغہ ہے اس کی قیمت -/250 روپے ہے تفسیر 294 صفحات پر محیط ہے اور نعمانی کتب خانہ اردو بازار لاہور سے دستیاب ہے۔

24 ستمبر 2005ء

## فہرست

۱۵	تمہیدی کلمات
۱۷	پیش لفظ
۲۱	① سورة البقرة اور سورة آل عمران کی فضیلت
۲۲	اسم اعظم
۲۳	اہل کتاب کو دعوت حق
۲۳	یہود کا عیسیٰ علیہ السلام کو تسلیم نہ کرنا
۲۴	اہل کتاب کا اپنے احبار و رہبان کو رب بنانا
۲۵	تورات اور انجیل کا دنیا میں ایک بھی حافظ نہیں
۲۵	اللہ تعالیٰ کی صفت مصور
۲۶	حل لغات
۲۸	② محکم و متشابہ آیات پر روشنی
۳۰	پہلی امتوں کی پیروی کرنے سے آگاہی
۳۰	ناجی جماعت کی نشان دہی
۳۱	رسول اللہ ﷺ کی دعا
۳۲	حل لغات
۳۵	③ بنو قینقاع کا واقعہ
۳۶	اہل ایمان کو کمزوری دکھانے اور غم زدہ ہونے کی ممانعت
۳۶	جنگ بدر نصرت الہی کا ایک پہلو
۳۷	دنیا میں مزین کی گئی چیزیں
۳۸	حل لغات

۴۱	..... علم اور اہل علم کی فضیلت
۴۲	..... حقیقی دین
۴۳	..... حل لغات
۴۵	..... ۴۱ حق کو ٹھکرانے اور انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنے کا انجام
۴۶	..... حل لغات
۴۸	..... ۵۱ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ ہی نصرانی
۴۸	..... قرآن حکیم کی حقانیت
۵۰	..... یہود و نصاریٰ سے دوستی کی ممانعت
۵۰	..... اللہ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق فیصلہ نہ کرنے کا انجام
۵۱	..... حقیقی بادشاہت کا مالک
۵۱	..... حل لغات
۵۳	..... ۶۱ کفار سے دوستی کرنے کی ممانعت
۵۶	..... دوستی کی اجازت اور اس کی وضاحت
۵۷	..... اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی بہترین صورت
۵۸	..... حل لغات
۶۱	..... ۷۱ مریم علیہا السلام کی ماں کی دعا اور اس کا قبول ہونا
۶۲	..... بیٹیوں کی پرورش پر ملنے والا اجر
۶۳	..... حل لغات
۶۷	..... ۸۱ ذکر یا علیہ السلام کا اولاد کے لیے دعا کرنا اور دعا کا قبول ہونا
۷۰	..... حل لغات
۷۳	..... ۹۱ مریم علیہا السلام کو ملنے والی بشارت
۷۴	..... مریم علیہا السلام کی کفالت کا مسئلہ
۷۴	..... قرعہ اندازی کا جواز
۷۵	..... حل لغات

- ۷۹ ..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ملنے والی معجزات
- ۷۹ ..... حضرت لبید کا شعر گوئی بند کرنا
- ۸۱ ..... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کی خبر
- ۸۱ ..... حل لغات
- ۸۵ ..... ۱۱) نیند بھی موت کی ایک صورت ہے
- ۸۶ ..... عیسیٰ لا فوت نہیں ہوئے
- ۸۷ ..... نہ سولی چڑھائے گئے اور نہ قتل کئے گئے
- ۸۷ ..... حل لغات
- ۹۰ ..... ۱۲) نجران کے وفد کا واقعہ
- ۹۲ ..... معاہدے میں سود کھانے اور سودی لین دین نہ کرنے کی شرط
- ۹۲ ..... سودی لین دین کرنے پر ان کو نکالا جانا
- ۹۳ ..... حل لغات
- ۹۶ ..... ۱۳) علماء و مشائخ کو رب بنانے کی وضاحت
- ۹۸ ..... حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف
- ۹۹ ..... حل لغات
- ۱۰۱ ..... ۱۴) اہل اسلام کے خلاف اہل کتاب کی دشمنی اور نقصان پہنچانے کی کوشش
- ۱۰۳ ..... یہود و نصاریٰ کی خواہشات کی اتباع کرنے کے نتائج
- ۱۰۵ ..... حل لغات
- ۱۰۷ ..... ۱۵) امانت کی اہمیت
- ۱۰۹ ..... جمہوریت کا وہاں
- ۱۱۰ ..... اللہ کی نازل کردہ کتاب میں یہود کی ہیرا پھیری
- ۱۱۰ ..... حل لغات
- ۱۱۳ ..... ۱۶) کوئی صاحب علم اپنی بندگی کا علم نہیں دے سکتا
- ۱۱۳ ..... ربانی کی تعریف



۱۱۵	بیٹاق النہین
۱۱۵	عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے تورات پڑھنے پر رسول اللہ ﷺ کی ناپسندیدگی
۱۱۶	حل لغات
۱۱۹	(۱۷) اللہ تعالیٰ کا دین اسلام ہی ہے
۱۲۰	فرائض ادا کرنے پر بشارت
۱۲۱	دنیا سنوارنے والوں کی جزا دنیا میں ہی دے دی جاتی ہے
۱۲۲	اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اللہ کے ہاں مقبول نہ ہوگا
۱۲۳	حل لغات
۱۲۶	(۱۸) ہدایت کے طلبگار کو ہی ہدایت نصیب ہوتی ہے
۱۲۶	تائب ہونے والے کے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیا جاتا ہے
۱۲۷	سو آدمیوں کے قاتل کی توبہ
۱۲۷	گناہگاروں کے لیے زبردست بشارت
۱۲۸	قیامت کے روز کوئی سودے بازی نہیں چلے گی
۱۲۹	حل لغات
۱۳۱	(۱۹) ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کا صدقہ
۱۳۲	عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا صدقہ
۱۳۳	عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا صدقہ
۱۳۴	یہودی زانی زانیہ کا رجم
۱۳۵	حل لغات
۱۳۶	(۲۰) بیت اللہ کی تعمیر کے بارے میں روایات
۱۳۹	بیت اللہ کے حج کی برکات
۱۴۰	حل لغات
۱۴۳	(۲۱) یہود کو اہل اسلام کو گمراہ کرنے کے ارادے
۱۴۳	اوس اور خزرج کو لڑانے کی کوشش

- ۱۴۴ ..... اللہ کے نبی ﷺ جئے مگر اللہ کی کتاب باقی ہے
- ۱۴۵ ..... اللہ سے ڈرنے کا حق
- ۱۴۶ ..... حل لغات
- ۱۴۸ ..... (۲۲) بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے والی جماعت کا ہونا لازمی ہے
- ۱۴۹ ..... امت محمدیہ ﷺ کے ۷۳ فرقوں میں سے ناجی صرف ایک ہوگا
- ۱۵۰ ..... حزب اللہ ہی غالب آئے گا
- ۱۵۱ ..... برائی کو استطاعت کے مطابق روکنے کا حکم
- ۱۵۲ ..... حل لغات
- ۱۵۴ ..... (۲۳) بہترین امت کی خصوصیات
- ۱۵۵ ..... برائی کو نہ روکنے پر اللہ کا عام عذاب
- ۱۵۷ ..... یہود پر ذلت و مسکنت کی وضاحت
- ۱۵۸ ..... حل لغات
- ۱۶۱ ..... (۲۴) حق اپنانے اور حق کو ٹھکرانے والے برابر نہیں ہوتے
- ۱۶۲ ..... تباہ ہونے والی کھیتی کی مثال
- ۱۶۲ ..... انسان کی جزا و سزا کا دار و مدار اس کے اعمال پر ہوتا ہے
- ۱۶۳ ..... اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا
- ۱۶۴ ..... اطاعت گزاروں کی جزا
- ۱۶۴ ..... حل لغات
- ۱۶۷ ..... (۲۵) غیر مسلموں کو دلی دوست بنانے کی ممانعت
- ۱۶۸ ..... عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اس بارے عمل
- ۱۶۹ ..... رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک
- ۱۷۰ ..... حل لغات
- ۱۷۳ ..... (۲۶) جنگ احد کے واقعات
- ۱۷۴ ..... عبد اللہ بن ابی منافق کا ساتھ چھوڑنا

- ۱۷۵ ..... اہل ایمان کا دلی دوست صرف اللہ ہے
- ۱۷۶ ..... دشمن سے مقابلہ ہونے کی صورت میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنے کا حکم
- ۱۷۷ ..... حل لغات
- ۱۷۹ ..... ۷۷ قریش مکہ کے تمہارتی قافلے کو روکنے کا پروگرام
- ۱۸۰ ..... ابو جہل کا لڑائی لڑنے پر مصر ہونا
- ۱۸۱ ..... اہل مکہ کا عقیدہ
- ۱۸۲ ..... بخشش و عذاب میں صرف اللہ کا اختیار
- ۱۸۳ ..... حل لغات
- ۱۸۵ ..... ۷۸ سود و سود کھانے کی ممانعت
- ۱۸۷ ..... قیامت کے روز دوبارہ اٹھایا جانا
- ۱۸۷ ..... متقین کی صفات
- ۱۸۹ ..... اللہ گناہوں کو معاف فرماتا ہے
- ۱۹۰ ..... حل لغات
- ۱۹۲ ..... ۷۹ پہلی امتوں کی جاہی کی وجوہات
- ۱۹۵ ..... جنگوں میں ہار جیت ہوتی رہتی ہے
- ۱۹۶ ..... حل لغات
- ۱۹۹ ..... ۸۰ محمد رسول اللہ ﷺ پہلے رسولوں کی طرح رسول تھے
- ۲۰۰ ..... رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری
- ۲۰۱ ..... محمد رسول اللہ ﷺ کی وفات پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بے مثال کردار اور ان کا خطبہ
- ۲۰۳ ..... حل لغات
- ۲۰۵ ..... ۸۱ کامیابی اور کامرانی کی ضمانت صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے
- ۲۰۷ ..... دنیا کے طلب گاروں کو دنیا مل جاتی ہے
- ۲۰۸ ..... جنگ احد میں شکست کی وجہ
- ۲۰۹ ..... حل لغات

- ۲۱۲ ..... جنگ احد کے واقعات ❀
- ۲۱۳ ..... انس بن عمر رضی اللہ عنہما کی شہادت ❀
- ۲۱۴ ..... موت کو کوئی ٹال نہیں سکتا ❀
- ۲۱۵ ..... حل لغات ❀
- ۲۱۸ ..... عثمان غنی کے بارے میں سوال اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا جواب ❀
- ۲۰۹ ..... مومنوں کی جانوں اور مالوں کا اللہ سے سودا ❀
- ۲۲۰ ..... اللہ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے ❀
- ۲۲۰ ..... موت کا وقت اور جگہ کا مقرر ہونا ❀
- ۲۲۱ ..... لا کے بارے میں گمراہی کا اہم نکتہ ❀
- ۲۲۱ ..... حل لغات ❀
- ۲۲۳ ..... اسلامی راست کے امیر کے لیے بہترین رہنمائی ❀
- ۲۲۵ ..... مشاورت مباح کاموں میں ہوگی اور قرآن و سنت سے ثابت شدہ پر عمل کیا جائے گا ❀
- ۲۲۷ ..... خیانت کا دہال اور اس کا انجام ❀
- ۲۲۸ ..... حل لغات ❀
- ۲۳۰ ..... جنگ احد میں تین جماعتیں ❀
- ۲۳۱ ..... منافقوں کا انجام اور مومنوں کا انجام ❀
- ۲۳۲ ..... محمد رسول اللہ ﷺ کی صفات عالیہ ❀
- ۲۳۳ ..... جنگ احد میں شکست کیوں ہوئی اس کا جواب ❀
- ۲۳۳ ..... حل لغات ❀
- ۲۳۶ ..... عبد اللہ بن ابی کی بادشاہت کا چھٹا ❀
- ۲۳۷ ..... اس کا تکبر و غرور ❀
- ۲۳۸ ..... منافقوں کے الگ ہونے کی حقیقت ❀
- ۲۳۹ ..... ہر نفس نے مرنا ہے ❀
- ۲۴۰ ..... حل لغات ❀



- ۲۴۲ ..... (۷۵) شہداء کا سوال کرنا کہ ان کی روحوں کو ان کے جسموں میں لوٹایا جائے اور اللہ کا قبول نہ کرنا۔
- ۲۴۲ ..... جنت میں داخل ہونے کے بعد کوئی پسند نہیں کرتا کہ اس کو دنیا میں لوٹایا جائے سوائے شہید کے
- ۲۴۳ ..... رسول اللہ ﷺ کا شہادت پانے کو پسند کرنا۔
- ۲۴۴ ..... حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے باپ کی شہادت اور اللہ کے ہاں ان کی فضیلت۔
- ۲۴۵ ..... مرنے والا دنیا میں واپس نہیں آ سکتا۔
- ۲۴۶ ..... قبر میں ہونے والے سوال۔
- ۲۴۷ ..... حل لغات۔
- ۲۴۸ ..... (۷۸) جنگ احد میں شکست کھانے کے باوجود دشمن کا پیچھا کرنا۔
- ۲۵۱ ..... معبد خزاعی کا کردار اور ابوسفیان کی دھمکی پر مسلمانوں کا جواب۔
- ۲۵۲ ..... حل لغات۔
- ۲۵۳ ..... (۷۹) رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے قبول نہ ہونے پر آپ کو تسلی۔
- ۲۵۶ ..... ظلم کا حرام ہونا اور بندوں کا اپنے رب کا محتاج ہونا۔
- ۲۵۷ ..... ذہیل کا ملنا اچھی بات نہیں۔
- ۲۵۷ ..... غیب کا علم صرف اللہ کے پاس ہے۔
- ۲۵۸ ..... حل لغات۔
- ۲۶۱ ..... (۸۰) حاجت مندوں پر خرچ کرنے کی جزا اور بخیلی کی سزا۔
- ۲۶۲ ..... ابو بکر رضی اللہ عنہ کا یہودی کو تھپڑ مارنا اور اس کی وجہ۔
- ۲۶۳ ..... محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو ٹھکرانے کا یہودی بہانا۔
- ۲۶۴ ..... حل لغات۔
- ۲۶۷ ..... (۸۱) دنیا اور جنت کی حقیقت۔
- ۲۶۸ ..... انسان کی موت پر دنیا سے اس کے تعلق کا ختم ہونا۔
- ۲۶۹ ..... ہر لحاظ سے انسان کا آزمائش میں ہونا۔
- ۲۷۰ ..... یہود و نصاریٰ کی خوشی اسی میں ہے کہ ان کی اتباع کی جائے۔
- ۲۷۱ ..... حل لغات۔

۲۷۳	..... (۳۲) محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں عہد
۲۷۴	..... یہودی علماء کا اپنے سرداروں سے جھوٹ بول کر مال وصول کرنا
۲۷۵	..... میثاق میں تمام علماء کا شامل ہونا اور کتمان علم پر عذاب
۲۷۶	..... امام زہری اور الحسن بن عمارہ کا واقعہ
۲۷۷	..... حل لغات
۲۷۹	..... (۳۳) فکر و تفکر کی برکات
۲۸۱	..... عقلمندوں کی دعا
۲۸۲	..... حل لغات
۲۸۳	..... (۳۴) رب کا حکم ہے، مجھ کو پکارو، تمھاری پکار سنوں گا
۲۸۵	..... پانچ مرتبہ رَبَّنَا کہنے کی برکت
۲۸۵	..... اجر و ثواب میں مردوں اور عورتوں کا برابر ہونا
۲۸۷	..... کفار کو ملنے والی نعمتوں کو دیکھ کر غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے
۲۸۸	..... حل لغات
۲۹۰	..... (۳۵) نیکو کاروں کو ملنے والی نعمتیں
۲۹۱	..... یہود و نصاریٰ میں سے ایمان لانے والوں کی تعریف
۲۹۲	..... حبشہ کے بادشاہ کا ایمان لانا
۲۹۲	..... عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی بشارت
۲۹۳	..... حل لغات



رَبَّنَا اتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً  
وَّ فِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً  
وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ.

اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما  
اور آخرت میں بھلائی سے نوازنا  
اور آگ کے عذاب سے محفوظ رکھنا۔

## تمہیدی کلمات

اللہ تعالیٰ کا عجیب معاملہ ہے کہ جس سے چاہتا ہے اپنی مرضی کے مطابق کام لے لیتا ہے۔ بچپن ہی سے میری رغبت کھیل کود کی طرف تھی۔ اور وہی مجھے کرکٹ کے میدان میں لے آئی اور میری زندگی کا مقصد پاکستان کی طرف سے کھیلنا بن گیا۔ جس کے لیے مجھے بڑی محنت کرنی پڑی، لیکن جب ویسٹ انڈیز کے خلاف ۱۹۵۸ء میں وہ مقصد پورا ہوا تو اس سے آگے بڑھنے کی راہیں مسدود ہو گئیں چنانچہ میں نے کرکٹ سے منہ موڑ کر چند سال سکواش میں لگائے پھر اللہ تعالیٰ عظیم و حکیم نے میرا رجحان و میلان دینی علوم کے حصول کی طرف کر دیا اور یہ ایسا میدان تھا کہ جس کے بازے میں میرے ذہن میں کبھی خیال نہ آیا تھا۔ یقیناً یہ میرے ماں باپ کی دعاؤں کا نتیجہ تھا جو بڑے ہی متقی پرہیزگار اور اللہ والے تھے۔

چونکہ دینی علوم کے حصول میں مصروف ہونے سے پہلے میں نے کافی دنیا دیکھ لی تھی اور شعور بھی پختہ ہو چکا تھا۔ لہذا میں نے جو پڑھا وہ سوچ سمجھ اور لگن سے پڑھا اور یہ طریقہ کار اب بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جاری ہے کیونکہ علم کا معاملہ ایسا ہے جیسے جیسے اللہ تعالیٰ اس سے نوازتا ہے ویسے ویسے علم کی حقیقی طلب رکھنے والے کے احساس میں اضافہ ہوتا جاتا ہے کہ ابھی اس نے کچھ نہیں پڑھا۔

یہ بھی عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب مجھے دین کی طرف لگایا تو اس وقت عربی زبان سے ناواقف ہونے کی بنا پر جو کتابیں میں نے پڑھیں ان میں لکھی ہوئی باتوں سے متاثر ہو کر میں نے صوفیوں کا طریقہ اپنا لیا اور ہر اس کام میں راحت محسوس کیا کرتا کہ جس سے میرے جسم کو تکلیف پہنچا کرتی۔ گرمیوں میں نقلی روزے رکھنا، راتوں میں قیام کرنا، مونے مونے کپڑے پہننا، زمین پر سونا اور دن میں ایک دو روٹیوں میں گزارا کرنا۔ میرا معمول بن گیا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے علم کی روشنی سے میری اندر والی جہالت کو ہدایت کے اچالے سے تبدیل کرنا شروع کر دیا تو میری زندگی میں اعتدال پیدا ہو گیا اور قرآن نے سمجھا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مانگہ ہونے والے فرائض کی ادائیگی کے ساتھ اس کی دی ہوئی زندگی کو ایسے گزارو کہ جس سے آخرت کی بھلائی نصیب ہو جائے اور جہنم کی آگ سے انسان محفوظ ہو جائے۔

سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو رہنمائی کے لیے بڑی مختصر لیکن بڑی ہی عمدہ دعا کا ذکر فرمایا ہے:

﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (۲:۲۰۱)

”اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا کرنا اور آگ کے عذاب سے ہمیں محفوظ رکھنا۔“

حَسَنَۃ سے مراد ہر وہ نعمت ہے جو انسان کو اس کے نفس یا بدن یا کسی بھی حالت میں حاصل ہونے پر مسرت کا سبب بنے اور اس کی آخرت کو سنوارنے میں مدد و معاون ہو کر جہنم کی آگ سے بچاؤ کا ذریعہ بن جائے۔

حَسَنَۃ کی ضد سَيِّئَۃ یعنی ہر وہ برائی ہوتی ہے جو انسان کو اللہ کی رحمت سے دور کرکے جہنم کا ایندھن بنا دیتی ہے اگر دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی نعمتیں انسان کو اللہ کے قریب کرنے والے کاموں کی بجائے شیطانی کاموں میں



لگا دیتی ہیں تو وہ نعمتیں ڈھیل کی صورت میں اس کے لیے سبقت ہی ہوتی ہیں۔

دنیا میں عموماً دینی تعلیم کے مطابق عمل کرنے والوں کی اکثریت مشکلات کا شکار رہتی ہے اس کے باوجود ان کا اللہ کے دین پر قائم رہنا ہی حسنۃ کی بہترین صورت ہوتی ہے۔ کیونکہ اسی سے ان کی آخرت سنورتی ہے اور جہنم سے بچاؤ کا سبب بنتی ہے۔ مشکاة المصابیح کے باب ”حَقِّقْهُ وَالرَّحْمَةُ عَلٰی الْخَلْقِ“ کے تحت مروی روایت کا حصہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (( اِنَّ اللّٰهَ يُؤْتِي الدُّنْيَا مَنْ يُحِبُّ وَمَنْ لَا يُحِبُّ وَلَا يُؤْتِي الدِّينَ اِلَّا مَنْ اَحَبَّ فَمَنْ اَغْطَاهُ اللّٰهُ فَقَدْ اَحَبَّهُ ))

”بے شک اللہ تعالیٰ دنیا اس کو دے دیتا ہے کہ جس کو پسند کرے یا نہ کرے لیکن دین اس کو دیتا ہے جس کو وہ پسند کرتا ہے لہذا جس کو اس نے دین دیا بلاشبہ اس کو اس نے محبوب بنا لیا۔“

صحیح بخاری کی کتاب الایمان (ص: ۱۰) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دین آسانی ہے۔ پس جو کوئی دین میں شدت اختیار کرے گا دین اس پر غالب آجائے گا۔ لہذا میانہ روی اختیار کیا کرو اور قریب قریب رہا کرو اور نیکی کے کام کر کے خوش ہوا کرو اور صبح و شام اور رات میں کچھ عبادت کر لیا کرو۔“

صحیح بخاری (ص: ۱۱) کے مطابق عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور اس وقت ان کے پاس ایک ایسی عورت بیٹھی ہوئی تھی کہ جس کی نمسازد عبادت کا چرچا تھا آپ نے اس سے فرمایا: ”بہت زیادہ عبادت کرنے کی ضرورت نہیں عبادت اتنی ہی کیا کرو کہ جس کی تم طاقت رکھتے ہو۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ ثواب دینے سے نہیں تھکتا لیکن تم تھک جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین دین یہ ہے کہ دین دار ہمیشہ فرائض کی ادائیگی اور درمیانی عبادت کرتا رہے۔“

سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے:

﴿يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ..... (۱۸۵)﴾

”اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور تمہیں تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتا۔“

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ہمارا دین آسان ہے اور قرآن کو نازل کرنے والا ہمارا رب بڑا مہربان ہے لہذا آسان دین کے مطابق عمل کر کے ہر مسلمان مرد اور عورت کو اپنی دنیا اور آخرت سنوارنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

میرے لیے اس سے بڑھ کر حسنۃ کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کھیل کود کے میدان سے نکال کر مسجد کی چٹائیوں پر بیٹھ کر دینی علوم کے حصول میں کوشاں ہونے کی توفیق سے نوازا۔ مشقوں اور مجاہدوں سے لطف اندوز ہونے کی بجائے دین کی نشر و اشاعت میں لگایا خطابت کے ساتھ علمی و تصنیفی کام بھی کروایا۔ اسی کا فضل و کرم ہے کہ سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرۃ کی تفسیر کے بعد فضل القرآن کی دوسری جلد کی صورت میں سورۃ آل عمران بھی اب طبع ہو گئی ہے۔

انسان کی تمام ترکوششوں کے باوجود علمی کام میں کمی و کوتاہی ہونے کا امکان ہمیشہ رہتا ہے اس لیے قارئین کرام سے درخواست ہے کہ ان کو جہاں کہیں بھی غلطی نظر آئے وہ ہمیں ضرور مطلع کر دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کر دی جائے۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین..... و ما توفیقی الا باللہ

## پیش لفظ

مولانا فضل الرحمن کا شمار جماعت اہل حدیث کے ممتاز علماء میں ہوتا ہے وہ ۱۱/ جون ۱۹۳۵ کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔ قیام پاکستان کے وقت آٹھویں جماعت میں پڑھتے تھے۔ میٹرک لاہور کے سنٹرل ماڈل ہائی سکول سے کیا۔ ایف۔ اے اسلامیہ کالج (ریلوے روڈ) لاہور سے اور بی اے پرائیویٹ طور پر کیا۔ ایم اے اسلامیات اور ایم اے عربی کے امتحانات بھی پنجاب یونیورسٹی پرائیویٹ طور پر پاس کیے۔ ایم اے عربی میں یونیورسٹی میں اوّل آئے اور گولڈ میڈل اور سلور میڈل کے حق دار قرار پائے۔

طالب علمی کے زمانے میں کرکٹ کے بہت اچھے کھلاڑی تھے۔ چنانچہ سکول، کالج، یونیورسٹی پنجاب اور پاکستان کی طرف سے کھیلنے کا اعزاز حاصل کیا اور کھلاڑی کی حیثیت میں ہی انگلینڈ، ویسٹ انڈیز، سری لنکا، سنگاپور، ملیشیا میں کھیلنے کا موقع ملا۔ امرتسر کے کاروباری خاندان سے تعلق تھا۔ اب بھی براڈر تھ روڈ لاہور میں کاروبار کرتے ہیں۔ کاروبار کے ساتھ ساتھ دینیات کی تعلیم حاصل کی۔ اس تعلیم کا آغاز مسجد قدس چوک وال گراں سے کیا اور مولانا عبد الرشید کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ چار سال ان سے حصول علم کرتے رہے۔ پھر حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۳/ اکتوبر ۱۹۸۷ء) کی شاگردی اختیار کی۔ ان سے سنن ابی داؤد کا کچھ حصہ اور صحیح مسلم اور صحیح بخاری کا درس لیا اور بعض دیگر کتابیں پڑھیں۔ کافی عرصہ ان سے مصروف استفادہ رہے۔

اس زمانے میں مسجد مبارک کی انتظامیہ کمیٹی کے سیکرٹری پروفیسر عبد القیوم مرحوم (متوفی ۸/ ستمبر ۱۹۸۹ء) تھے اور مسجد کے منصب خطابت پر مولانا عطاء اللہ حنیف فائز تھے۔ مولانا ممدوح اور پروفیسر صاحب نے باہم مشورہ کر کے ۱۹۷۳ء میں خطابت کی ذمہ داری مولانا فضل الرحمن کو سونپ دی۔ اکتیس سال سے وہ حسن و خوبی کے ساتھ یہ خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ ان کے دور خطابت میں مسجد کی جدید تعمیر ہوئی اور اسے وسیع کیا گیا۔ خطبہ جمعہ کے سامعین میں بھی بہت اضافہ ہوا۔ مسجد کی رونق اللہ کے فضل سے بہت بڑھ گئی۔

عیدین کی نماز مولانا فضل الرحمن مسجد مبارک کے متصل اسلامیہ کالج (ریلوے کالج) کی گراؤنڈ میں پڑھاتے ہیں، جس میں کثیر تعداد میں لوگ شریک ہوتے ہیں۔ خطبہ جمعہ کا اور عیدین کی خطابت کا سلسلہ ماشاء اللہ کامیابی سے جاری ہے۔ ۱۹۸۶ء میں مولانا مصر گئے، وہاں جامعہ ازہر (قاہرہ) سے شریعہ کورس کی سند حاصل کی۔

اپنی کاروباری مصروفیات کے باوجود ملک اور بیرون ملک میں انھوں نے بہت سے تبلیغی دورے کیے۔ مختصر الفاظ میں ان کے بیرون ملک کے تبلیغی دوروں کا سلسلہ اس طرح ہے۔

① دو مرتبہ امریکہ گئے۔ ایک دورے میں وہاں کی مشہور ڈیوک یونیورسٹی میں چند لیکچر دیے اور اسلام کے مختلف موضوعات

پر پی، ایچ، ڈی کرنے والوں سے ان کے موضوعات سے متعلق طویل گفتگو میں اسلام کی حقانیت کو واضح کیا۔ وہاں کے اکناکس ڈیپارٹمنٹ میں اسلام کے معاشی نظام کے بارے میں پائے جانے والے شکوک کو دور کیا اور سود سے پاک بنکاری کے بارے میں بھی سوالات کے تسلی بخش جواب دیے۔

نارتھ کیرولائین (امریکہ) کی ماڈل جیل میں مسلمان قیدیوں کے سامنے ایک گھنٹے کے خطاب میں ان کو اچھا مسلمان ثابت ہونے کی تلقین کی۔

۱۹۸۳ء میں امریکہ کے ایک پروجیکٹ میں شرکت کی اور یو این او میں خطبہ جمعہ بھی دیا۔ وہاں خطبہ جمعہ دینے والے شاید یہ پہلے پاکستانی تھے۔

● کینیڈا کا تبلیغی دورہ بھی دو مرتبہ کیا۔ ٹورنٹو اور ہملٹن مساجد میں جمعے کے خطبے ارشاد فرمائے۔ اور متعدد اسلامی موضوعات پر تقریریں کیں اور مسلم کمیونٹی کو متحد ہو کر اسلام کی سر بلندی کے لیے کام کرنے کی تلقین کی۔

● دو مرتبہ ہی انگلستان کے تبلیغی دوروں پر جانے کے مواقع میسر آئے ۱۹۷۹ء میں انگلستان کی الہدیت کانفرنس میں شرکت کی اور ۱۹۸۳ء میں بھی جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں کے اسلامی مراکز کے دورے کیے اور ان میں لیکچر دیے۔ اس طرح دونوں مرتبہ انھیں انگلستان کے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے اجتماعات میں خطاب کے مواقع حاصل ہوئے۔

● عرب امارات کی جماعت اہل حدیث کی طرف سے دعوت آئی تو وہاں کا عزم کیا اور مختلف مقامات میں ۷۷ دنوں کی تقریروں میں گزرے۔

● تین مرتبہ ہندوستان تبلیغی دورے پر گئے۔ ایک مرتبہ ۱۹۸۷ء میں، پھر ۱۹۸۸ء میں اور پھر ۱۹۸۹ء میں متواتر تین سال بھی کی آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی اور وہاں کے متعدد اسلامی مراکز میں تقریریں کیں۔ اس کے بعد حکومت ہند نے اپنے ملک میں ان کے داخلے پر پابندی عائد کر دی تھی۔

ریڈیو پاکستان میں ان کی تقریروں کا سلسلہ ۱۷ سال جاری رہا۔ مختلف اسلامی موضوعات کے علاوہ انھوں نے پیشکش کہ آپ کے پروگرام ”قرآن حکیم اور ہماری زندگی“ میں قرآنی آیات کی تفسیر بیان کی۔

مسجد مبارک میں بھی تقریباً پچیس برس سے ہر رمضان المبارک میں نماز تراویح میں پڑھے گئے قرآن حکیم کی تفسیر کا خلاصہ مولانا فضل الرحمن اختصار اردو میں بیان کرتے ہیں۔

مولانا پاشا اللہ بہت اچھے مقرر ہیں اور صفائی اور بلند آہنگی سے کتاب و سنت کی روشنی میں تقریر کرتے ہیں۔ لوگ قریب اور دور سے آ کر توجہ اور انہماک سے ان کی تقریر سنتے اور مستفید ہوتے ہیں اور کسی مصنف اور مقرر کا بہت بڑا اکمال ہے کہ اس کی تقریر اور تحریر سے ہر طبقے کے لوگ یکساں استفادہ کر سکیں۔

مولانا کی خطابی اور تقریری مساعی کے بعد ان کی تصنیفی خدمات کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ انھوں نے مندرجہ ذیل کتابیں اور کتابچے تصنیف کیے۔

- اسلام میں عورت کی سربراہی: اس کتاب میں مولانا نے قرآن و سنت کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ اسلام کی رو سے عورت اسلامی ملک کی سربراہ نہیں بن سکتی اور انہوں نے اس سلسلہ میں ۱۴۲ اسلامی کتابوں کے حوالے دیے ہیں۔
- سوانح حیات مولانا ثناء اللہ امرتسری: یہ کتاب حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم و مغفور کے حالات و زندگی پر اگرچہ مشتمل ہے لیکن اس میں انھوں نے بہت سی علمی معلومات کو جمع کیا ہے۔
- جنازے کے مسائل: اس کتاب میں تفصیل کے ساتھ جنازے کے متعلق مسائل و احکام بیان فرمائے گئے ہیں۔
- قادیانی اور لاہوری مرزائی دائرہ اسلام سے کیوں خارج ہیں؟: اس کتاب میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے فاضل مصنف نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ مرزائیوں کے دونوں گروپ لاہوری اور قادیانی ..... خارج از اسلام ہیں۔
- رجم کے بارے میں شرعی عدالت کا غیر شرعی فیصلہ: شادی شدہ زانی کو رجم کی سزا دینے کے متعلق یہ نہایت اچھی کتاب ہے۔
- رجب کے کوٹھے: ایک حلقے میں ۲۲۔ رجب کو "کوٹھوں" کا جو رواج چلا آ رہا ہے اس کے متعلق یہ رسالہ لائق مطالعہ ہے۔
- آخری چہار شنبہ: ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ کے بارے میں میں ثابت کیا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔
- اکہم نکس کی شرعی حیثیت: اس میں بتایا گیا ہے کہ حکومت لوگوں سے جو اکہم نکس وصول کرتی ہے اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔
- پریس پر پابندی کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر:
- کفن پر دعائیہ کلمات کی اصل:
- مولانا کو قرآن مجید سے خاص تعلق خاطر ہے۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا اس صحیفہ نور کے بعض پہلوؤں پر انھوں نے ریڈیو میں تقریریں کیں، نماز تراویح میں تلاوت شدہ پارے کے مضامین کی وضاحت کو اپنا معمول قرار دیا اور خطبات جمعہ میں اس کی مناسب الفاظ میں تفسیر کو اپنے آپ پر لازم ٹھہرایا۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے ایک اہم کام یہ کیا کہ ابتدائے قرآن سے اس کی تفسیر کی طرف عتبات توجہ مبذول کی۔ یہ ایک بابرکت سلسلہ ہے۔ بجز اللہ سورۃ فاتحہ، سورۃ البقرۃ اور سورۃ آل عمران کا ترجمہ و تفسیر وہ مکمل کر چکے ہیں اور سورہ نساء کے نصف سے زیادہ کی تکمیل ہو چکی ہے۔
- مولانا کا طریق تحریر یہ ہے کہ پہلے قرآن مجید کی آیت درج کرتے ہیں اس کے بعد اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ پھر تفسیر بیان کی جاتی ہے۔ آخر میں حل لغات کا سلسلہ چلتا ہے جو علماء و طلباء اور عوام کے لیے بے حد فائدہ مند ہے۔
- تقریر کی طرح مولانا کی تحریری زبان سلیس اور عام فہم ہے۔ ہر شخص آسانی سے ہر بات سمجھ لیتا ہے زیادہ تعلیم یافتہ بھی اور کم تعلیم یافتہ بھی برابر مستفید ہوتے ہیں۔



مولانا فضل الرحمن پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل یہ ہے کہ ان کی تفسیر فضل القرآن کی دوسری جلد سورۃ آل عمران کی تفسیر بھی کتابی صورت میں منظر عام پر آگئی ہے۔ اور یہ تفسیر بھی ”قرآن حکیم اور ہماری زندگی“ کے تحت قسطوں میں ہفت روزہ ”الاعتصام“ کی زینت بنتی رہی ہے۔ سورۃ النساء کی تفسیر بھی اسی عنوان کے تحت آج کل شائع ہو رہی ہے۔

قرآن مجید کی تفسیر کا معاملہ بے حد اہمیت کا حامل اور نہایت احتیاط کا متقاضی ہے جس سے مولانا فضل الرحمن خوب آگاہ ہیں۔ اس تفسیر کی خصوصیات یہ ہیں:

- ⊗ اسلاف امت کے نقطہ نظر کو پیش نگاہ رکھا گیا ہے۔
  - ⊗ مختلف مقامات میں ایک آیت کی تفسیر کے لیے دیگر آیات سے استدلال کیا گیا ہے
  - ⊗ جگہ جگہ کتب حدیث کے حوالے دیے گئے ہیں اور ارشادات رسول (ﷺ) سے استشہاد کیا گیا ہے۔ جس سے تحقیق کرنے والوں کے لیے انھوں نے بڑی آسانی پیدا کر دی ہے۔
  - ⊗ قدیم کتب تفاسیر سے مدد لی گئی ہے۔
  - ⊗ فرامین صحابہ کرام اور اقوال ائمہ عظام کو رہنما ٹھہرایا گیا ہے۔
  - ⊗ تاریخی واقعات کے لیے مستند اولین کتب تاریخ سے رجوع کیا گیا ہے
  - ⊗ موجودہ حالات کے تقاضے فاضل مفسر کے سامنے ہیں متعدد مقامات پر گزشتہ دور کے واقعات کی روشنی میں موجودہ دور کے واقعات کو ہدف بحث بنایا گیا ہے۔
  - ⊗ محل لغات کے عنوان سے ہر آیت کے مشکل الفاظ کے اصل معنی کی تصریح کی گئی ہے۔
- و دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تفسیر کے فضل و فضیلت میں اضافہ فرمائے اور بہ طریق احسن پایہ تکمیل کو پہنچے۔ آمین یا رب العالمین

بندۂ عاجز

محمد اسحاق بھٹی

اسلامیہ کالونی۔ ساندہ لاہور

۱۴۔ مارچ ۲۰۰۳ء

۲۰۔ محرم ۱۴۲۵ھ، بروز جمعہ المبارک

### نوٹ

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مولانا موصوف کی تفسیر فضل القرآن کی دوسری جلد کا یہ دوسرا ایڈیشن ہے ان کی تفسیر کی تیسری جلد سورۃ النساء کی صورت میں طبع ہو چکی ہے۔

## تفسیر فضل القرآن الجزء (۲)

## سورة آل عمران

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

①

اَلَمْ ① اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ

الْقَيُّوْمُ ②

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا

بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرَاتِ وَالْاِنْجِيلَ ③

مِنْ قَبْلُ هٰذِي لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ④

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِآيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ

شَدِيْدٌ ⑤ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُوْا نِقَامٍ ⑥

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِى الْاَرْضِ

وَلَا فِى السَّمَآءِ ⑦

هُوَ الَّذِىْ يُصَوِّرُكُمْ فِى الْاَرْحَامِ كَيْفَ

يَشَآءُ ⑧ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑨

”اَلَمْ اللّٰهُ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی ہمیشہ زندہ اور

قائم رہنے والا ہے۔

اس نے آپ پر حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی جو

اس سے پہلے والی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے

اور اس نے تورات و انجیل اتاری۔

اس سے قبل، جو لوگوں کے لیے باعث ہدایت تھیں اور

اس نے فرقان اتارا۔ بے شک جنہوں نے اللہ کی

آیات کا انکار کیا ان کے لیے انتہائی تکلیف دینے والا

عذاب ہوگا، اور اللہ تعالیٰ غالب انتقام لینے والا ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ پر زمین اور آسمان میں کوئی شے مخفی

نہیں۔

وہی ہے جو رحموں میں جیسے چاہتا ہے تمہاری صورتیں

بناتا ہے اس کے سوا کوئی معبود حق نہیں۔ وہی غلبے والا

حکمت والا ہے۔

تشریح:

صحیح مسلم (۲۷۰۱) کی روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن پڑھا کرو کیونکہ وہ اپنے پڑھنے والوں

کے لیے قیامت کے روز شفاعت کرنے والے کی صورت میں آئے گا اور چمک دار روشن دو سورتیں البقرہ اور آل عمران بھی پڑھا کرو یہ اپنے پڑھنے والوں کے لیے قیامت کے دن اس طرح آئیں گی گویا وہ دو بادلوں کے ٹکڑے یا سایہ کرنے والی چیزیں یا صف باندھے پرندے ہیں۔ جیسے ان کو دھوپ سے بچا رہے ہوں۔ صحیح مسلم کو دوسری روایت کے مطابق قیامت کے روز قرآن حکیم اور اس کے مطابق عمل کرنے والوں کو لایا جائے گا، سورة البقرہ اور سورة آل عمران قرآن کے آگے آگے ہوں گی۔

دونوں سورتوں میں ایک ایک ایسی آیت ہے جس کو اسم اعظم کہا جاتا ہے۔ اسم اعظم سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ نام یا اس کی صفت کا وہ بیان ہے جس کے ساتھ جب دعا مانگی جائے تو قبول ہوتی ہے۔ دیے تو اللہ تعالیٰ نے سورة البقرہ میں اعلان فرمایا ہے کہ:

﴿أَجِيبْ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَا﴾

”جب پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔“ یعنی اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔

لیکن اسم اعظم کے ساتھ خصوصیت پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہوئے اس کو پکارتا ہے تو اس کی رحمت پکارنے والے کو ڈھانپ لیتی ہے۔ سنن ترمذی (۲۰۷/۲)، سنن ابی داؤد (ص ۲۱۰)، اور سنن ابن ماجہ (ص ۲۷۴) میں اسامہ بنت یزید سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے۔ (سورة بقرہ کی آیت) ﴿وَاللّٰهُمَّ اِلٰهَ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾ (۱۶۳) اور آل عمران کی آیت ﴿اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ (۲)

سنن ابی داؤد (ص ۲۰۹) اور سنن ترمذی (۲۰۷/۲) میں بریدہ السلمیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو سنا کہ وہ کہہ رہا تھا: ((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ بِاَنِّیْ اَشْهَدُ اَنَّکَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَہٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔ آپ ﷺ نے اس کے یہ کلمات سن کر فرمایا:

”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اس نے اللہ سے اس کے اسم اعظم کے ساتھ سوال کیا ہے کہ جب اس کے ساتھ دعا کی جائے تو وہ قبول کرتا ہے جب اس کے ساتھ مانگا جائے تو وہ دیتا ہے۔“

سورة آل عمران کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے اپنے الٰہی القیوم ہونے کے ساتھ یہ بھی واضح کر دیا کہ اس نے جو کتاب محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمائی وہ تورات و انجیل کی نفی کرنے والی نہیں بلکہ ان کی تصدیق کرنے والی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہونے والے تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کا ایک ہی پیغام تھا۔ ہر ایک نے اپنی

قوم سے کہا ﴿اُعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ﴾ ”صرف اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں۔ یہی بات سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ سے کہلوائی گئی۔ سورة ال عمران ہی میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾ (۸۴)

”آپ کہہ دیں کہ اے اہل کتاب! اس کلمے کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔ یہ کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس کیساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور نہ ہی بعض ہمارا بعض کو اللہ کے سوا رب بنائے اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ ہو جاؤ بے شک ہم مسلمان ہیں۔“

حقیقی تورات اور انجیل میں بھی اسی بات کی تعلیم دی گئی تھی۔ لیکن یہود و نصاریٰ نے زمانہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی کتابوں کی تعلیم کو مسخ کر دیا اور دنیاوی مفادات کو ترجیح دیتے ہوئے آخرت کی پروا نہ کی۔ اسی لیے موسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا۔ لیکن بنو اسرائیل نے ان کو نبی تسلیم نہ کیا اور نہ ہی ان کو ملنے والی کتاب پر ایمان لائے۔ سورة القف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَبْنِي إِسْرَءِيلَ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُبِينٌ﴾ (۸۱)

”اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل! مجھ سے پہلے جو تورات نازل ہو چکی ہے میں اس کی تصدیق کرنے والا اللہ کا رسول ہوں اور اس رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہو گا جب وہ بنو اسرائیل کے پاس نشانیاں لائے گا تو انھوں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے۔“

عجیب بات یہ ہے کہ جو انجیل منکوک ہو چکی ہے اس کے بھی پانچویں باب کی آیت نمبر ۷ میں عیسیٰ علیہ السلام کا اپنا اعلان ہے:

”یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔“

لیکن یہود نے ان کو اپنی طرف سے سولی پر لٹکوا دیا۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ نصاریٰ نے بھی اس کو تسلیم کر لیا۔ یہود آج بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہونے والے نبی نہیں مانتے اور نہ عہد نامہ

جدید کے منزل من اللہ ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔

قرآن حکیم کا یہ احسان ہے کہ جہاں تورات کے الہامی ہونے کو تسلیم کرتا ہے۔ وہاں عیسیٰ علیہ السلام کو دی جانے والی کتاب کے حق کی بھی گواہی دیتا ہے۔ ساتھ ہی یہود و نصاریٰ میں جو خرابیاں پیدا ہوئیں ان کو بھی نشان دہی کرتا ہے۔ سورة التوبة میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ﴾ (۳۰)  
 ”اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ ان کے منہ کی باتیں ان لوگوں کے قول کی مثل ہیں جنہوں نے پہلے کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر لے، وہ کہاں بچے جا رہے ہیں؟“

یعنی یہود و نصاریٰ کی بنیادی خرابی اپنے نبیوں کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دینا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں سورة الاخلاص نازل کر کے ہمیشہ کے لیے اس بدترین شرک کی جڑ کاٹ دی۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی اعلان کر دیا۔

﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ (۱) اللَّهُ الصَّمَدُ (۲) لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ (۳) وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ (۴)﴾  
 ”آپ کہہ دیں وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے جنا ہے اور نہ وہ جنا گیا ہے۔ اور نہ کوئی اس کی برابری کرنے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے ذریعہ اپنے آپ کو کسی کا باپ ہونے کی قطعی نفی کر دی۔

یہود و نصاریٰ کی مزید گمراہی کو اللہ تعالیٰ نے سورة التوبة میں یوں اجاگر فرمایا:

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (۱۶)

”انہوں نے اپنے علماء اور تارک الدنیا درویشوں اور مسیح بن مریم کو اللہ کے علاوہ رب بنا لیا۔ حالانکہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ صرف ایک معبود کی عبادت کریں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اس سے پاک ہے جو وہ شرک کرتے ہیں۔“

نصاریٰ میں ایسے لوگ بھی ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رب مانتے ہیں۔ وہ بھی ہیں جو یہود کی طرح اپنے علماء اور رہبان کی حلال کردہ چیزوں کو حلال اور حرام کردہ کو حرام مان لیتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی واضح تعلیم کو ترک کر کے اپنے علماء و مشائخ کی ادمی تقلید کرتے ہیں۔ حق کو سمجھنے اور پانے کی کوشش نہیں کرتے۔ حق سامنے

بھی آجائے لیکن وہ علماء و مشائخ کے اقوال کو ترجیح دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں بلکہ وہ چاہتا ہے کہ ہر حال میں اور ہر جگہ صرف اسی کی عبادت ہو اور اس کی شریعت کے مطابق عمل کیا جائے۔ شریعت کو مسخ کرنے اور مسخ شدہ شریعت کے مطابق عمل کرنے والے اس کے نزدیک بدترین مخلوق ہے۔ سورۃ الہیۃ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَ الْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أُولَئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ﴾ (۶۱)

”بے شک اہل کتاب میں سے جنہوں نے کفر کیا اور اہل شرک جنہم میں ہوں گے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے وہی زمین میں پائی جانے والی بدترین مخلوق ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے آل عمران کی آیات میں ایسے لوگوں کو انتہائی تکلیف دینے والے عذاب کی وعید سنائی ہے اور واضح کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو ٹھکرانے والوں پر اس کی گرفت ہوگی جو غلبے والا اور انتقام والا ہے۔ جب انتقام لینے پر آئے تو کوئی اس سے بچانے والا نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو فرقان اس لیے کہا کہ یہود و نصاریٰ نے تورات اور انجیل کو مسخ کر کے ان میں جو ہیرا پھیری کی فرقان نے اس کو واضح کر دیا ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لے لیے۔ دنیا کے کونے کونے میں اس کے حفاظ کو پھیلا دیا۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ تورات اور انجیل کا ایک بھی حافظ دنیا میں نہیں پایا جاتا۔ یہ اعجاز قرآن حکیم کا ہے کہ اس کے حفاظ کی تعداد کا دنیا میں تعین ہی نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے الحی القیوم ہونے کے ساتھ اپنی تیسری صفت المصور کا بھی ذکر کیا ہے یعنی رحموں میں انسانوں کی تخلیق کرنے والا۔ ایک ہی جملے میں انسانوں کو ان کی حقیقت سے آگاہ کر دیا۔ اپنے رب کو پہچاننے کا بڑا ہی آسان طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنی ہی تخلیق پر غور کرے۔ کس طرح اس کی ماں کے پیٹ میں اللہ تعالیٰ نے اس کی خوراک کا بندوبست کیا۔ دنیا میں آنے کے بعد اس کی پرورش کس طرح کرائی۔ اس کی شکل و صورت بنانے والا کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانفطار میں فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّبَكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ (۱) الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ (۲) فِي أَيِّ صُورَةٍ مَا شَاءَ رَكَّبَكَ (۳)﴾

”اے انسان! تیرے رب کریم کے بارے میں تجھے کس چیز نے دھوکے میں رکھا۔ جس نے تیری تخلیق کی پھر تجھے ٹھیک تھا کہ کیا۔ پس تیری تخلیق میں ضروری توازن پیدا کیا۔ جس صورت میں اس نے چاہا

تجے جوڑ دیا۔“

یہ بھی اس کا کمال ہے کہ کروڑوں انسانوں میں ہر انسان کی صورت اپنی ہی ہوتی ہے۔ سورة الملک میں اللہ نے فرمایا:

﴿قُلْ هُوَ الَّذِي أَنشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ﴾ (۷۳)

”آپ کہہ دیں کہ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہیں سننے والے کانوں اور دیکھنے والی آنکھوں اور دھڑکنے والے دلوں سے نوازا، مگر تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔“

الحی القیوم کا شکر ادا کرنے کی اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

### حرف لغات:

﴿الْم﴾ حروف مقطعات کے بارے میں بہترین قول یہ ہے کہ: اللہ اعلم بمراۃ یعنی اس سے کیا مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جاننے والا ہے۔

﴿الْحَى﴾ سے مراد ہمیشہ زندہ رہنے والا یعنی جس نے موت کا مزہ نہیں چکھا۔ سورة الفرقان میں سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کو حکم ملا ہے: ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ﴾ (۵۸) ”اور ہمیشہ اس زندہ رہنے والے پر توکل کیا کریں کہ جس نے مرنا نہیں۔“

﴿الْقَيُّومُ﴾ قَامَ يَقُومُ سے مبالغے کا مینہ ہے اور اس سے مراد ہمیشہ قائم رہنے والا اور اپنی مخلوق کے نظام کو قائم رکھنے والا ہے۔ الْحَى اور الْقَيُّومُ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے دو نام ہیں۔

﴿نَزَّلَ﴾ اور أُنْزِلَ ﴿دونوں ثلاثی مزید فیہ کے باب ہیں۔ نَزَلَ کا مفعول الْكِتَابُ اور أُنْزِلَ کے مفعول التَّوْرَةُ وَالْإِنْجِيلُ ہیں

﴿بِالْحَقِّ﴾ الْكِتَابُ کا حال ہے۔ الْكِتَابُ سے مراد قرآن حکیم ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا اور تورات سے مراد وہ کتاب ہے جو موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی اور انجیل سے مراد عیسیٰ علیہ السلام کو ملنے والی کتاب ہے۔ لیکن یہاں یہ خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ تورات اور انجیل سے مراد وہ تورات و انجیل ہے جو اصلی حالت میں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو دی گئیں۔

﴿مِنْ قَبْلِ هَٰذِهِ لِلنَّاسِ﴾ میں مِنْ حرف جر ہے اور قَبْلُ مبنی برضم ہے۔ اصل میں مرکب اضافی یوں تھا: مِنْ قَبْلِ هَٰذَا الزَّمَانِ یعنی اس زمانے سے پہلے۔ مضاف الیہ کو حذف کر کے قَبْلِ کے آخر میں پیش وے دی گئی۔ هَٰذِهِ، التَّوْرَةُ وَالْإِنْجِيلُ کا حال ہے۔ یعنی مسخ ہونے سے پہلے دونوں کتابیں لوگوں کے لیے باعث ہدایت تھیں۔



﴿الْفُرْقَانِ﴾ مصدر ہے اور اس سے مراد حق و باطل میں فرق کرنے والا قرآن ہے اور یہ انزل کا مفعول ہے۔ اپنے اپنے وقت میں تورات اور انجیل کی بھی یہ صفت تھی۔ سورة البقرة میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ (۵۲) ”ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جو حق و باطل میں فرق کرنے والی تھی تاکہ تم (یہود) ہدایت پاؤ۔“

﴿بِآيَاتِ اللَّهِ﴾ مرکب اضافی، حرف جر ب کی وجہ سے مجرد ہے۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی نشانیاں قرآن حکیم کی آیات ہیں۔

﴿عَذَابٌ شَدِيدٌ﴾ مرکب توصیفی اور اس کا معنی ہے: انتہائی تکلیف دینے والا عذاب۔

﴿عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ﴾ سے مراد غلبے والا، انتقام لینے والا ہے۔

﴿لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ﴾ میں لا نافیہ۔ یخفی فعل مضارع۔ علی حرف جر اور ضمیر لفظ اللہ کی طرف راجع ہے۔ شَيْءٌ يَخْفَىٰ کا فاعل ہے۔ جملے کا معنی ہے: آسمان اور زمین میں کوئی چیز اللہ تعالیٰ پر مخفی نہیں۔

﴿يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ﴾ میں يَصَوِّرُ باب تفعیل سے فعل مضارع۔ ثم ضمیر مخاطب کی اس کا مفعول فی حرف جر۔ الْأَرْحَامِ مجرد (الرحم کی جمع) ہے جملے کا معنی ہے: وہی ہے جو رحموں میں تمہیں بہترین صورتیں عطا کرتا ہے۔

﴿الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ سے مراد غلبے اور حکمت والا ہے۔

۲

وہی ہے جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی۔ اس میں سے محکم آیات ہیں جو کتاب کی اصل ہیں اور دوسری تشابہات ہیں۔ پس جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھا پن ہے، فتنہ پیدا کرنے اور مطلب کی تاویل کرنے کی چاہت میں وہ ان آیات کی اتباع کرتے ہیں جو ان میں سے تشابہ ہیں۔ حالانکہ اللہ کے سوا ان کی حقیقی تاویل کوئی نہیں جانتا۔ مضبوط علم والے کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے،

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو

## الْأَلْبَابِ ﴿٧﴾

وہ تمام ہمارے رب کی طرف سے ہیں۔ اور نصیحت صرف عقل والے حاصل کرتے۔

اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا اور اپنے پاس سے ہمیں رحمت عطا فرما۔ بے شک تو بہت ہی زیادہ دینے والا ہے۔

اے ہمارے رب! بلاشبہ تو لوگوں کو اس دن کے لیے جمع کرنے والا ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ اللہ تعالیٰ یقیناً وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

بے شک جنہوں نے کفر کیا، ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑانے کے لیے کچھ کام نہیں آئیں گے اور وہی لوگ جہنم کا ایندھن ہوں گے۔

جیسے ال فرعون اور ان سے پہلوں کا حال ہوا۔ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔

رَبَّنَا لَا تُرْغِ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿٨﴾

رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿٩﴾

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ﴿١٠﴾

كَذَّابٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ ۖ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ فَآخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۖ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١١﴾

## تشریح:

صحیح بخاری کتاب التفسیر ص ۶۵۳ اور صحیح مسلم کتاب العلم (۲/۳۳۹) میں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے محکمات و متشابہات والی پوری آیت ﴿هُوَ الَّذِي﴾ سے لے کر ﴿أُولُوا الْأَلْبَابِ﴾ تک تلاوت کرنے کے بعد فرمایا:

”جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو متشابہات کے پیچھے لگے ہوئے ہوں تو سمجھ لو کہ وہی ہیں جن کا نام اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں لیا ہے۔ پس ان سے بچ جاؤ۔“

”محکمات“ اور ”متشابہات“ کے ذکر سے ہرگز یہ مقصود نہیں کہ قرآن حکیم میں ایسی بھی آیات ہیں جو محکم نہیں۔ بلکہ قرآن حکیم پورے کا پورا محکم ہے۔ سورۃ البقرہ کے آغاز میں ہی واضح کر دیا گیا کہ: لَا رَيْبَ فِيهِ (اس میں کوئی شک نہیں۔) سورۃ ہود کے آغاز میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ (۱)﴾

”یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات کو محکم کر دیا گیا، پھر حکیم و خبر کی طرف سے ان کی وضاحت کھول کر بیان کر دی گئی ہے۔“

سورة ابراہیم کے آغاز میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿كَيْتَبُ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ (۱)﴾

”یہ وہ کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف اس لیے نازل فرمایا تاکہ آپ لوگوں کو گمراہی کے اندھیروں میں سے نکال کر نورِ ہدایت کی طرف لے جائیں۔“

سورة النحل میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (۱۱)﴾

”اور ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل کیا تاکہ آپ اس کو کھول کر بیان کر دیں جو ان کی طرف نازل کیا گیا اور شاید وہ غور و فکر کریں۔“

مذکورہ آیات سے واضح ہو جاتا ہے کہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہونے والے قرآن حکیم میں کوئی التباس یا اشکال نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہر لفظ اور اس کی نازل کردہ ہر آیت بالکل واضح اور محکم ہے۔ چونکہ اس کی آیات آپس میں ملتی جلتی ہے، لہذا ہدایت سے محروم رہنے والے ان سے ایسا مطلب اخذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس سے شکوک و شبہات پیدا ہوں اور لوگوں کو حق سے دور کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے درحقیقت ان کی نشان دہی کی ہے۔ سورة الصف میں ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد ہوا:

﴿فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (۵)﴾

”پھر جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

محکم کو چھوڑ کر تشابہات سے مطلب کا معنی اخذ کرنے کا جو رجحان یہود و نصاریٰ میں تھا، اب وہ ہمارے ہاں بھی پایا جاتا ہے۔ کوشش یہ کی جا رہی ہے کہ قوم کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر کے ملت اسلامیہ کی حقیقی قوت کو پارہ پارہ کیا جائے۔ بے شمار جماعتیں وجود میں آچکی ہیں اور ہر جماعت کا دعویٰ ہے کہ اسلام کی سب سے زیادہ خدمت کرنے والی اور اللہ کے ہاں کامیاب ہونے والی وہی ہے۔ بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(( لَتَبْعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ، وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتَّى لَوْ دَخَلُوا جُحَرَ ضَبٍّ تَبِعْتُوهُمْ، قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى؟ قَالَ: فَمَنْ )) (مشکوٰۃ۔ باب تغیر الناس)  
 ”جو لوگ تم سے پہلے تھے تم ضرور ان کی اتباع کرو گے۔ یعنی تم ان کی طرح ایسے ہو جاؤ گے) جیسے  
 بالشت کے برابر بالشت اور ہاتھ کے برابر ہاتھ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی ساڑھے کی  
 بل میں داخل ہوا ہوگا تو تم بھی ان کے پیچھے جاؤ گے۔ عرض کیا گیا: اللہ کے رسول! اس سے مراد یہود و  
 نصاریٰ ہیں؟ آپ نے فرمایا: تو اور کون ہو سکتے ہیں۔“

جامع الترمذی ابواب الایمان (۱۰۴/۲) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
 ”یہودی و نصاریٰ اکہتر بہتر فرقوں میں منقسم ہوئے اور میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی۔“  
 امام ترمذی نے مفسر کے طور پر عبد اللہ بن عمرو سے مروی حسن غریب حدیث بھی نقل کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم نے فرمایا:

”میری امت پر وہ وقت ضرور آئے گا جس میں وہ بنو اسرائیل کی اتباع میں جوتی کے برابر جوتی کی طرح  
 عمل کرے گی۔ اگر ان میں سے کوئی اپنی ماں سے زنا کرے گا تو میری امت میں سے بھی کوئی بد بخت دیا  
 ہی کرے گا۔ بنو اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئی جب کہ میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی۔“  
 ((كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً: قَالُوا: مَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي))  
 ”ایک کے سوا باقی سارے آگ میں ہوں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! نجات پانے  
 والی جماعت کون سی ہوئی؟ آپ نے فرمایا: جو میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل کے مطابق عمل  
 کرنے والی ہوگی۔“

سنن ابی داؤد کتاب السنۃ: ۶۳۱ اور مسند احمد (۱۰۲/۳) میں معاذیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا:  
 ”میری امت میں ایسی قومیں پیدا ہوں گی جن کی خواہشات ان میں ایسے سراپت کر جائیں گی جیسے کتے  
 کے کاٹے ہوئے انسان کی ہر رگ اور ہر جوڑ میں اس کے کاٹنے کا اثر پہنچ جاتا ہے۔“

جن لوگوں کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے امت مسلمہ کو آگاہ کیا وہ آج امت میں  
 فتنہ پیدا کرنے اور قرآنی آیات کی اپنے مطلب کی تاویل کرنے میں زبردست کردار ادا کر رہے ہیں جب کہ علم میں  
 رسوخ رکھنے والے ہمیشہ کی طرح ان کا مقابلہ کرنے میں کوشاں ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ ایسے فتنہ بازوں کو طاعنوں  
 طاقوں کی بھرپور حمایت حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تشابہات کے بارے میں واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کی تفسیر و تاویل بہتر جانتا ہے۔ قرآن حکیم میں جہاں کہیں کوئی ایسی بات کا ذکر ہوتا ہے تو اللہ سے ڈرنے والے اہل علم اس کو اللہ ہی کی طرف لوٹا دیتے ہیں۔ کیونکہ اسی میں خیر و عافیت ہوتی ہے۔ ساتھ وہ یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہدایت سے نوازنے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ ہونے دینا۔

جامع الترمذی ابواب الدعوات (۲/۲۱۴) میں شہر بن حوشب سے مروی ہے کہ میں نے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں عرض کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ کے پاس ہوتے تو کون سی دعا زیادہ مانگا کرتے تھے؟ انہوں نے بتایا کہ آپ کی اکثر دعا یہ ہوا کرتی تھی۔

(( يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ بَيِّنْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ ))

”اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھنا۔“

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا کہنا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ اکثر یہ دعا کیوں کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا:

”اے ام سلمہ! کوئی آدمی ایسا نہیں جس کا دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان نہ ہو۔ پس

وہ چاہے تو سیدھا رکھے اور چاہے تو ٹیڑھا کر دے۔“ حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی معاذ نے

قرآن حکیم کی آیت ﴿وَرَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا﴾ پڑھی۔

اگر کوئی دل میں ٹیڑھا پن رکھنے والا ہوتا تو وہ اس روایت کے بارے میں بھی کئی ٹیڑھے سوال کر سکتا تھا لیکن حدیث کے راویوں نے فوراً قرآن حکیم کی آیت سنتے ہی معاملے کو اللہ کی طرف لوٹا دیا۔

اہل علم کی یہ بھی پہچان ہے کہ وہ صرف اللہ ہی سے مانگتے اور اس کی رحمت کے طلب گار رہتے ہیں۔ جو اللہ سے منہ موڑ لیتے ہیں ان کا انجام جہنم کی آگ ہوتا ہے۔ دنیا میں جس مال اور اولاد پر وہ نازاں ہوتے ہیں، اللہ کے عذابوں سے بچانے کے لیے وہ کسی کام نہیں آتے۔ ال فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کا حوالہ دے کر اللہ تعالیٰ نے اپنا قانون بیان کر دیا ہے کہ جس طرح ان کے گناہوں کے سبب ان پر گرفت ہوئی، اسی طرح ہر دور میں ہوتا رہے گا۔ قرآن حکیم میں عادیوں، مشرعوں اور آل فرعون کے تفصیل کے ساتھ واقعات بیان ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو طاقت عطا کی اور اپنی بے شمار نعمتوں سے مالا مال کیا۔ لیکن جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نبیوں کی تعلیم کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور نبیوں سے تقاضا کرنے لگے کہ جس عذاب الہی سے ہمیں ڈرا رہا ہے وہ لے آ۔ جب نہایت یہاں تک پہنچ گئی تو پھر ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا اور ایسا نازل ہوا کہ ان کا نام و نشان مٹ گیا۔ کوئی بھی ان

کو بچا نہ سکا۔ ﴿شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ نے ان کو دنیا کے لیے عبرت بنا دیا۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ کسی بھی سرکش نافرمان نے عبرت حاصل نہیں کی۔ بلکہ آج اس کا زور بہت بڑھ گیا۔ پہلے بھی اسی طرح ہوتا رہا ہے اور اب بھی ہو رہا ہے۔ اللہ ڈھیل تو دیتا ہے لیکن اپنا قانون نہیں بدلتا..... اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

### حل لغات:

﴿اَيْتٌ مُّحْكَمَةٌ﴾ مرکب توصیفی ہے۔ اس سے مراد قرآن حکیم کی وہ آیات مبارکہ ہیں جو لفظی اور معنوی طور پر بالکل واضح ہیں۔ عربی زبان میں درک رکھنے والوں کے لیے ان کی تفسیر و تشریح کو سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔

﴿هُنَّ اُمُّ الْكِتَابِ﴾ میں هُنَّ ضمیر مرفوع منفصل اَيْتٌ مُّحْكَمَةٌ کی طرف راجع ہے اور اُمُّ الْكِتَابِ سے مراد اصل نوشتہ یعنی لوح محفوظ ہے۔ کیونکہ وہی تمام علوم کا منبع ہے اور اسی کی طرف تمام علوم منسوب ہوتے ہیں۔ مکہ مکرمہ کو اُمُّ الْقُرْیٰی اس لیے کہا گیا کہ وہ خطہ عرب کا مرکز تھا۔ اب ساری اسلامی دنیا کا دینی مرکز ہے۔ کہکشاں کو اُمُّ النُّجُوْم کہا جاتا ہے۔ مہمان نواز کے لیے اُمُّ الْمَسَاكِيْن کا مرکب استعمال ہوتا ہے۔ سورة الفاتحہ کے ناموں میں سے ایک نام اُمُّ الْكِتَابِ ہے۔

﴿اٰخَرُ مُتَشَابِهَاتٍ﴾ میں اٰخَرُ اٰخَرِی کی جمع اور مُتَشَابِهَاتٍ مُتَشَابِهَاتِہ کی جمع ہے۔ مُتَشَابِهَاتِہ باب تفاعل سے اسم فاعل مؤنث ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کتاب نازل فرمائی اس میں وہ آیات ہیں جو محکم ہیں اور وہ نازل کی گئی کتاب کی اصل یعنی جڑ ہیں اور دوسری آیات مُتَشَابِهَاتِہ ہیں۔ ظاہری طور پر تو آپس میں ملتی جلتی ہیں لیکن ان کی تفسیر بیان کرنا مشکل ہوتا ہے۔ ”مفردات القرآن“ (امام راغب) میں اس پر خاصی بحث کی گئی ہے۔

﴿زَيْغٌ﴾ سے مراد ٹیڑھا پن ہے۔

﴿اٰتِيْعًا تَاوِيْلًا﴾ میں اٰتِيْعًا باب افعال سے اور تَاوِيْلًا باب تفعیل سے مصدر ہیں اور ہ ضمیر مآ تشَابِهَاتِہ مِنْہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس سے پہلے فعل مضارع فَيَتَّبِعُوْنَ ہے۔ اس آیت کے ذریعہ واضح کیا گیا ہے کہ جن کے دلوں میں ٹیڑھا پن ہوتا ہے وہ اس کی تاویل کے طلب گار ہوتے ہیں جو متشابہ ہو۔ یعنی اپنے مطلب کی بات نکالنے میں کوشاں ہو جاتے ہیں۔ تاویل کا لغوی معنی ہے کسی چیز کے اصل کی طرف رجوع کرنا۔

﴿وَالرَّاسِخُونَ﴾ الرَّاسِخُ کی جمع ہے۔

﴿فِي الْعِلْمِ﴾ سے راسخ کے رسوخ کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ کہ جو علم میں محقق اور ہر شک و شبہ سے دور رہنے

والے ہوتے ہیں۔ تفسیر القرطبی میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راسخ کے بارے میں جب سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: راسخ وہ ہے جس کی قسم پوری ہو۔ جس کی زبان سچ کہے اور جس کا دل ایمان پر قائم رہے۔ ﴿أُولَٰئِكَ الْأَلْبَابُ﴾ سے مراد عقل والے۔ ﴿لَا تُزِغْ﴾ باب افعال سے فعل نہی ﴿فَلْتُؤَنِّتْ﴾ اس کا مفعول۔

﴿بَعْدُ﴾ ظرف۔ ﴿إِذْ﴾ شرطیہ

﴿هَٰذِهِنَّ﴾ میں ہدیت فعل ماضی واحد مذکر حاضر۔ ناصیر متکلم کی۔ الْوَابِسُخُونُ فِی الْعِلْمِ کی یہ دعا ہے۔

﴿هَبْ﴾ فعل امر

﴿الْوَهَّابُ﴾ وَهَبَ يَهَبُ سے مبالغے کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے: بہت ہی دینے والا۔ یہ بھی اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

﴿لَيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ﴾ سے مراد قیامت کا دن ہے۔

﴿لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ﴾ میں لَا نافیہ۔ يُخْلِفُ فعل مضارع۔ الْمِيعَادُ اس کا مفعول اور اس کا فاعل فعل میں ہی پوشیدہ ہے۔ جملے کا معنی ہے: بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

﴿لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا﴾ تُغْنِي فعل مضارع پر لَنْ ناصب آیا ہوا ہے۔ جب یہ حرف فعل مضارع پر آئے تو اس کے آخر میں زبر آ جاتی ہے اور معنی نفی مستقبل میں ہو جاتا ہے۔ أَمْوَالُهُمْ اور أَوْلَادُهُمْ، لَنْ تُغْنِي کے فاعل ہیں اور یہ کفار کے بارے میں وعید ہے کہ ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی کفایت نہ کریں گے۔

﴿وَفُؤْذِ النَّارِ﴾ مرکب اضافی ہے اور اس کا معنی ہے جہنم کا ایندھن

﴿كَذَّابِ الْفِرْعَوْنَ﴾ میں ذَاب مصدر پر کاف تشبیہ کا ہے۔ اس جملے کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ کفار جو سلوک آپ سے کر رہے ہیں، ایسے ہی آل فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کیا۔ یعنی مومنوں کے ساتھ آل فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کا یہی طریقہ اور عادت رہی ہے۔

﴿كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا﴾ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔

﴿فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ﴾ میں أَخَذَ فعل ماضی۔ هُمْ ضمیر آل فرعون اور ان سے پہلے کفار کی طرف راجع ہے۔ لفظ اللہ أَخَذَ کا فاعل ہے۔ اس جملے کے ذریعہ ان کے انجام سے آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا۔

﴿شَدِيدِ الْعِقَابِ﴾ مرکب اضافی اللہ تعالیٰ کے بارے میں خبر ہے کہ وہ سخت عذاب والا ہے۔



”کفار سے کہہ دیں کہ عنقریب تم مغلوب ہو گے اور جہنم کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے اور جہنم بہت برا بھونتا ہے۔“

”بے شک تمہارے لیے عبرت کی نشانی تھی ان دو جماعتوں میں جو آپس میں لکڑائیں۔ ایک جماعت تو اللہ کی راہ میں قتال کر رہی تھی اور دوسری کفار کی تھی، وہ آنکھوں کی نظر سے ان کو اپنے سے دو گنا دیکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی مدد سے جس کی چاہتا ہے، تائید کرتا ہے بلاشبہ اس میں آنکھوں والوں کے لیے عبرت ہے۔“

”عورتوں، بیٹوں، سونا چاندی کے جمع کئے گئے خزانوں، نشان لگائے گئے گھوڑوں، چوپاؤں اور کھیتی باڑی کے بارے میں خواہشات نفس کی محبت لوگوں کے لیے مبینہ کر دی گئی حالانکہ یہ دنیا کی زندگی کا فائدہ ہے۔ اور اللہ کے پاس لوٹنے کی بہت اچھی جگہ ہے۔“

”کہہ دیں کیا تمہیں میں اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں کہ جو لوگ ڈر گئے ان کے لیے ان کے رب کے پاس ایسے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور انکے لیے پاک بیویاں اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہوگی اور اللہ تعالیٰ بندوں کو ہمیشہ دیکھنے والا ہے۔“

”وہ لوگ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! بے شک ہم ایمان لائے پس ہمارے گناہ معاف فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔“

”وہ صبر کرنے والے، سچ بولنے والے، اللہ کی فرماں برداری

قُلْ لِلدِّينِ كَفَرُوا مُسْتَغْلِبُونَ وَ تَحْشَرُونَ  
إِلَىٰ جَهَنَّمَ وَ بَسَّ إِلَهُمَ ۚ ﴿١٢﴾  
قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ  
تَقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ  
يَرَوْنَهُمْ مِّمْلَيْهِمْ رَأَىٰ الْعَيْنُ ۚ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ  
بِنَصْرِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَإِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً  
لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿١٣﴾

رُزِيَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ  
وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ  
وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ  
وَالْحَرْبِ ۚ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا  
وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿١٤﴾

قُلْ أَءَنْتُمْ بِخَيْرٍ مِّمَّنْ ذُكِّرَكُمْ لِلدِّينِ  
اتَّقُوا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّتْ تَجْرَىٰ مِنْ  
تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَزَوَاجٌ  
مُّطَهَّرَةٌ وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بَصِيرٌ  
بِالْعِبَادِ ﴿١٥﴾

الدِّينِ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّا أَمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا  
ذُنُوبَنَا وَفِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٦﴾

الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالْقَنِيتِينَ وَالْمُنْفِقِينَ

کرنے والے، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور سحری کے وقت گناہوں کی بخشش چاہنے والے ہوں گے۔“

### تشریح:

سیرت ابن ہشام (امر بنی قتیقاع) میں مذکور ہے کہ غزوہ بدر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قتیقاع کو ان کے بازار میں جمع کر کے فرمایا:

”اے یہودیو! اللہ سے ڈر جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ جس طرح اس کا عذاب قریش مکہ پر نازل ہوا۔ ویسے ہی تم پر نازل ہو جائے۔ اس لیے مسلمان ہو جاؤ۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں نبی مرسل ہوں اور تمہاری کتاب میں یہ بات موجود ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں تم سے عہد بھی لے رکھا ہے۔“

انہوں نے حق کو قبول کرنے کی بجائے جواب دیا اے محمد! کیا تم نے ہمیں بھی اپنی قوم سمجھ رکھا ہے۔ تمہیں یہ بات دھوکے میں نہ رکھے کہ تمہارا مقابلہ ایسے لوگوں سے ہوا جن کو فنون حرب کا علم نہ تھا۔ اس لیے تم ان پر غالب آ گئے۔ اللہ کی قسم! جب تمہارا مقابلہ ہم سے ہوگا تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم کیسے لڑنے والے لوگ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بنو قتیقاع نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو ٹھکرا دیا اور تکبر و غرور کا مظاہرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے آل عمران کی آیات ﴿قُلْ لِلدِّينِ كَفَرُوا﴾ سے لے کر ﴿لَا أُؤْتِي الْأَنْبِيَاءَ﴾ تک نازل فرمادیں۔ ان آیات میں نہ صرف اس وقت کے مسلمانوں کے لیے کافروں پر غالب آنے اور کفار کے مغلوب ہونے کی بشارت دی گئی۔ بلکہ قیامت تک یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا۔ لیکن مومنوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ پر اسی طرح ایمان رکھیں جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کا تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کامیابی اور اپنی مدد مہیا کرنے کی شرط ایمان ہی رکھی ہے۔ سورة الروم میں ان لوگوں کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے جنہوں نے اللہ کے بھیجے ہوئے رسولوں کو جھٹلایا۔

﴿فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرُمُوا وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (۴۷)

”ہم نے مجرموں سے انتقام لیا اس لیے کہ ہم پر مومنوں کی مدد کرنا حق ہے۔“

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو قومیں سرکش اور نافرمان تھیں اور انہوں نے اہل ایمان پر زمین تنگ کر دی تھی، اللہ تعالیٰ نے خود ان کو تباہ و برباد کر کے انتقام لیا اور ساتھ ہی اپنا قانون بیان کر دیا کہ مومنوں کی مدد کرنا ہمارے اوپر حق ہے۔ سورة آل عمران میں ہی جنگہ احد کے حوالے سے اعلان ہوتا ہے:

﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾

”نہ کمزوری دکھاؤ اور نہ ہی غم کرو اور تم ہی غالب آنے والے ہو اگر تم مومن ہو گے۔“

یہاں ایمان کے ساتھ یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ دشمن کے خلاف کمزوری دکھانا یا پہنچنے والے نقصان پر غزدہ ہو کر بیٹھ جانا، اس کی بھی مسلمانوں کو اجازت نہیں۔ بلکہ شکست سے دو چار کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہوتی ہے۔ مومنوں اور منافقوں میں واضح فرق کرنا مقصود اور اہل ایمان میں سے بعض کو رتبہ شہادت سے نوازا مطلوب ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بنو قریظہ کے دعوتِ حق کو ٹھکرانے کے موقع پر جو فرمایا، تھوڑے ہی عرصے میں وہ بچ ہو گیا۔ سیرت ابن ہشام ہی کی روایت ہے کہ مسلمانوں کی ایک عورت بنو قریظہ کے بازار میں دودھ بیچنے گئی۔ دودھ بیچنے کے بعد وہ ایک سنار کی دکان میں اپنے زیورات کے سلسلہ میں بیٹھی تھی کہ وہاں موجود یہودیوں نے اس کے چہرے پر پڑے ہوئے حجاب کو ہٹانا چاہا۔ جب اس با حیا عورت نے انکار کیا تو یہودی سنار نے اس کے لباس کے ایک کونے کو چالاک سے پیچھے باندھ دیا۔ جب وہ عورت جانے کے لیے اٹھی تو اس کی شرمگاہ کھل گئی۔ یہودیوں نے عورت کو اس حال میں دیکھ کر قہقہے لگانے شروع کر دیے۔ اس عورت نے جب شور مچایا تو ایک غیرت مند مسلمان آیا اور اس نے یہودی سنار کو قتل کر دیا۔ یہودی سنار کے ساتھیوں نے اس مسلمان کو شہید کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو جب علم ہوا تو ان میں غیظ و غضب کی لہر دوڑ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ جو پندرہ دن جاری رہا۔ کچھ عرصہ پہلے جنہوں نے اپنی قوت و طاقت پر فخر کیا تھا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ہتھیار پھینک دیئے اور اپنا معاملہ اللہ کے نبی کے ہاتھ میں دے دیا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا۔

مومنوں کو کفار پر غالب آنے کی بشارت دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور کفار کے درمیان ہونے والے ایک ٹکراؤ کا ذکر بھی کر دیا۔ تاکہ مومنوں کے ایمان میں مزید اضافہ ہو جائے۔ کفار کی جماعت کو دیکھتے ہی مومنوں کو ایسے لگا کہ وہ ان سے دو گنا ہیں۔ لیکن حقیقت میں وہ زیادہ تھے۔ سورۃ الانفال میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ التَّفَقُّتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا وَالْيَاسِيَةِ إِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ (۴۴)﴾

”جب تمہارا ان سے ٹکراؤ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری نظروں میں ان کی تعداد کو کم کر دیا اور تمہاری تعداد کو ان کی نظروں میں گھٹا دیا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اس معاملے کا فیصلہ کر دے جو ہونے والا تھا۔ اور اللہ ہی کی طرف تمام معاملے لوٹائے جائیں گے۔“

تفسیر القرطبی میں حضرت عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ میں نے اپنے ساتھی سے کہا: تمہارے خیال میں کفار کی تعداد ستر تو ہوگی۔ اس نے جواب میں کہا: میرے خیال میں ایک سو ہوں گے۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ جب ہم نے کفار میں سے جن لوگوں کو قیدی بنایا تو انہوں نے بتایا کہ ان کی تعداد ایک ہزار تھی۔ یوں اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت و حکمت سے مومنوں کی چھوٹی جماعت کو کفار کی بڑی جماعت پر فتح عطا فرمائی تاکہ اہل نظر کے لیے اس میں قیامت تک عبرت ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ عورتوں، بیٹوں، سونے چاندی کے خزانوں، نشان لگائے گئے گھوڑوں، چوپاؤں اور کھیتی کی لوگوں کے دلوں میں محبت اس دنیا کی زندگی میں آزمائش کا ایک سلسلہ ہے جو دنیا میں مزین کی گئیں ہیں۔ حالانکہ یہ چیزیں سب اسی دنیا میں رہ جاتی ہے۔ آخرت میں انسان کے نیک اعمال ہی کام آئیں گے۔ یہاں عجیب نکتہ سامنے یہ بھی آتا ہے کہ آج کل سواری کا ذریعہ گھوڑے نہیں۔ ان کی جگہ موجودہ دور کی گاڑیوں نے لے لی ہے اور ہر ملک میں نمبر لگی گاڑیاں ہی استعمال کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ نمبر کے بغیر گاڑی چلائی نہیں جاسکتی یوں گاڑیوں کو بھی مُسَوِّمۃ کہا جاسکتا ہے اور گاڑیوں کے بنانے والوں کے نشان بھی الگ الگ ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلان کر دیا کہ دنیا میں مزین کی گئی چیزوں سے بہت بہتر وہ ہوگا جو اللہ سے ڈرنے والوں کو آخرت میں ملے گا وہ ایسے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ان میں جو داخل ہو جائیں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں کی زندگی نہ عارضی ہوگی اور نہ ہی اس میں کوئی زوال آئے گا۔ اہل تقویٰ کو جنت میں پاک بیویاں ملیں گی۔ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی بھی ان کو وہاں نصیب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اہل تقویٰ کی چند صفات بھی خود ہی بیان فرمادیں کہ وہ اپنے رب کے دین کو اپنانے کی وجہ سے مصائب و مشکلات پر صبر کرنے والے۔ دین حنیف کی تعلیم کے مطابق سچ بولنے والے۔ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور عبادت کا حق ادا کرنے والے۔ اللہ کے دیئے ہوئے مال کو اس کی راہ میں خرچ کرنے والے اور سحری کے وقت اس کی بارگاہ میں دعائیں کرنے والے ہوں گے۔ ساتھ ہی ان کی مرکزی دعا یعنی دعاؤں کے نچوڑ یا جو ہر کو بھی قرآن حکیم کا حصہ بنا دیا۔ دعا انتہائی مختصر مگر بڑی ہی جامع ہے۔ صاحب تقویٰ بارگاہ اللہ میں عرض کرتے ہیں:

اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے یعنی تیرے رب ہونے اور تیرے خالق و مالک ہونے پر ہمارا ایمان ہے۔ تیرے سوا ہمارے لیے کوئی بچاؤ و ملای نہیں۔ پس تو ہمارے گناہ معاف فرما۔ کیونکہ کوئی تیرے سوا گناہ معاف نہیں کر سکتا اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ یعنی آخرت میں نافرمانوں اور سرکشوں کو جو عذاب دیا جائے گا اس سے ہمیں محفوظ رکھنا۔

اصل تقویٰ یہی ہے کہ اللہ کو بن دیکھے اس پر ایمان رکھا جائے اور اس کی بندگی اور عبادت کرتے ہوئے اس کے عذابوں سے ڈرا جائے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان صفات سے ہمیں بھی نواز دے۔

### حل لغات:

﴿سَتَغْلِبُونَ﴾ اور ﴿تُخْشَرُونَ﴾ دونوں ہی فعل مضارع مجہول جمع مذکر حاضر کے صیغے ہیں۔ تَغْلِبُونَ پر سین (س) معنی کو مستقبل قریب میں کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ اس کا معنی ہے کہ عنقریب تم مغلوب کئے جاؤ گے۔ تُخْشَرُونَ کے بعد الی جہنم ہے۔ اس کا معنی ہے اور تم جہنم کی طرف جمع کئے جاؤ گے۔ ﴿بِئْسَ الْمِهَادُ﴾ میں بئس فعل ذم اور المهاد اس کا فاعل ہے۔ جملے کا معنی یہ ہے کہ جہنم بہت برا ٹھکانا ہے۔

﴿آيَةً﴾ سے مراد یہاں عبرت ہے۔

﴿لِقَةٍ﴾ سے مراد جماعت اور ﴿فِتْنَةٍ﴾ اس کا شنیہ ہے۔

﴿رَأَى الْعَيْنِ﴾ سے مراد آنکھ سے دیکھنا یعنی حقیقی رویت ہے۔

﴿يُؤَيِّدُ﴾ فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ جملے کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ جس کی چاہتا ہے اپنی مدد سے تائید کرتا ہے۔

﴿لَاؤُلَى الْأَنْصَارِ﴾ سے مراد صاحب بصیرت لوگ ہیں۔

﴿زَيْنَ النَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ﴾ میں زین فعل ماضی مجہول ہے اور حُبُّ الشَّهَوَاتِ مرکب اضافی اس کا نائب فاعل ہے۔ اس کا معنی ہے کہ لوگوں کے لیے ان کے نفس کی آرزوئیں مزین کی گئیں۔

﴿مِنْ﴾ بیانہ (حرف جر) سے شہوتوں کی وضاحت کر دی گئی کہ وہ خواہشات عورتوں، بیٹوں، سونے اور چاندی کے جمع کردہ خزانوں، نشان لگائے ہوئے گھوڑوں، چوپاؤں اور کھیتی کی صورت میں ہوں گی۔

﴿الْفَنَاطِيرِ﴾ فَنَاطِر کی جمع ہے۔

﴿الْمُقَنْطَرَةِ﴾ رباعی مجرد کے باب فَعْلَل سے اسم مفعول ہے۔

﴿الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ﴾ میں الْخَيْلِ گھوڑوں کی جماعت کو کہتے ہیں اسی لیے اس کی مفت الْمُسَوَّمَةِ آئی ہے۔

﴿الْمُسَوَّمَةِ﴾ (مادہ س و م) باب تفعیل سے اسم مفعول ہے۔ اس سے مراد چرنے کے لیے چھوڑے گئے گھوڑے یا دشمن سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار کئے گئے گھوڑے۔ گھوڑے کو خیل اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی چال میں ناز اور ایک طرح کا تکبر پایا جاتا ہے۔ اس لیے متکبر شخص کو خائل یا مختال کہا جاتا ہے۔ گھوڑ

سواروں کی جماعت کے لیے بھی خیل کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

﴿الْأَنْعَام﴾ سے مراد چرنے والے مویشی ہیں۔ جن میں اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری شامل ہوتے ہیں۔ یہ لفظ مذکر ہے اور اس کی کوئی مؤنث نہیں۔

﴿الْحَرْث﴾ مصدر ہے اور اس میں ہر طرح کی کھیتی باڑی آجاتی ہے۔

﴿ذَلِكَ﴾ اسم اشارہ مبتدا

﴿مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ مرکب اضافی اس کی خبر۔ اس کا معنی ہے کہ حُبُّ الشَّهَوَاتِ والی ساری چیزیں دنیا کا عارضی اور محدود سامان ہے۔

﴿الْمَأْوٰی﴾ کی اصل مَأْوٰی ہے واؤ کی حرکت کو جب ہمزہ کی طرف منتقل کیا گیا۔ تو واؤ حرف علت اپنے ما قبل کے مفتوح ہونے کی وجہ سے الف ہو گئی اور یہ

﴿حُسْنُ﴾ کا مضاف الیہ ہے اس کے معنی لوٹنے کی بہترین جگہ ہے۔

﴿قُلْ أَوْ يَنْبُئْكُمْ بِخَيْرٍ مِنْ ذٰلِكُمْ﴾ میں قُل فعل امر۔ اُ ہمزہ استفہامیہ۔ اُنْبِئْكُمْ میں کُمْ ضمیر مخاطب کی۔ اُنْبِئْ فعل مضارع واحد متکلم۔ بِخَيْرٍ کی با حرف جر۔ ذٰلِكُمْ اسم اشارہ۔ جملے کا معنی ہے کہہ دیں کہ کیا میں تمہیں اس سے بہتر بات نہ بتاؤں۔

﴿اَتَّقُوا﴾ فعل ماضی جمع مذکر غائب اور اس سے پہلے لِلَّذِیْنَ ہے اس کا معنی ہے۔ ان لوگوں کے لیے جو ڈر گئے۔

﴿جَنَّاتٍ﴾ جَنَّة کی جمع ہے اور اس سے مراد باغات ہے۔

﴿فَجَبْرٰی﴾ فعل مضارع واحد مؤنث غائب اور اس کا فاعل

﴿الْاَنْهَارُ﴾ ہے یعنی جتنی باغات ایسے ہوں گے کہ ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔

﴿اَزْوَاجٍ مُّطَهَّرَةٍ﴾ مرکب توصیفی ہے اَزْوَاجِ موصوف زَوْج کی جمع مکسر ہے اس لیے اس کی صفت مُطَهَّرَةٍ مؤنث آئی ہے۔ اس سے مراد پاک صاف بیویاں ہیں۔

﴿رِضْوَانٍ مِنَ اللّٰهِ﴾ میں رِضْوَانٌ مصدر ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی رضا مندی یعنی اللہ کا راضی ہونا ہے۔

﴿وَاللّٰهُ بِصِیْرٍ بِالْعِبَادِ﴾ لفظ اللہ مبتدا۔ بِصِیْرٌ صفت مشبہ خبر یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ہمیشہ دیکھنے والا ہے۔

﴿وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ میں واؤ عاطفہ۔ قِ: وَقَى یَقِی سے فعل امر، نَا ضمیر جمع متکلم کی۔ عَذَابُ النَّارِ: مرکب اضافی۔ جملے کا معنی ہے: اور آگ کے عذاب سے ہمیں بچا۔

﴿الصَّابِرِينَ﴾ سے مراد صبر کرنے والے۔

﴿الصَّادِقِينَ﴾ سے مراد سچ بولنے والے۔

﴿الْقَانِئِينَ﴾ سے مراد اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرنے والے۔

﴿الْمُتَّقِينَ﴾ سے مراد خرچ کرنے والے۔

﴿الْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ﴾ سے مراد سحری کے وقت گناہوں کی معافی مانگنے والے۔ یہ ساری صفیتیں اللہ سے

ڈرنے والوں کی ہیں۔

۳۰۱

اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور اہل علم نے گواہی دی کہ بلاشبہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس حال میں کہ وہ اپنے قائم کردہ نظام کو عدل و انصاف کے ساتھ قائم رکھنے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی حکمت و غلبے والا ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی حقیقی دین ہے۔ اہل کتاب نے اپنے پاس علم آجانے کے بعد آپس میں سرکشی اور حسد کی بنا پر اختلاف کیا اور جو اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرے گا تو اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والا ہے۔

”پھر بھی وہ اگر آپ سے جھگڑا کریں تو (ان سے) کہہ دیں کہ میں نے اپنی ذات کو اللہ کا فرماں بردار بنا دیا ہے اور (انہوں نے بھی ایسا ہی کیا ہے) جنہوں نے میری اتباع کی۔ آپ اہل کتاب اور غیر اہل کتاب سے کہہ دیں کہ کیا تم نے اپنے آپ کو اللہ کا اطاعت گزار بنا دیا؟ اگر وہ اطاعت گزار بن جائیں تو یقیناً ہدایت یافتہ ہو جائیں گے اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو آپ کے ذمے صرف پیغام پہنچانا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ  
وَأُولُوا الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا  
هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٨﴾

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ  
الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ  
هُمْ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ وَمَنْ يَكْفُرْ بَابِ  
اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿١٩﴾

فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ  
وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۚ قُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ  
وَالْأَمِّيْنَ ءَ أَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدْ  
اهْتَدَوْا ۚ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ  
وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ﴿٢٠﴾



## تشریح:

اللہ تعالیٰ نے اپنے وحدہ لاشریک ہونے کا ذکر قرآن حکیم میں بار بار فرمایا ہے۔ لیکن اپنی واحدیت پر قسم سورۃ آل عمران ہی میں کھائی ہے اور قسم کھاتے ہوئے اس میں فرشتوں اور اہل علم کو شریک رکھا ہے جس سے اہل علم کی عظمت و فضیلت اجاگر ہوتی ہے۔ علم ہی وہ عظیم الشان نعمت ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ [سورۃ البقرہ آیت: ۳۱، ۳۲] اللہ تعالیٰ نے اپنے ہی عطا کردہ علم کی بنا پر اہل علم کو اپنی وحدانیت پر قسم کھاتے ہوئے تشریفاً ساتھ شریک رکھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی علم والے کبھی بھی شرک کے مرتکب نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ جو علم شرک سے بچنے کا سبب نہ بنے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہونے والا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون رہا ہے کہ اپنے پیغمبروں کو نبوت کے ساتھ علم سے بھی نوازا کرتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سورۃ طہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿قُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ (۱۱۰)

”کہہ دیں کہ اے میرے رب! مجھے علم میں زیادہ کر دے۔“

یعنی میرے علم میں اضافہ فرما۔

ترمذی (۲۲۲/۲) اور ابن ماجہ (۲۲) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے:

«اللَّهُمَّ انْفَعْنِي بِمَا عَلَّمْتَنِي وَعَلِّمْنِي مَا يَنْفَعُنِي وَزِدْنِي عِلْمًا، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ»

”اے اللہ! تو نے جو علم مجھے عطا فرمایا ہے اس سے مجھے نفع دے اور مجھے وہ علم عطا فرما جو مجھے نفع دینے والا ہو اور میرے علم میں اضافہ فرما۔ اور سب تعریفیں ہر حال میں اللہ ہی کے لیے ہیں۔“

صحیح مسلم (۳۵۰/۲) کی روایت کے مطابق آپ کی دعاؤں میں سے یہ بھی ایک دعا تھی:

«اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ»

”اے اللہ! میں تیرے ساتھ اس علم سے پناہ مانگتا ہوں جو مجھے نفع نہ دے۔“

نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اس لیے اب علماء حضرات کی ذمہ داری ہے کہ اہل اسلام کو شرک سے بچائیں اور توحید کا صحیح معنی بتائیں۔ ترمذی (۱۰۹/۲) ابوداؤد (۵۱۳)، ابن ماجہ (۲۰)، مسند احمد (۱۹۶/۵) اور دارمی (۵۴) کی لمبی حدیث کا حصہ ہے:

(( اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ وَاِنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُورَثُوْا دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا ، وَاِنَّمَا وَرَثُوْا الْعِلْمَ ، فَمَنْ اَخَذَهُ اَخَذَ بِحِطِّ وَاْفِرٍ ))

”علماء نبیوں کے وارث ہیں اور بے شک نبیوں نے دینار و درہم کا وارث نہیں بنایا۔ بلکہ انہوں نے علم کا وارث بنایا ہے، پس جس نے اس کو لے لیا اس نے بہت بڑا حصہ لیا۔“

ظاہر ہے کہ تمام نبیوں علیہم السلام کو اس لیے معبوث کیا گیا کہ وہ شرک کو ختم کریں اور اللہ وحدہ لا شریک کی بندگی اور عبادت کی طرف اس کی مخلوق کو لگائیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کی گواہی میں اہل علم کو شریک کر کے ان کو بہت بڑی عزت سے اس لیے نوازا ہے تاکہ اس کی مخلوق کو شرک سے بچانے میں بھرپور کردار ادا کرتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اس کا حقیقی دین ”اسلام“ ہے جس کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی اور جو اس کے آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے کمال کو پہنچا۔ پہلے ادیان میں جو تغیر و تبدل ہوا تھا اس کی اصلاح کر دی گئی۔ یہود و نصاریٰ نے جو عقائد اپنا رکھے ہیں وہ حقیقی دین نہیں۔ بلکہ ان کے احبار و رہبان نے اپنے ذاتی مفادات کے حصول کے لیے حقیقی دین میں تحریف کر دی۔ عزیز اور عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو خدا کا بیٹا بنا دیا، اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو ان کے خالق سے دور کر دیا، اچھائی پر اس کو قائم رکھنے کی بجائے برائی پر لگا دیا، جس آخری نبی علیہ السلام کی ان کو بشارت دی گئی تھی ان کے آنے پر اس کو قبول کرنے کی بجائے اس کا انکار کر دیا۔ بلکہ اس کی مخالفت میں کوئی کسر باقی نہ رہنے دی۔ حد تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنے پاس علم کے آجانے کے بعد بھی اختلاف کیا اور اس میں بے خبری یا لاعلمی والی کوئی بات نہ تھی بلکہ اختلاف کی وجہ بھی ان کا اپنا باہمی حسد، کینہ اور بغض تھا۔ ان کے کئی گروہ ہو گئے جو آپس میں لکرایا کرتے تھے۔ عجیب اتفاق ہے کہ آج وہ تمام گروہ باہمی ضد اور عناد کے باوجود اسلام کے خلاف پھر متحد ہو گئے ہیں۔ ماضی میں جو حال یہود و نصاریٰ کا تھا، آج وہی حال اہل اسلام کا ہو گیا ہے۔ مسلمانوں کو ان کی گروہ بندیوں نے ذلت و رسوائی کی دلدل میں دھکیل دیا ہے۔ سورة الانفال میں اہل اسلام کو حکم ملتا ہے۔

﴿وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ

الصَّابِرِينَ﴾ (۱۶)

”اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو۔ ایسا کرو گے تو تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی (مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے) صبر کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے

والوں کے ساتھ ہے۔“

اہل اسلام نے قرآن حکیم کی واضح ہدایات کو ٹھکراتے ہوئے وہ سب کچھ کیا جس سے ان کو منع کیا گیا اور وہ نہ

کیا جس کا ان کو حکم دیا گیا۔ اہل اسلام نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ آئین کو نظر انداز کرتے ہوئے دنیاوی آئین کو مقدس سمجھا، اسی کی بالادستی کو تسلیم کر لیا۔ حالانکہ سورۃ آل عمران ہی میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (۸۰)

”اور جو اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا متلاشی ہوگا، اس سے کچھ بھی قبول نہیں کیا جائے گا اور آخرت میں وہ گھائے والوں میں سے ہوگا۔“

﴿وَكَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرُّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ (۸۶)

”اور اللہ تعالیٰ اس قوم کو کیسے ہدایت دے گا جس نے ایمان لانے کے بعد انکار کر دیا۔ حالانکہ انہوں نے گواہی دی کہ بے شک رسول صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں اور ان کے پاس واضح نشانیاں آگئیں اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والی قوم کو ہدایت سے نہیں نوازتا۔“

یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے ذریعے آپ کی امت کو بڑی خوبصورت تعلیم دی گئی کہ یہود و نصاریٰ یا ان کے علاوہ دوسرے بے دین اگر آپ سے جھگڑا کریں تو جو بلا جھگڑا کرنے کی بجائے آپ کہہ دیں کہ میں اور میرے دین میں داخل ہونے والوں نے اپنے آپ کو اللہ کا فرماں بردار بنا دیا ہے، آپ ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت ضرور دیں اگر مان جائیں تو ان کے لیے اچھا ہوگا اور ہدایت الہی نصیب ہوگی۔ اگر نہ مانیں تو آپ کا کام ان تک پیغام پہنچانا ہے۔ باقی معاملہ اللہ کے سپرد کر دینا ہے اور وہ یقیناً اپنے بندوں کو ہمیشہ دیکھنے والا اور ان پر نظر رکھنے والا ہے۔

مسند احمد کی روایت ہے کہ عرفات کے میدان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿شَهِدَ اللَّهُ﴾ سے لے کر ﴿الْحَكِيمَ﴾ تک آیت تلاوت کر کے فرمایا: ((وَأَنَا عَلَى ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ)) ”اور میں بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں۔“ ظاہر ہے کہ گواہی وہی دے گا جو حق سے واقف ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان گواہی دینے والوں میں ہمیں بھی شریک کرے۔

### حل لغات:

﴿شَهِدَ﴾ فعل ماضی واحد مذکر غائب اس کا معنی ہے: شہادت دی۔ اس کا فاعل لفظ

﴿اللَّهُ﴾ ﴿أَلَمْ لَا يَكُنْ﴾ اور ﴿أَوَلَوْ لَا الْعِلْمُ﴾ ہیں۔

﴿لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ﴾ اس کا پہلا جز ”لا الہ“ ثانی پر اور دوسرا جز ”الا اللہ“ اثبات پر مشتمل ہے اور اس سے

واضح کر دیا گیا کہ اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں۔

﴿قَائِمًا بِالْقِسْطِ﴾ میں قَائِمًا لفظ اللہ کا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ب حرف جر اور الْقِسْطُ مجرور۔

اس سے مراد عدل و انصاف ہے۔ قَائِمًا: قَامَ يَقُومُ سے اسم فاعل ہے۔ یعنی اپنے قائم کردہ نظام کو قائم رکھنے والا۔

﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ میں إِنَّ حرف مشبہ بالفعل۔ الدِّينُ اُس کا اسم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے

اور اس سے مراد دنیا میں زندگی گزارنے کا طریقہ ہے۔ عِنْدَ اللَّهِ مرکب اضافی۔ معنی ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک

اور الْإِسْلَامُ، اَسْلَمَ يُسْلِمُ سے مصدر ہے۔ جو جملے میں إِنَّ کی خبر ہے اور اسی لیے رفعی حالت میں ہے۔ اور اس

کا معنی ہے: اپنے آپ کو پوری طرح اللہ کے سامنے جھکا دینا اور اس کی اطاعت و فرماں برداری کرنا اور اس کی

بنیاد لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ پر ہے۔ اسی لیے اسلام میں داخل ہونے والے کو مسلم کہا جاتا ہے۔

﴿بَغْيًا بَيْنَهُمْ﴾ سے مراد اہل کتاب کا آپس میں حسد اور سرکشی ہے۔ بَغْيًا: بَغَى يَبْغِي (ض) سے مصدر ہے

اور اس کا معنی ہے: کسی چیز کی طلب کی خواہش میانہ روی کی حد سے تجاوز کر کے کرنا جو سرکشی اور نافرمانی کے

زمرے میں آتی ہے۔

﴿وَمَنْ يُكْفَرْ بِاللَّهِ﴾ میں واو عاطفہ، مَنْ شرطیہ۔ يُكْفَرُ فعل مضارع اور اس کے آخر میں جزم مَنْ شرطیہ

کی وجہ سے آئی ہے۔ آیات اللہ مرکب اضافی، حرف جر ب کی وجہ سے مجرور ہے۔

﴿فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ جواب شرط ہے ف جزائیہ ہے۔ سَرِيعُ: سُرْعَةً مصدر سے اسم صفت ہے

جس کے معنی ”جلدی کرنے والا“ کے ہیں۔

﴿فَإِنْ حَاجُّوكَ﴾ جملہ شرطیہ ہے۔ اس میں حَاجُّوْا باب مفاعلہ (ماده ح ج ج) سے فعل ماضی جمع مذکر

غائب کا صیغہ ہے اور ک ضمیر خطاب ہے۔ اس کا معنی ہے: اگر وہ آپ سے جھگڑا کریں۔

﴿فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعْتُ﴾ گزشتہ جملے کا جواب ہے۔ وَجْهِيَ کے معنی ”میرا چہرہ“ ہے اور

یہاں اس سے مراد میری ذات ہے۔ چونکہ ذات کی شناخت چہرے سے ہوتی ہے، اس لیے ذات کے لیے بھی

یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اتَّبَعْتُ میں اتَّبَعْتُ باب افتعال سے فعل ماضی واحد مذکر غائب۔ ن کی ”ن“ گری ہوئی

ہے اور مَنْ موصولہ ہے۔ جملے کا معنی ہے: آپ کہہ دیں کہ میں نے اپنی ذات کو اللہ کے لیے فرماں بردار بنا دیا

ہے اور انہوں نے بھی جنہوں نے میری اتباع کی۔“

﴿قُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ﴾ میں أُوتُوا الْكِتَابَ سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ الْأُمِّيِّينَ سے مراد غیر

اہل کتاب ہیں۔

﴿ءَاسَلَّمْتُمْ﴾ میں پہلا ہمزہ استفہامیہ ترتیبی ہے اور اَسَلَّمْتُمْ فعل ماضی جمع مذکر حاضر۔ اس کا معنی ہے کیا تم اسلام میں داخل ہو گئے۔

﴿فَإِنْ اَسَلَّمُوا فَقَدْ اِهْتَدُوا﴾ میں اَسَلَّمُوا اور اِهْتَدُوا دونوں فعل ماضی جمع مذکر کے صیغے ہیں۔ فَإِنْ اَسَلَّمُوا شرط اور فَقَدْ اِهْتَدُوا جواب شرط ہے۔ جملے کا معنی ہے: اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو یقیناً ہدایت یافتہ ہو جائیں گے۔

﴿وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ﴾ میں الْبَلَاغُ مصدر ہے اور جملے کا معنی ہے: اگر وہ روگردانی کریں تو تمہارے ذمے صرف پیغام پہنچانا فرض ہے۔

۳۲

”بے شک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں اور لوگوں میں سے ان کو بھی قتل کرتے ہیں جو عدل و انصاف کا حکم دیتے ہیں پس آپ ان کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیں۔ وہی لوگ ہیں، جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔“

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَيَقْتُلُونَ  
النَّبِيَّ بَغْيٍ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ  
يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ  
بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢١﴾  
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا  
وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَّاصِرِينَ ﴿٢٢﴾

### تشریح:

حق کو ٹھکرانے والوں کے بارے میں جب یہ ارشاد ہوا کہ اللہ انہیں دیکھتا ہے ان کے اعمال کی نگرانی کرتا ہے اور جلد ان کا حساب لینے والا ہے۔ تو ان لوگوں کا کیا انجام ہوگا جو انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کیا کرتے تھے اور جو ان کو اس عمل قبیح سے روکنے کی کوشش کرتے اور عدل و انصاف اپنانے کا حکم دیتے تو نبیوں کے قاتل ان کو بھی قتل کر دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں اعلان کر دیا کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا اور ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے۔ یعنی اگر انہوں نے نیکی کے کوئی کام کئے تھے تو ان کا ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ دنیا کا قانون بھی یہی ہے کہ قاتل کو قتل کی مقرر کردہ سزا دے دی جاتی ہے۔ اس کی کوئی بھی اچھائی اس کو سزا سے بچا نہیں پاتی۔ جب ایک عام آدمی کے قاتل کا یہ انجام ہوتا ہے تو پھر اللہ کے بھیجے ہوئے انبیاء علیہم السلام کے قاتلوں کا

انجام اچھا کبھی نہیں ہو سکتا۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے خصوصاً یہود کو تنبیہ کی ہے اور انہیں ان کے انجام بد سے آگاہ کیا ہے، کیونکہ وہی انبیاء کرام کے قاتل تھے۔

### حل لغات:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيَّ بِغَيْرِ حَقٍّ﴾ میں يَكْفُرُونَ اور يَقْتُلُونَ فعل مضارع جمع مذکر۔ بایں اللہ جار مجرور (متعلق فعل) اور النَّبِيَّ ان کے مفعول ہیں۔ دونوں جملوں کا معنی ہے: بے شک وہ لوگ جو اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں۔

﴿يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ﴾ میں يَأْمُرُونَ فعل مضارع معروف صیغہ جمع مذکر غائب۔ بِالْقِسْطِ اور مِنَ النَّاسِ دونوں جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے: لوگوں میں سے جو عدل و انصاف کا حکم دیتے ہیں۔

﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ میں بَشِّرْ باب تفعیل سے فعل امر حاضر، هُمْ ضمیر متصل (برائے مفعول) اللہ کی آیات کے منکروں اور نبیوں وغیرہم کو قتل کرنے والوں کی طرف لوٹ رہی ہے۔ جملے کا معنی ہے: پس آپ ان کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیں۔

﴿حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ﴾ میں حَبِطَتْ باب سح سے فعل ماضی واحد مؤنث غائب۔ أَعْمَالُهُمْ اس کا قائل، فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ اس کا مجرور۔ وَاذْ عَاطِفٌ۔ مَا تانیہ۔ لام حرف جر اور هُمْ ضمیر مجرور متصل کافروں اور قاتلوں کی طرف راجع ہے۔ مِنْ نَاصِرِينَ جار مجرور۔ جملے کا معنی ہے۔ ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

۵

”کیا تم نے وہ لوگ نہیں دیکھے جنہیں کتاب میں سے ایک حصہ دیا گیا، انہیں اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔ پھر ان میں سے ایک فریق اعراض کرتے ہوئے پلٹ جاتا ہے۔

یہ اس لیے کہ انھوں نے کہا کہ جہنم کی آگ ہم کو گنتی کے چند دن چھوئے گی، اور انہیں دھوکے میں اس چیز نے مبتلا کئے رکھا جو وہ (اپنے پاس سے) گھڑتے تھے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أَوْتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِنْهُمْ وَهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿23﴾

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ ۚ وَغَرُّهُمْ فِي دِينِهِمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿24﴾

ان کا حال اس وقت گیا ہوگا جب ہم ان کو اس دن جمع کریں گے جس میں کوئی شک نہیں، اور ہر شخص کو اس کا پورا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کمایا ہوگا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

کہہ دو کہ اے اللہ، بادشاہت کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے بادشاہت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے بادشاہت چھین لیتا ہے، جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے۔ تیرے ہی ہاتھ میں ہر طرح کی بھلائی ہے، بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

تورات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور تو زندہ کو مردے سے اور مردے کو زندہ سے نکالتا ہے، اور جسے چاہتا ہے بغیر حساب رزق دیتا ہے۔“

فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنَهُمْ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ  
وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا  
يُظْلَمُونَ ﴿۲۵﴾

قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمُلْكِ تُؤْتِي  
الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ  
مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ  
تَشَاءُ ۚ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ  
شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۶﴾

تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي  
الَّيْلِ ۚ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَمِيتِ وَ  
تُخْرِجُ الْمَمِيتَ مِنَ الْحَيِّ ۚ وَتَرْزُقُ مَنْ  
تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

### تشریح:

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بیت المدراس (تورات پڑھنے کی جگہ) میں داخل ہو کر اللہ کے رسول ﷺ نے یہود کی ایک جماعت کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو وہاں یہودی نعیم بن عمر اور حارث بن زید نے آپ ﷺ سے کہا: ((عَلَىٰ آتِي دِينِي يَا مُحَمَّد؟)) ”اے محمد! آپ کون سے دین پر ہیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ((إِنِّي عَلَىٰ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ)) ”میں ملت ابراہیم پر ہوں۔“ دونوں نے کہا: ((فَلَا إِبْرَاهِيمَ كَانَ يَهُودِيًّا)) ”ابراہیم علیہ السلام تو یہودی تھے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَهَلُمُّوا إِلَيَّ التَّوْرَةَ فَهِيَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ)) ”تم تورات لاؤ، وہی ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہوگی۔“ ان دونوں نے آپ ﷺ کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ القاش کی روایت کے مطابق جب ایک یہودی جماعت نے محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار کیا تو آپ نے ان سے فرمایا: ((هَلُمُّوا إِلَيَّ التَّوْرَةَ فَفِيهَا صِفَتِي)) ”تورات میرے پاس لاؤ۔ اس میں میری صفت موجود ہے۔“



جب انہوں نے بھی انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران کی ﴿اَلَمْ تَرَ اِلٰى الَّذِيْنَ﴾ سے لے کر ﴿لَا يَظْلُمُوْنَ﴾ تک دو آیتیں نازل کر دیں۔ سورہ آل عمران ہی میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں واضح کر دیا ہے:

﴿مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُودِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ سَكَّانًا حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَّ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (۱۶)﴾

”ابراہیم نہ یہودی تھے، نہ نصرانی اور نہ وہ مشرکوں میں سے تھے۔ بلکہ وہ بے شک مسلم حنیف تھے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ وہ کسی کی طرف دیکھنے والے نہ تھے۔“

رہی بات توراۃ اور انجیل کی تو ان کے بارے میں بھی سورہ آل عمران ہی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔  
﴿يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَاجُّوْنَ فِىْ اِبْرٰهِيْمَ وَّمَا اُنْزِلَتِ التَّوْرَةُ وَاَلَا نَحِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۱۶۰)﴾

”اے اہل کتاب! تم ابراہیم (علیہ السلام) کے بارے میں جھگڑا کیوں کرتے ہو؟ حالانکہ تورات اور انجیل ان کے بعد نازل کی گئیں۔ تم عقل کیوں نہیں کرتے۔“

یہاں قرآن حکیم کی حقانیت کے متعلق ایک بڑا لطیف نکتہ بیان ہوا ہے کہ اہل کتاب کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اَوْثُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ﴾

”ان کو کتاب میں سے ایک حصہ دیا گیا۔“

جب کہ قرآن مجید کے بارے میں اعلان ہوتا ہے:

﴿يُذْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ﴾

”وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف بلائے جاتے ہیں۔“

یعنی اللہ تعالیٰ کی آخری، کامل و مکمل، قیامت تک کی انسانیت کے لیے حتمی اور شک و شبہ سے پاک کتاب قرآن حکیم ہی ہے اور جو کچھ یہود و نصاریٰ کے پاس ہے، وہ ”کتاب کا حصہ“ ہے۔ اس لیے فیصل وہی کتاب ہوگی جو اپنی نازل کردہ صورت میں آج بھی بغیر کسی تحریف کے موجود ہے۔ سورۃ المائدہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَيِّمًا عَلَيْهِ﴾

”اور ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی جو اپنے سے پہلی کتاب کی تصدیق کرنے والی

اور اس پر گمان ہے“

﴿فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ﴾

”پس آپ ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا، اور جو حق آپ کے پاس آچکا ہے اس سے ہٹ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔“

﴿لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا﴾

”تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک دستور اور ایک راہ مقرر کر دی ہے“

﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً﴾

”اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو ایک ہی امت بنا دیتا۔“

﴿وَلَكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْمَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾

”تا کہ اس کے ذریعے تمہیں آزمائے جو اس نے تمہیں دیا ہے، پس تم نیکی کے کاموں میں جلدی کرو“

﴿إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ﴾ (۴۸)

”تم سب کا لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے۔ پھر وہ تمہیں اس کی خبر دے گا جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمایا:

﴿وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ

بَعْضِ مَا أَنزَلَ اللَّهُ﴾ (۴۹)

”اور آپ ان کے درمیان اسی کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے نازل فرمایا اور انکی خواہشات کی پیروی

نہ کریں اور ان سے ہوشیار رہیں ایسا نہ ہو کہ جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اس میں سے بعض کے بارے

میں آپ کو فتنے میں ڈال دیں۔“

رسول اللہ ﷺ کے ذریعے امت محمدیہ کو جو حکم دیا گیا، آج امت کا عمل اس کے مطابق نہیں۔ یہود و نصاریٰ

کے درمیان فیصلہ کرنے کی بجائے آج یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے درمیان اور مسلمانوں کے بارے میں فیصلے کر رہے

ہیں اور مسلمان ان کی خواہشات کی پیروی میں پوری طرح لگے ہوئے ہیں۔ قرآن حکیم کی سورۃ المائدہ ہی میں اہل

ایمان سے خطاب ہوتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۚ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَنْ

يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ (۵۱)

”اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ (کیونکہ) بعض ان کا بعض کا دوست ہے اور تم میں سے جو ان سے دوستی کرے گا وہ ان ہی میں سے ہو جائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت سے نہیں نوازتا۔“

اللہ تعالیٰ کے واضح حکم کو نظر انداز کرتے ہوئے اسلامی ممالک کے حکمرانوں اور اونچے طبقے سے تعلق رکھنے والوں کی دوستی یہود و نصاریٰ ہی سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ المائدہ میں ہی اعلان فرمایا ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ (۱۱۴)

”اللہ تعالیٰ نے جو نازل فرمایا، اس کے مطابق جنہوں نے فیصلہ نہ کیا پس وہ انکار کرنے والے ہیں۔“

آیت نمبر ۴۵ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ ”وہی ظالم ہیں“

آیت نمبر ۴۷ کے مطابق ﴿فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ ”پس وہی فاسق ہیں۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فلاح کی ایک ہی صورت ہے کہ قرآن حکیم کی تعلیم کے مطابق عمل کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ کا انکار کرنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ ان کا اس دن کیا حال ہوگا جب ان کو جمع کیا جائے گا جس میں کوئی شک نہیں۔ ہر نفس کو اس کے عمل کے لحاظ سے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ یہود و نصاریٰ کا خیال تھا کہ آخری نبی ان میں سے ہوں گے لیکن جب نبوت عربی قریش میں چلی گئی تو ان کو بڑی مایوسی ہوئی اور انہوں نے اپنی ہی کتابوں میں پائی جانے والی پیش گوئی کا انکار کر دیا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت حق کو ٹھکرا دیا۔ ان کی انتہائی مخالفت کے باوجود چند ہی سالوں میں اللہ تعالیٰ نے نہ صرف سید الانبیاء کو دیے جانے والے مشن کو پایا تکمیل تک پہنچایا بلکہ سارے عرب پر اسلامی پرچم لہرانے لگا۔ دین حق تمام ادیان پر غالب ہو گیا۔ اتنی بڑی کامیابی اور کامرانی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف لوٹا کر قیامت تک کے لیے ثابت کر دیا کہ بادشاہت سے نوازنا یا بادشاہت کا چھیننا، عزت دینا یا ذلیل کرنا، یہ معاملہ صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ چونکہ دنیا میں بھی ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں کہ کوئی طاقت ور ملک اپنے سے کمزور ملکوں میں ایسا ہی کردار ادا کرتا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اپنے قادر مطلق ہونے پر ایک ایسی دلیل قائم کی جو کسی بھی طاقت ور ملک یا حکمران کے بس کی نہیں۔ یعنی حقیقی بادشاہوں کا بادشاہ وہی ہے جو رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور جو مردہ سے زندہ کو اور زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے۔ انسان اپنی تخلیق پر غور کرے کہ اسی کی تخلیق کا آغاز بے جان نطفے سے ہوتا ہے۔ مرغی انڈہ دیتی ہے تو انڈے میں کوئی جان نہیں ہوتی۔ لیکن جب چوزوں کے حصول کے لیے انڈوں کو مرغی کے نیچے رکھا جاتا ہے تو انڈوں کی سفید دیواریں

گرتی ہیں اور ان میں سے چوڑے باہر نکل آتے ہیں۔ کسان تو صرف بچ بوتا ہے لیکن اس کو اگانے، بڑھانے اور اس میں دانے ڈالنے والا صرف اللہ ہے۔ ظاہر ہے کہ دنیا کا جو بڑے سے بڑے بادشاہ ہے اس کی قدرت میں یہ نہیں۔

رہی بات یہ کہ اللہ ہی جب بادشاہت اور عزت دینے والا ہے تو جن کو بادشاہت ملتی ہے، اللہ ان سے ضرور راضی ہی ہوتا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا خود ہی جواب دیا ہے۔ ﴿لَيَسْلُوْكُمْ فِیْمَا اٰتٰكُمْ﴾ تاکہ وہ تمہیں اس سے آزمائے جو اس نے تمہیں دیا ہے۔ فرعون اور اس جیسے حکمران ماضی میں جو گزرے ہیں ان تمام کو عزت و بادشاہت اللہ نے ہی عطا فرمائی تھی لیکن جب آزمائش میں وہ پورے نہ اترے تو ان کے انجام کو دنیا کے لیے عبرت بنا دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ عبرت حاصل کرنے والوں کی تعداد ہمیشہ ہی کم رہی ہے۔ رزق کا معاملہ بھی اسی طرح کا ہے وہ جس کو چاہتا ہے، بغیر حساب دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بغیر حساب رزق پانے والوں کی اکثریت بھی سرکشوں اور نافرمانوں کی رہی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی اتباع کرنے والے زیادہ تر سچی کا شکار رہے ہیں۔ اس لیے کہ رزق کی فراخی عموماً اللہ سے دوری کا سبب بنتی ہے۔ سورة الشوریٰ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَلٰكِنْ یُنْزِلُ بِقَدْرِ مَا یَشَآءُ ۚ اِنَّهٗ بِعِبَادِهِۦ خَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ﴾

”اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے رزق اگر فراخ کر دے تو وہ زمین میں بغاوت کریں گے۔ اس لیے وہ اندازے کے مطابق جس کے لیے چاہتا ہے نازل فرماتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں کے بارے میں باخبر اور دیکھنے والا ہے۔“

### حل لغات:

- ① ﴿اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتَابِ﴾ میں اُوْتُوْا باب افعال سے فعل ماضی مجہول جمع مذکر غائب۔ نَصِیْبًا مفعول۔ مِن حرف جر۔ الکتاب مجرور۔ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔
- ② ﴿یُدْعُوْنَ﴾ فعل مضارع مجہول صیغہ جمع مذکر غائب (باب نَصَرَ یَنْصُرُ)
- ③ ﴿لَیَحْكُمَنَّہُمْ﴾ میں لام کی کا۔ یَحْكُمَنَّہُمْ فعل مضارع معروف نسبی حالت میں۔ جملے کا معنی ہے: تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے
- ④ ﴿ثُمَّ یَتَوَلٰی فَرِیْقٌ مِّنْہُمْ وَہُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ ثُمَّ حرف عطف، یَتَوَلٰی باب تفعیل سے فعل مضارع معروف، صیغہ واحد مذکر غائب۔ فَرِیْقٌ اس کا فاعل، مِن حرف جر، ہُمْ ضمیر مجرور متصل، وَاَوْ حالیہ، ہُمْ ضمیر مرفوع منفصل یہود و نصاریٰ کی طرف راجع۔

﴿مُعْرِضُونَ﴾ اَعْرِضْ يُعْرِضُ (باب افعال) سے اسم فاعل مُعْرِض کی جمع ہے۔ جملے کا معنی ہے: پھر ان میں سے ایک فریق منہ موڑ لیتا ہے۔ اس حال میں کہ وہ اعراض کرنے والے ہوتے ہیں۔

﴿لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ﴾ میں لَنْ حرف نفی تاکید۔ جب یہ فعل مضارع پر آئے تو معنی نفی مستقبل میں کر دیتا ہے۔ اس کی وجہ سے فعل مضارع تَمَسَّ کے آخر میں زبر آئی ہے۔ نَا جمع متکلم کی ضمیر منصوب متصل، النَّارُ، تَمَسَّنَا کا فاعل، أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ہر کب تو صیغی مستثنیٰ۔ جملے کا معنی ہے: اہل کتاب کا کہنا تھا کہ ہمیں گنتی کے چند دن آگ چھوئے گی۔۔ یعنی جہنم میں ہم چند روز رہیں گے۔

﴿مَا كَانُوا يَفْقَرُونَ﴾ میں مَا موصولہ كَانُوا افعال ناقصہ میں سے ماضی جمع مذکر غائب۔ كَانِ جب فعل مضارع پر آئے تو معنی ماضی استمراری میں ہو جاتے ہیں۔ يَفْقَرُونَ فعل مضارع معروف، باب افعال۔ جملے کا معنی ہے: جو وہ بہتان گھڑا کرتے تھے۔

﴿وَقَيْتُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ میں وَقَيْتُ (مادہ: وف ی) باب تفعیل سے فعل ماضی مجہول، واحد مؤنث غائب۔ كُلُّ نَفْسٍ، وَقَيْتُ کا نائب فاعل۔ مَا موصولہ۔ كَسَبَتْ فعل ماضی۔ وَاذْ حَالِیہ، لَا نافیہ۔ يُظْلَمُونَ فعل مضارع مجہول۔ جملے کا معنی ہے: ہر نفس کو اس کا پورا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کمایا اس حال میں کہ ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

﴿قُلِ اللَّهُمَّ مِلْكَ الْمُلْكِ تُوْنِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتَعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ﴾ میں قُلِ فعل امر حاضر لفظ اَللّٰهُمَّ منلائی۔ اس کی اصل خلیل، سیبویہ اور دوسرے نحو یوں کے نزدیک یا اللہ ہے۔ یا حرف ندا کو حذف کر کے اس کے عوض میں لفظ اللہ کے آخر میں میم مشدک کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اَللّٰهُمَّ کے بارے میں اور بھی اقوال ہیں۔ ابن منظور الافریقی المصری نے لسان العرب، کی جلد ۱۳ ص: ۳۶۷ تا ۳۷۱ میں لفظ اللہ، اللہ، اللہم پر مفصل بحث نقل کی ہے۔ عربوں میں اللہم کی بجائے لاهم کا بھی استعمال ہوتا ہے۔

طبقات ابن سعد (۹۲/۱) کی روایت ہے کہ ابرہہ بادشاہ نے مکہ پر جب چڑھائی کی تو عبدالمطلب نے اس وقت دعا کی:

((لَا هُمْ إِلَّا الْمَرْيَمُ رَحْلَهُ فَأَمْنَعُ جَلَالَكَ))

”اے اللہ! بے شک آدمی اپنے سامان کی حفاظت کرتا ہے، تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما)

طبقات ابن سعد (ص: ۱۱۲) کی ہی روایت کے مطابق حلیہ سعدیہ رسول اللہ ﷺ کو پانچ سال کی عمر میں مکہ

لاتی ہیں، تو آپ ﷺ ہجوم میں کہیں آگے پیچھے ہو جاتے ہیں۔ جب عبدالمطلب کو خبر ملی تو کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر وہ دعا کرتے ہیں:

((لَا هُمْ اَدْرَا كِبِيُّ مُحَمَّدًا، اَدَّهُ اِلَيَّ وَ اصْطَنِعَ عِنْدِي يَدًا))

”اے اللہ! میرے شہسوار محمد ﷺ کو مجھ تک پہنچا۔ مجھ تک اس کو پہنچا کر مجھ پر احسان فرما۔“

یہاں یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ مکہ کے مشرک بھی مصیبت اور آزمائش کی گھڑی میں صرف اللہ تعالیٰ کو پکارا کرتے تھے۔ مَالِكِ الْمَلِكِ (مرکب اضافی) اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ قُوْتِي، تَنْزِعُ، نَعُوْ، نَذِلُ، تَشَاءُ پانچوں فعل مضارع واحد مذکر حاضر کے صیغے ہیں۔ جملے کا معنی ہے: آپ کہہ دیں اے اللہ! حقیقی بادشاہت کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے بادشاہت و غلبہ سے نواز دیتا ہے جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے جس کو چاہتا ہے عزت عطا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے۔

﴿يَبْدِكَ الْخَيْرُ﴾ ب حرف جر یَد مجرور۔ ك ضمیر اللہم کی طرف راجع ہے۔ مرکب جاری خبر مقدم، الْخَيْرُ سے مراد ہر قسم کی بھلائی اور دین و دنیا کی نعمت ہے اور یہ مبتدا مؤخر ہے۔ جملے کا معنی ہے: تیرے ہی ہاتھ میں ہر قسم کی بھلائی ہے۔

﴿تَوْلِجُ الْبَيْلِ فِي النَّهَارِ وَ تَوْلِجُ النَّهَارِ فِي الْبَيْلِ وَ تَخْرُجُ الْحَيِّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ تَخْرُجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ تَوْلِجُ، تَخْرُجُ اور تَرْزُقُ فعل مضارع واحد مذکر حاضر کے صیغے ہیں تَوْلِجُ (ماہ: ولج) مصدر ”ولج“ سے باب افعال ہے اور ولوج کے معنی ”تنگ جگہ میں داخل ہونا“ کے ہیں۔ تخرج بھی باب افعال ہے جب کہ تَرْزُقُ باب نصر ہے۔ مَنْ موصولہ۔ جملے کا معنی ہے: تو ہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور تو ہی مردے سے زندہ اور زندہ سے مردے کو نکالتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بغیر حساب رزق عطا فرماتا ہے۔

۶

”مومنوں کو چاہئے کہ مومنوں کے علاوہ کافروں کو دوست نہ بنائیں، جو ایسا کرے گا تو اللہ کی طرف سے اس کو حمایت حاصل نہ ہوگی۔ مگر یہ کہ تمہیں ان سے کوئی خوف و خطرہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ؕ وَ مَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا اَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً ۚ وَ يُحَذِّرُكُمْ اللّٰهُ نَفْسَهُ ۚ وَ اِلٰى

۲۸ اللَّهُ الْمَصِيرُ

قُلْ إِنْ تَخْشَوْنَ مَا فِي صُفُوفِكُمْ أَوْ  
تُبَلَّوْهُ يَعْلَمُهُ اللَّهُ ۖ وَ يَعْلَمُ مَا فِي  
السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ وَاللَّهُ عَلَى  
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۲۹

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ  
مُحْضَرًا ۖ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ  
أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا ۖ وَيُحَذِّرُكُمُ  
اللَّهُ نَفْسَهُ ۖ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۝۳۰

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي  
يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۖ وَاللَّهُ  
غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝۳۱

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ  
اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ۝۳۲

اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔

آپ کہہ دیں کہ تم اپنے دلوں میں جو بات چھپاؤ یا اس کو  
ظاہر کرو، اللہ اس کو جانتا ہے اور جو کچھ آسمانوں اور زمین  
میں ہے اس کو بھی جانتا ہے، اللہ تعالیٰ ہر شے پر قدرت  
رکھتا ہے۔

جس دن ہر نفس اپنی کی ہوئی اچھائی اور اپنی کی ہوئی برائی  
اس کو حاضر پائے گا تو تمنا کرے گا کہ کاش میرے اور  
میری برائیوں کے درمیان بہت ہی زیادہ دوری ہو جائے،  
اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے تمہیں ڈراتا ہے اور اللہ اپنے بندوں  
پر بڑا مہربان ہے۔

آپ کہہ دیں کہ اگر تمہارا دعویٰ ہے کہ تم اللہ سے محبت  
رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب بنائے گا  
اور تمہارے گناہ معاف فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا  
مہربان ہے۔

آپ کہہ دیں کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ اگر وہ منہ  
پھیر لیں تو بے شک اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

### تشریح:

یہاں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر واضح کر دیا کہ ان کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اہل ایمان کے علاوہ کفار سے  
دوست کریں۔ کیونکہ کفار کبھی اہل ایمان کے دوست نہیں ہو سکتے۔ کفار اہل کتاب ہوں یا غیر اہل کتاب، ان کی ہمیشہ  
یہی کوشش رہی ہے کہ اہل اسلام کو ممکنہ حد تک نقصان پہنچایا جائے اور ہو سکے تو شیع توحید کو بجا دیا جائے۔ سورۃ  
الصف میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نَوْرَ اللَّهِ بِأَنفُسِهِمْ وَاللَّهُ مُنِيرُهُمْ وَتُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾ (۸)

”کفار چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھا دیں جب کہ اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کر کے



رہے گا اگرچہ یہ بات کفار کو پسند نہ آئے۔“

جب سے اسلام کی شمع روشن ہوئی ہے تب سے اسلام دشمن قوتیں اس کو گل کرنے کے درپے ہیں۔ اس سلسلے میں اہل مکہ نے بڑی کوشش کی لیکن نہ صرف وہ ناکام ہوئے بلکہ فتح مکہ کے موقع پر اسی شمع سے انہوں نے اپنے تاریک دلوں کو منور کر لیا، سال دو سال کے اندر ہی سارے عرب میں اللہ کا نور پھیل گیا۔ خلفائے راشدین کے دور خلافت میں عراق و ایران اور مصر و شام کی سرحدوں کو عبور کرتا ہوا یورپ اور ہندوستان تک پہنچ گیا۔ آج دنیا کا کوئی کونہ اور کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں اسلام کی روشنی موجود نہ ہو۔ اسلام کا عجیب پہلو نمایاں یہ ہو رہا ہے کہ جنہوں نے اسلام کو نقصان پہنچایا مسلمانوں کا بے دریغ خون بہایا، ان کی دوسری تیسری نسل میں اسلام ان کا دین بن گیا اور وہ اسلام کے محافظ بن گئے۔ اسلام کی وجہ سے بچنے والا خون یہی رنگ دکھاتا ہے اور ان شاء اللہ دکھاتا رہے گا۔

قرآن مجید میں نہ صرف کفار کو دوست بنانے کی ممانعت ہوئی بلکہ سورہ التوبہ میں حکم ملتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ (۲۳)

”اے ایمان والو! اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان کی بجائے کفر کو محبوب رکھیں اور تم میں سے جو ان سے دوستی کرے گا پس وہی ظالم ہوں گے۔“

اللہ تعالیٰ نے اسلام کے آغاز ہی میں واضح کر دیا۔ سورہ المائدہ کے الفاظ ہیں:

﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَ يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَ هُمْ رَاكِعُونَ﴾ (۵۵)

”بلاشبہ تمہارا دوست اللہ اور اس کا رسول اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور (بارگاہ الہ) میں جھکتے والے ہیں۔“

﴿وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ﴾ (۵۶)

”اور جو اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان سے دوستی کرے گا بے شک اللہ کی جماعت ہی غالب آنے والی ہے۔“

حکم میں مزید اضافہ ہوتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُؤًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكَفَّارَ أَوْلِيَاءَ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ (۵۷)

”اے ایمان والو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ کہ جنہوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل تماشا بنا رکھا ہے خواہ وہ ان سے ہوں کہ جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور جو کافر ہیں اور اگر تم مومن ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو۔“

اس جامع وضاحت کے باوجود جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے مومنوں کے علاوہ کفار کو دوست بناتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت سے وہ محروم ہو جاتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کے سوال کا جواب ہے جو آج کل اہل اسلام کے ہر جگہ مغلوب ہونے اور طاغوتی طاقتوں کے غالب آنے پر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد کیوں نہیں کرتا؟ قرآن حکیم میں واضح کر دیا گیا کہ جب کفار سے دوستی کی جائے گی اور اللہ کی جماعت کی بجائے بے شمار جماعتیں بنائی جائیں گی تو نصرت الہی کا نزول نہیں ہوگا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا غیظ و غضب دشمن کے غلبہ کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

مومنوں کی مومنوں کے علاوہ دوستی میں اتنی چمک ضرور رکھ دی گئی کہ اگر مسلمان کسی غیر مسلم ملک میں ہوں اور ان کے لیے وہاں رہائش پذیر ہونے کے علاوہ کوئی اور بندوبست نہ ہو اور وہ اسلامی تعلیم پر قائم رہنے والے ہوں تو ایسی ہنگامی صورت میں یہ گنجائش رکھ دی گئی کہ وہ کفار سے میل جول رکھ سکتے ہیں۔ امام ابن جریر نے اپنی تفسیر (۳/۲۲۸) میں نقل کیا ہے:

”إِلَّا أَنْ تَكُونُوا فِي سُلْطَانِهِمْ فَتَخَافُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ فَتُظْهِرُوا الْوَلَايَةَ بِالْإِسْنَتِكُمْ وَ تُضْمِرُوا لَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ لَا تَشَابَهُوهُمْ عَلَى مَا هُمْ عَلَيْهِ مِنَ الْكُفْرِ وَ لَا تُعِينُوهُمْ عَلَى مُسْلِمٍ بِفَعْلٍ“

”مگر یہ کہ تم ان کی بادشاہت میں ہو اور تمہیں اپنی جانوں کا خطرہ ہو۔ پس تم ان کے لیے اپنی دوستی زبانوں سے ظاہر کرو اور ان کے لیے عداوت اپنے دلوں میں پوشیدہ رکھو اور جس کفر پر وہ ہوں ان کا ساتھ نہ دو نہ کسی مسلمان کے خلاف بالفعل ان کی اعانت کرو۔“

امام ابن جریر نے تقیہ کی بحث کو سمیٹے ہوئے لکھا ہے:

”فَالْأَعْلَبُ مِنْ مَعَانِي هَذَا الْكَلَامِ إِلَّا أَنْ تَخَافُوا مِنْهُمْ مَخَافَةً فَالْتَّقِيَةِ الَّتِي ذَكَرَهَا اللَّهُ فِي هَذِهِ الْآيَةِ إِنَّمَا هِيَ تَقِيَّةٌ مِنَ الْكُفَرِ لَا مِنْ غَيْرِهِمْ“

”اس کلام الہی کا زیادہ درست مطلب یہ ہے کہ تمہیں ان سے کسی نقصان پہنچنے کا خوف ہو، پس اللہ تعالیٰ نے جس تقیہ کا اس آیت میں ذکر کیا ہے وہ کفار کی ایذا سے بچنے کا طریقہ اختیار کرنا ہے، ان کے علاوہ کسی اور سے بچنے کے لیے تقیہ نہیں ہوگا۔“

تفسیر القرطبی میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ مسلمانوں کی قوت کے قائم ہونے سے پہلے آغاز اسلام میں تقیہ کی اجازت تھی۔ اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت سے نواز دیا ہے لہذا اسلام کے دشمنوں سے بچنے کے لیے تقیہ کی ضرورت نہیں۔

ڈر خوف کی بنا پر دشمن سے وقتی دوستی کی اجازت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرما دیا کہ اصل بات کفار سے ڈرنا نہیں بلکہ اپنے رب حقیقی کے خوف سے اپنے دلوں کو مزین کرنا ہے۔ کیونکہ تمہارا لوٹنا اور اجر و ثواب پانا اسی کے پاس ہوگا۔ دنیا میں اگر آزمائش ہوتی ہے تو نظر آخرت کی طرف لگ جانی چاہئے۔ دنیا میں اس کے دین کے لیے جو بھی قربانی دی جائے گی اس کے اجر کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ وضاحت بھی فرما دی کہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے سلسلہ میں جو خیانت کرے اور اس خیانت کے ذریعے لوگوں کو اگرچہ بے وقوف بنانے میں کامیاب ہو جائے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کو کبھی بھی دھوکا نہ دے سکے گا۔ کیونکہ ظاہر و باطن آسمانوں اور زمین کے ہر محاطے سے وہ آگاہ ہے۔ کوئی شے اس سے پوشیدہ نہیں نہ کوئی شے اس کے احاطے سے باہر ہے سورة الحديد میں اعلان ہوتا ہے:

﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (۳)﴾

”وہی اوّل، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن ہے اور وہ ہر شے کو جاننے والا ہے۔“

اسی لیے اس نے ان آیات مبارکہ میں اپنی ذات عالیہ سے دو مرتبہ ڈرایا ہے۔ اس نے اس دن کا بھی ذکر فرما دیا جس میں اس کی ساری مخلوق اس کے سامنے پیش ہوگی اور ہر نفس کو اس کا نامہ اعمال دیا جائے گا، پھر اسی کے مطابق اس کے بارے میں فیصلہ ہوگا۔ کسی پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر یہاں فرما دیا کہ اپنے بندوں پر وہ بہت ہی مہربانی کرنے والا ہے۔ لیکن برائیوں کے مرتکب ہونے والے کا انجام بہت برا ہوگا اور وہ اپنے اور اپنے گناہوں کے درمیان دوری کی تمنا کرے گا جو پوری نہ ہوگی۔

سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے کے دعویداروں کے بارے میں بھی اعلان کروا دیا گیا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو اس کے بھیجے ہوئے رسول ﷺ کی اطاعت کرو کیونکہ رسول کی اطاعت حقیقت میں اللہ کی اطاعت ہوتی ہے۔ سورة النساء میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (۸۰)﴾

”جس نے رسول اللہ کی اطاعت کی دراصل اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔“

سورة النجم میں اللہ تعالیٰ نے فرما دیا:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (۱)

” (رسول) اپنی مرضی سے کچھ نہیں کہتا بلکہ وہی کچھ کہتا ہے جو اس کی طرف وحی کیا جاتا ہے۔“

اطاعت کرنے کی صورت میں یہ یقین دہانی کرا دی گئی کہ اللہ اطاعت گزار کو محبوب ہی نہیں بنائے گا بلکہ اس کے گناہوں کو بھی معاف فرمائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی موجودہ صورت یہ ہے کہ آپ پر نازل ہونے والے قرآن حکیم اور آپ کے قائم کردہ نمونے (اسوہ حسنہ) کے مطابق عمل کیا جائے۔ جو عمل آپ کے نمونہ کے مطابق نہ ہو گا وہ عند اللہ مقبول نہ ہو گا۔ بخاری، ص: ۳۷۱، مسلم، (۷/۲)

کی روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ أَخَذَتْ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ))

”جس نے ہماری اس دین میں نئی بات ایجاد کی، جو اس میں سے نہ تھی پس وہ مردود ہے۔“

دوسری روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَّيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ))

”جس نے ایسا عمل کیا جس پر ہمارا عمل نہ تھا پس وہ مردود ہے۔“

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اگر لوگ نہ مانیں اور انکار کریں تو اللہ تعالیٰ کفار کو پسند نہیں کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو اللہ اور رسول کی اطاعت سے منہ پھیر لیتے ہیں وہ کافر ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے کفر سے ہمیں محفوظ رکھے۔

### حل لغات:

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ میں لَا يَتَّخِذُ باب افتعال سے فعل نہیں غائب۔ الْمُؤْمِنُونَ اس کا قائل، الْكَافِرِينَ اس کا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: مومنوں کو چاہئے کہ مومنوں کے علاوہ کافروں کو دوست نہ بنائیں۔

﴿وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ﴾ شرط

﴿فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ﴾ جواب شرط۔ جملے کا معنی ہے کہ جو ایسا کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حمایت نہیں پائے گا۔

﴿إِلَّا أَنْ تَقُولُوا مِنْهُمْ نَفَقَةٌ﴾ میں إِلَّا حرف استثناء۔ أَنْ ناصب۔ تَقُولُوا فعل مضارع اور اس کی نون أَنْ کی وجہ سے گری ہوئی ہے، نَفَقَةٌ اصل میں وَفَاةٌ تھا۔ ”واؤ“ تا سے بدلی ہوئی ہے۔ لسان العرب میں الازھری سے

منقول ہے کہ اس کی اصل وہی یعنی ہے اور تاہ اس پر لازم ہوگئی ہے۔ اسی لیے ابن منظور اس کو باب التاء میں بھی لائے ہیں۔ جب کسی آدمی کے بارے میں کہا جائے کہ رَجُلٌ وَفَى قَفَى تو اس کے معنی ایک ہی ہوں گے۔ جملے کا معنی ہے: مگر یہ کہ تمہیں ان کی طرف سے کوئی خوف و خطرہ ہو۔

﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ﴾ میں واو عاطفہ۔ يُحَذِّرُ باب تفعیل سے فعل مضارع۔ ثُمَّ ضمیر منصوب متصل مخاطب کی۔ لفظ اللہ اس کا فاعل اور نَفْسَهُ اس کا مفعول ہے۔ جملے کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔

﴿الْمَصِيرُ﴾ صَارَ يَصِيرُ (ض) سے مصدر میسی ہے۔ اس کے معنی لوٹنے کے ہیں یا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا کے ہے۔ اس سے پہلے اِلَى اللہ ہے یعنی اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔

﴿قُلْ اِنْ تَخْشَوْنَ مَا فِیْ صُلُوبِكُمْ اَوْ تَبْذُلُوْهُ يَتْلَمَّعُ اللّٰهُ﴾ میں قُلْ فعل امر حاضر۔ اِنْ شرطیہ۔ تَخْشَوْنَ اور تَبْذُلُوْا دونوں باب افعال سے فعل مضارع جمع مذکر حاضر اور دونوں کا تون اِنْ شرطیہ کی وجہ سے ساقد ہو گیا ہے۔ جملے کا معنی ہے: کہہ دیں کہ اگر تم وہ چھپاؤ جو تمہارے دلوں میں ہے یا اس کو ظاہر کرو، اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔

﴿يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ﴾ میں يَوْمَ سے مراد قیامت کا دن ہے۔ تَجِدُ فعل مضارع سے واحد مؤنث غائب۔ كُلُّ نَفْسٍ اس کا فاعل۔ مَا موصولہ عَمِلَتْ فعل ماضی واحد مؤنث غائب۔ مِنْ حرف جر۔ خَيْرٍ اور سُوءٍ دونوں مجرور۔ مُحْضَرًا، اَحْضَرُ يُحْضِرُ سے اسم مفعول۔ جملے کا معنی ہے: جس دن ہر نفس نے جو بھلائی اور برائی کی ہوگی، اس کو حاضر پائے گا۔

﴿تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَہَا اَمَدًا اَبْعَدًا﴾ میں تَوَدُّ فعل مضارع واحد مؤنث غائب۔ لَوْ حرف تنہا، اَنَّ مشبہ بالفعل ہے۔ اَمَدًا اَبْعَدًا مرکب توصیلی اور اس سے مراد بہت زیادہ دوری ہے۔ اَمَدَ کے لغوی معنی غضب کے ہیں یعنی جس دوری کا وہ متمنی ہوگا، اس میں اس کا غضب بھی شامل ہوگا۔ جملے کا معنی ہے: برائیوں کا مرتکب ہونے والا نفس اس دن تنہا کرے گا کہ کاش! اس کی برائیوں اور اس کے درمیان بہت زیادہ دوری ہو جائے۔

﴿وَاللّٰهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ﴾ میں رَءُوفٌ رَافٌ يَرْأفُ سے صفت رَؤْف (بروزن فَعُول) ہے اور اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اس کے معنی ہیں: بہت ہی مہربانی کرنے والا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ بہت ہی مہربانی کرنے والا ہے۔

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ اِنْ كُنْتُمْ

تُحِبُّونَ اللَّهَ جملہ شرطیہ۔ فَاتَّبِعُونِي جواب شرط۔ يَخْبِئْكُمْ اللَّهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ جواب امر وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ اللہ تعالیٰ کی اپنے بارے میں انتہائی خوش کن خبر۔ جملے کا معنی ہے: کہہ دیں کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھنے کے دعویدار ہو، تو میری اتباع کرو۔ جب ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ نہ کہ تمہیں محبوب بنا لے گا بلکہ تمہارے گناہوں کو بھی معاف فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

﴿قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ﴾ میں أَطِيعُوا فعل امر حاضر جمع مذکر۔ لفظ اللہ اور الرَّسُولُ اس کے مفعول۔ اِنْ شرطیہ۔ تَوَلَّوْا باب تفعل سے فعل ماضی جمع مذکر غائب۔ اِنْ مشبہ بفعل لفظ اللہ اس کا اسم لا نافیہ۔ يُحِبُّ فعل مضارع۔ الْكَافِرِينَ اس کا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: ان سے کہہ دیں کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، اگر وہ لوگ (ماننے کی بجائے) منہ پھیر لیں تو بے شک اللہ کا فردوں کو پسند نہیں کرتا۔

۷

”بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو جہانوں پر منتخب فرمایا۔

بعض ان کے بعض کی اولاد تھے اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔

جب عمران کی بیوی نے کہا: اے میرے رب میرے پیٹ میں جو ہے اس کو تیرے نام پر آزاد کرنے کی نذر مانتی ہوں۔ پس میری طرف سے قبول فرما۔ یقیناً تو ہی سننے والا جاننے والا ہے۔

جب اس نے بچے کو جنم دیا تو عرض کیا پروردگار! میں نے تو لڑکی کو جنم دے دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم تھا کہ اس نے کیا جنا، اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں ہوتا، میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اسے اور اس کی اولاد کو تیرے

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَ نُوحًا وَ آلَ إِبْرَاهِيمَ وَ آلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۳۳﴾

ذُرِّيَّةً ۖ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۴﴾

إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۳۵﴾

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ ۚ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ ۖ وَ إِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَ إِنِّي أَخِيفُهَا بِكَ وَ ذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ

الرَّجِيمِ ﴿۳۶﴾

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا  
حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ  
عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا  
رِزْقًا قَالَ يَمْرُئُومُ أَنَّى لَكَ هَذَا قَالَتْ  
هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ  
بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

ساتھ شیطان مردود سے پناہ دیتی ہوں۔  
پس اس کے رب نے اسے نہایت پسندیدگی سے قبول  
فرمایا اور اس کی بہترین پرورش فرمائی اور اس کا کفیل  
زکریا (علیہ السلام) کو بنایا۔ زکریا جب بھی اس کے پاس حجرے  
میں آتے تو اس کے پاس رزق پاتے۔ (ایک مرتبہ)  
انھوں نے کہا: اے مریم! یہ رزق تیرے پاس کہاں سے  
آتا ہے؟ انھوں نے جواباً کہا: یہ اللہ کے پاس سے  
(آتا) ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بغیر  
حساب کے رزق عطا فرماتا ہے۔“

## تشریح:

یہاں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آل عمران تک کی فضیلت بیان کرنے کے بعد مریم علیہا السلام کی پیدائش اور  
ان کو اللہ کے دین کی خدمت کے لیے وقف کرنے اور زکریا علیہ السلام کو ان کا کفیل بنانے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو  
معجزانہ طور پر رزق ملنے کا ذکر ہوا ہے۔

آدم علیہ السلام کو یہ شرف حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھ سے بنایا، ان میں اپنی روح پھونکی اور  
انھیں فرشتوں سے سجدہ کرایا۔ علم کے ذریعے فرشتوں پر فضیلت عطا فرمائی اور انہی سے نسل انسانی کو دنیا میں  
پھیلایا۔ جب اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں شیطان نے بت پرستی رائج کر دی تو اس کا قلع قمع کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ  
نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا جنھوں نے شیطان کے بہکاوے میں آنے والوں کو ۹۵۰ سال سمجھایا۔ ان بدبختوں نے  
اللہ تعالیٰ کے نبی کی بات نہ مانی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو زبردست طوفان میں غرق کر کے نوح علیہ السلام اور ان کی اتباع  
کرنے والوں کو بچالیا۔

ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا غلیل بنایا اور ان کو جلانے کے لیے بھڑکانی گئی آگ کو ان کے لیے گلزار بنایا۔  
پھر ان کی اولاد میں سے بے شمار برگزیدہ بندوں کو نبوت سے نوازا۔ آل عمران بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

مریم علیہا السلام کی ولادت مبارکہ کے بارے میں مفسرین نے نقل کیا ہے کہ ان کی والدہ حنہ بنت فاقوذ کے ہاں  
اولاد نہیں ہوئی تھی۔ ایک دن انھوں نے دیکھا کہ ایک چنیا اپنے بچوں کو خوراک لالا کر کھلا رہی ہے جس سے ان کے  
دل میں اس خواہش نے شدت اختیار کر لی کہ کاش میرے ہاں بھی اولاد ہو اور میں بھی ان کو اسی طرح کھانا



کھلاؤں۔ انھوں نے نہایت درد دل سے اللہ تعالیٰ کو پکارا اور اپنے لیے اولاد کی دعا کی۔ سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنا قانون بیان کیا ہے:

﴿أَجِيبْ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَاكَ﴾ (۱۸۱)

”جب پکارنے والا مجھے پکارتا ہے۔ میں اس کی پکار قبول کرتا ہوں۔“

حنہ کی دعا رنگ لائی اور انہیں بچے کی ولادت کی امید ہو گئی۔ جب انہیں اس بات کا یقین ہو گیا تو انھوں نے اپنی دعا کی قبولیت کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنے رب سے وعدہ کیا کہ میں اپنے ہاں پیدا ہونے والے بچے کو اپنے پاس رکھنے کی بجائے تیرے دین کی خدمت اور سر بلندی کے لیے وقف کر دوں گی، تیرے نام پر وہ آزاد ہوگا۔ یہ نذر مانتے ہوئے حنہ کے ذہن میں ایک لمحے کے لیے بھی یہ خیال نہ آیا کہ اس کے ہاں بیٹے کی بجائے بیٹی بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ عموماً لوگوں کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے ہاں بیٹا پیدا ہو اور جب بیٹی ہو جائے تو ان کے گھر میں مایوسی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔

اسلام کی برکات سے فیض یاب ہونے سے پہلے بیٹی کی پیدائش پر اس کے باپ کا جو حال ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا نقشہ سورۃ النحل میں یوں کھینچا ہے:

﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ﴾ (۵۸)

”جب ان کے کسی ایک کو بیٹی کے پیدا ہونے کی بشارت دی جاتی تو اس کا چہرہ غصے سے سیاہ ہو جاتا اور وہ غصے کو دہالیتا۔“

﴿يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾ (۵۹)

”جو بری بشارت اس کو دی جاتی اس کی وجہ سے وہ قوم سے چھپتا بھرتا اور سوچتا کہ ذلت کا سامنا کرنے کے لیے اس کو زندہ رکھے یا مٹی میں گاڑ دے۔ آگاہ ہو جاؤ۔ وہ بہت برا فیصلہ کیا کرتے تھے۔“

اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کی پیدائش اور ان کی ماں کی نذر کے مطابق ان کو دین کی خدمت کے لیے قبول کر کے دنیا میں ہمیشہ کے لیے لڑکی کی پیدائش پر زمانہ جاہلیت کے تمام تصورات کو خاک میں ملا دیا۔ اسلام نے عورت کو جس عزت و رحمت سے نوازا ہے، اس پر وہ جتنا بھی شکر کرتے تھے۔ صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ، ص: ۱۹۰، اور صحیح مسلم کتاب البر (۲/۳۳۷) کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنِ ابْتُلِيَ مِنْ هَذِهِ النَّسَاءِ بِشَيْءٍ فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ))

”جوان بیٹیوں کی وجہ سے آزمائش میں ڈالا گیا پھر اس نے ان سے اچھا سلوک کیا (یعنی اچھی تعلیم و تربیت، اچھے لباس کا اہتمام اور اچھے رشتے کا انتخاب کیا) تو وہ جہنم کی آگ سے اس کے بچاؤ کا سبب بن گئی۔“  
صحیح مسلم کتاب البر (۳۳۰/۲) کی روایت کے مطابق آپ نے فرمایا:

(( مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتَّى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا هُوَ هَلْكَذَا وَ ضَمَّ أَصَابِعَهُ ))  
”جس نے دو بیٹیوں کی پرورش کی، یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گئیں لا قیامت کے روز وہ میرے ساتھ اس طرح ہوگا۔ پھر آپ نے اپنی انگلیوں کو اکٹھا کر لیا۔“

یعنی ہاتھ کی پہلی دو انگلیوں کو کھول کر پھر ملا لیا جس سے آپ نے واضح کر دیا کہ وہ میرے انتہائی قریب ہوگا۔ جہنم کی آگ سے بھی وہ محفوظ ہوگا۔ اس سے بڑھ کر مسلمان عورت پر اللہ تعالیٰ کا احسان اور کیا ہو سکتا ہے؟  
عمران کی بیوی کی دعا کے نتیجے میں جب لڑکے کی بجائے لڑکی پیدا ہوئی تو انھوں نے بارگاہ الہیہ میں عرض کیا کہ لڑکا لڑکی کی مانند نہیں ہو سکتا۔ یہاں ایک انتہائی معزز خاتون خود اعتراف کر رہی ہے کہ لڑکی لڑکے جیسی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس نے اپنی نذر کو پورا کرنے کے لیے اپنے رب سے درخواست کی کہ دین کی خدمت کے لیے اسے قبول فرما۔ اور میں نے اس کا نام مریم یعنی ”خادم الرب“ رکھ دیا ہے، حیرے ساتھ اس کو اور اس کے ہاں پیدا ہونے والی اولاد کو شیطان مردود سے پناہ دے دی ہے۔ اب تو یہی اس کو اور اس کی اولاد کو پناہ دینے والا اور شیطان سے بچانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کے مطابق ان کی بیٹی مریم کو دین کی خدمت کے لیے نہایت محبت سے قبول فرمایا اور ان کی پرورش کا بندوبست بھی بہترین طور پر کیا اور ذکر یا علیہ السلام کو ان کی کفالت کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی ذمہ داری نبھاتے ہوئے جب بھی ذکر یا علیہ السلام، مریم علیہا السلام کے پاس آتے تو ان کے پاس بے موسے میوہ جات پاتے۔ ایک دن انھوں نے مریم علیہا السلام سے پوچھ ہی لیا کہ یہ پھل وغیرہ تمہیں کون دیتا ہے یا کہاں سے آتے ہیں؟ مریم علیہا السلام نے کہا یہ چیزیں مجھے اللہ کی طرف سے ملتی ہیں وہ جس کو چاہے بغیر حساب عطا فرماتا ہے۔ یہاں نکتے کی بات یہ بھی سامنے آتی ہے کہ ذکر یا علیہ السلام کے نبی تھے۔ لیکن اس کے باوجود ان کو معلوم نہ تھا کہ مریم علیہا السلام کو جو بے موسے پھل دیے جاتے ہیں وہ کہاں سے آتے ہیں اور دینے والا کون ہے۔ اگر ان کو پہلے ہی معلوم ہوتا تو سوال کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبیوں کو بھی غیب کی خبر اس وقت ہوتی تھی کہ جب اللہ تعالیٰ ان کو آگاہ کرتا تھا۔ دوسری بات یہ کہ رزق کا پورا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا اہم ترین پہلو یہ ہے کہ اس میں عموماً آزمائش ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ دے کر اور نہ دے کر دونوں صورتوں میں اپنے بندوں کو آزماتا

ہے۔ رزق سے مالا مال ہونے والوں کی آزمائش اس طرح ہوتی ہے کہ وہ اس رزق کو کس طرح استعمال کرتے ہیں اور رزق میں فراخی کی بنا پر کتنا شکر کرتے ہیں۔ یہاں یہ خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال کو فتنہ کہا ہے۔ جب کہ مال سے محروم رکھے جانے والوں کو اللہ دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ کتنا صبر کرتے ہیں اور صبر کے ذریعے اپنے درجات کیسے بلند کراتے ہیں۔ اللہ کی طرف سے ملنے والا رزق اگر اس کی رضا کے لیے اس کی راہ میں خرچ ہو تو وہ رحمت بن جاتا ہے اور اگر برے کاموں میں لگے تو زحمت کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر آزمائش سے ہمیں محفوظ رکھے۔

### حل لغات:

﴿إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَ نُوحًا وَ آلَ إِبْرَاهِيمَ وَ آلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ میں اِنْ حرف مشبہ بفعل۔ لفظ اللہ اس کا اسم، باقی جملہ اس کی خبر ہے۔ اصْطَفَىٰ باب اعتدال سے فعل ماضی واحد مذکر غائب کا صیغہ، اس کا مادہ (ص ف و) ہے۔ آدَم، نُوحًا، آلَ إِبْرَاهِيمَ اور آلَ عِمْرَانَ اس کے مفعول ہیں۔ إِبْرَاهِيمَ اور عِمْرَانَ غیر منصرف ہیں۔ یعنی ان کے آخر میں تین اور زیر نہیں آتی۔ علی حرف جر اور الْعَالَمِينَ عَالَم کی جمع، مجرور ہے۔ حرف جر اور مجرور مل کر اصْطَفَىٰ کے متعلق ہو گیا۔ جملے کا معنی ہے: بیشک اللہ تعالیٰ نے آدَم، نُوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو جہانوں پر چن لیا۔ یعنی ان میں سے ہر ایک کو اس کے زمانے میں دوسروں پر فضیلت بخشی۔

﴿ذُرِّيَّةٌ مِّنْ بَعْضِهَا مِّنْ بَعْضٍ﴾ میں ذُرِّيَّةٌ حال اور جملے کا معنی ہے کہ بعض ان کا بعض کی اولاد ہے۔ ﴿إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا﴾ میں اِذْ ظرف مبنی۔ قَالَتْ فعل ماضی امرأتُ عِمْرَانَ مرکب اضافی اس کا فاعل۔ رَبِّ منادی، اس کا حرف ندا محذوف۔ نَذَرْتُ بھی فعل ماضی کا صیغہ واحد متکلم۔ ما موصولہ مُحَرَّرًا حال ہونے کی وجہ سے منصوب اور الْحَرِيَّةِ سے ماخوذ ہے جو الْعَبُودِيَّة کی ضد ہے۔ جملے کا معنی ہے: جب عمران کی بیوی نے کہا: اے میرے رب! جو میرے پیٹ میں ہے اس کو تیرے لیے آزاد کرنے کی نذر مانتی ہوں۔

﴿فَتَقَبَّلَ﴾ باب تفعیل سے فعل امر حاضر۔ جملے کا معنی ہے: پس قبول فرما۔ ﴿فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ﴾ میں لَمَّا بمعنی جِئْنَ۔ و اِذْ (یعنی جب) وَضَعَتْ فعل ماضی واحد مؤنث غائب اور وَضَعْتُ واحد متکلم۔ اُنْثَىٰ سے مراد لڑکی۔ جملے کا معنی ہے: جب اس نے اس کو جنم دیا تو اس نے کہا: اے میرے رب! بے شک میں نے لڑکی کو جنم دیا ہے۔ ﴿وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ﴾ میں أَعْلَمُ فعل تفضیل کا صیغہ ہے جو لفظ اللہ کے لیے خبر ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ کو خوب علم تھا کہ اس نے کیا جنا ہے۔

﴿وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ﴾ میں لَيْسَ فعل ناقص، الذَّكَرُ (لڑکا) اس کا اسم مرفوع، كَالْأُنْثَىٰ مرکب جاری اس کی خبر۔ اور جملے کا معنی ہے: اور لڑکا لڑکی کی مانند نہیں ہوتا یعنی جسمانی ساخت، صلاحیت اور طاقت کے

اعتبار سے دونوں ایک جیسے نہیں ہوتے۔ ﴿سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَ إِنِّي أُعِيزُهَا بِكَ وَ ذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ میں سَمَّيْتُ باب تفعیل (مادہ س م و) سے فعل ماضی کا صیغہ واحد متکلم اور ہا ضمیر منصوب متصل مریم علیہا السلام کی طرف راجع ہے۔ مَرْيَمَ غیر منصرف۔ أُعِيزُ فعل مضارع واحد متکلم اور ہا ضمیر مَرْيَمَ کی طرف راجع ہے۔ یہو کی زبان میں مریم کے معنی خادم الرب کے ہیں۔ الرجیم سے مراد مردود ہے۔ جملے کا معنی ہے اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے، اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو تیرے ساتھ شیطان مردود سے پناہ دیتی ہوں۔

﴿فَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَ انْتَبَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا﴾ میں قَبَّلَ (باب تفعّل) اَنْتَبَ (باب تفعّل) افعال (اور كَفَّلَ (باب تفعّل) تینوں فعل ماضی واحد مذکر غائب کے صیغے۔ تینوں کی ہا ضمیر مریم علیہا السلام کی طرف لوٹی ہے۔ قَبُولٍ حَسَنٍ اور نَبَاتًا حَسَنًا دونوں مرکب توصیفی ہیں۔ پہلا مرکب حرف جر کی وجہ سے مجرور ہے جب کہ دوسرا مفعول مطلق ہونے کی بنا پر منصوب ہے زَكَرِيَّا کا اعراب بھی موسیٰ اور عیسیٰ کی طرح (تقدیری یعنی پوشیدہ ہے) ہے، جملے کا معنی ہے: پس اس کے رب نے اس کو اچھی طرح قبول فرمایا اور بہترین طور پر اس کی پرورش کی اور زکریا (علیہ السلام) کو اس کا کفیل بنایا۔

﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا﴾ میں كُلَّمَا ظرف زمان منصوب (ای كُلُّ دَخَلَةٍ) دَخَلَ فعل ماضی۔ زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ﴿میں الْمِحْرَابَ کے لغوی معنی ”اکرم موضع فی المجلس“ (مجلس میں سب سے زیادہ عزت والی جگہ) کے ہیں۔ گھر کے شروع کے حصے اور مسجد میں امام کی جگہ کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ تفسیر القرطبی کے مطابق إِنَّمَا كَانَتْ فِي غُوفَةٍ كَانَتْ زَكَرِيَّا يَصْعَدُ إِلَيْهَا بِسَلَمٍ مریم علیہا السلام ایک کمرے میں رہا کرتی تھیں، زکریا (علیہ السلام) سیڑھی کے ذریعے ان تک پہنچا کرتے تھے۔ رِزْقًا، وَجَدَ کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب۔ جملے کا معنی ہے: جب بھی زکریا (علیہ السلام) ان کے پاس حجرے میں آتے تو ان کے پاس کھانے پینے کا سامان پاتے۔

﴿قَالَ يَمْرُؤُا أَنَّى لَكَ هَذَا﴾ میں أَنَّى طرف مکان أَنَّى مِنْ اَيْنَ زکریا (علیہ السلام) نے کہا اے مریم! یہ تجھے کہاں سے ملتا ہے؟

﴿قُلْتُ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ میں قُلْتُ فعل ماضی۔ هُوَ ضمیر مرفوع منفصل۔ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ جار مجرور۔ إِنَّ مشبہ بمفعول لفظ اللہ اس کا اسم اور يَرْزُقُ سے حِسَابٍ تک جملہ فعلیہ اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے مریم علیہا السلام نے جواب دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بغیر حساب رزق عطا فرماتا ہے۔

”اسی جگہ ذکر کیا ﷺ نے اپنے رب سے دعا کی۔ عرض کیا اے میرے رب! اپنے پاس سے مجھے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔ بے شک تو ہی دعا سننے والا ہے۔

پس فرشتوں نے اسے آواز دی جب کہ وہ محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہا تھیکہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں یحییٰ (بیٹے) کی بشارت دیتا ہے جو اللہ کے کلمہ کی تصدیق کرنے والا، سردار، عورتوں سے بچنے والا اور صلحاء میں سے نبی ہوگا۔“

کہا اے میرے رب! میرے لیے بیٹا کیسے ہوگا جب کہ میں بہت بوڑھا ہو گیا اور بیوی میری بانجھ ہے۔ (فرشتے نے) کہا اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

عرض کیا اے میرے رب! میرے لیے کوئی نشانی مقرر کر دے۔ فرمایا تیرے لیے نشانی یہ ہے کہ تو لوگوں سے تین دن صرف اشاروں سے باتیں کر سکے گا اور اپنے رب کا ذکر کثرت سے کرو اور صبح و شام تسبیح بیان کرو۔“

هٰذَا لَكَ دَعَا زَكْرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿٣٨﴾

فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٣٩﴾

قَالَ رَبِّ إِنِّي يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ قَالَ كَذَلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ﴿٤٠﴾

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا رَمْزًا ۖ وَادْكُرْ رَبَّكَ كَثِيرًا وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴿٤١﴾

### تشریح:

سورة الشوریٰ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَآثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذَّكَوْرَ ۙ﴾ (۱۹)

”اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے، جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹوں سے نواز دیتا ہے۔“

﴿أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنْثَا وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيمًا إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ۙ﴾ (۲۰)

”یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں عنایت کر دیتا ہے اور جس کو چاہے بانجھ کر دیتا ہے (یعنی اولاد سے محروم رکھتا ہے) بے شک وہی جاننے والا قدرت والا ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ اولاد دینے یا نہ دینے کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے جس میں اس کی مخلوق میں سے کوئی بھی دخل نہیں۔ شاید اسی کی وضاحت کے لیے حضرت زکریاؑ کا واقعہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے خود ہی بیان فرمایا ہے کہ وہ اللہ کے نبی ہونے کے باوجود انتہائی بڑھاپے تک اولاد سے محروم رہے۔ لیکن جب مریم علیہا السلام کے پاس بے موسے پھل دیکھے تو دل میں خیال آیا کہ اگر مریم کو بے موسے پھل مل سکتے ہیں تو مجھے بڑھاپے میں اولاد سے کیوں نہیں نوازا جاسکتا۔ چنانچہ انھوں نے اسی جگہ ایک پاک نیک بیٹے کے حصول کے لیے اللہ کی بارگاہ میں دعا کر دی۔

سورہ مریم کے الفاظ ہیں:

﴿إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا ۝۳﴾

”جب انھوں نے دہلی آواز میں اپنے رب کو پکارا۔“

چونکہ عمر کے جس حصے میں جا کر انھوں نے اولاد کی خواہش کی، اس کا اظہار کھلے طور پر کرنا انھوں نے مناسب نہ سمجھا۔ اس لیے دعا کا معاملہ انھوں نے اپنے اور اپنے رب کے درمیان ہی رکھا۔

﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝۴﴾

”انھوں نے (اپنی دعا میں) کہا اے میرے رب! میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں، بڑھاپے کی وجہ سے میرے سر کے بالوں کی سفیدی چمکنے لگی ہے۔ اور تجھ سے مانگنے کے سلسلے میں اے میرے رب! میں کبھی بھی محروم نہیں رہا۔“

﴿وَإِنِّي حِفْتُ الْمَوَالِي مِن وَّرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا ۝۵﴾

”اور مجھے اپنے بعد اپنے بھائی بندوں سے اندیشہ ہے (یعنی وہ اس لائق نہیں کہ پیغمبری کا حق ادا کر سکیں یا دین کی خدمت کرنے کا فریضہ ادا کر پائیں) اور میری بیوی بانجھ ہو چکی ہے، پھر بھی مجھے اپنے پاس سے ایک فرزند عطا فرمادے۔“

﴿يَرْبُّنِي وَيَرْثُ مِنِّي وَيُعْقِبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝۶﴾

”جو میرا اور آل یعقوب کا وارث بنے اور اے میرے رب اس کو (اپنے نزدیک اور اپنی مخلوق میں) مقبولیت سے نوازنا۔“

سورة الانبیاء میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَى رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ (۸۹)﴾

”اور زکریا، جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب! (دنیا میں) مجھے بے اولاد نہ چھوڑ دینا۔ وارثوں میں سے سب سے بہتر تو ہی ہے۔“

﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَاهُ زَوْجَةً إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ (۹۰)﴾

”پس ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اس کو یحییٰ عطا کر دیا اور اس کی بیوی (کے بائجھ پن) کی اصلاح کر دی۔ بے شک نیکی کے کاموں میں وہ جلدی کیا کرتے تھے اور ہمیں بڑی توجہ اور عاجزی سے پکارا کرتے تھے اور ہمارے لیے جھکنے والے تھے۔“

زکریا علیہ السلام سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ انھوں نے بھی بڑھاپے میں صاحب اولاد ہونے کی دعا کی تھی۔ سورة الصافات میں فرمان الہی ہے:

﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ (۱۰۰)﴾

”(خلیل اللہ نے دعا کی) اے میرے رب! مجھے نیک صالح اولاد عطا فرما۔“

﴿فَبَشِّرْهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ (۱۰۱)﴾

”پس ہم نے اس کو ایک بردبار بیٹے کی بشارت دی۔“

اس سے واضح ہوتا ہے کہ نیک صالح اولاد کے حصول کے لیے اللہ سے دعا کرنا نبیوں کا طریقہ رہا ہے۔ جب وہ خود اپنے لیے اولاد کے حصول پر قادر نہ تھے، تو آج کوئی کس طرح قادر ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ اولاد سے نوازنے والا صرف رب العالمین ہے۔ لہذا جو لوگ آج تک اولاد جیسی نعمت سے محروم ہیں، ان کو بھی نبیوں کی دکھائی ہوئی راہ اختیار کرتے ہوئے اپنے رب ہی کو رَغْبَةً وَرَهْبَةً پکارنا چاہیے اور دعا مانگتے ہوئے یقین کامل ہونا چاہیے کہ جس رب کو وہ پکار رہے ہیں وہ دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔ ترمذی کی ایک غریب حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أَدْعُوا اللَّهَ وَ أَنْتُمْ مُوقِنُونَ بِالْإِجَابَةِ)) (کتاب الدعوات (۲۰۷/۲)، مسند احمد (۱۷۷/۲))

”اللہ تعالیٰ کو اس طرح پکارو کہ تمہیں یقین ہو کہ تمہاری دعا قبول ہوگی۔“

زکریا علیہ السلام نے دعا مانگتے ہوئے خاص طور پر بارگاہِ الہ میں عرض کیا: اے میرے رب! دعا کے سلسلہ میں مجھے



کبھی بھی محرومی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

انسان کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو لیکن انسانی کمزوریوں سے چھٹکارا پانا اس کے لیے مشکل ہی ہوتا ہے۔ حضرت زکریاؑ نیک صالح پاکیزہ بیٹے کے لیے دعا کرتے ہیں لیکن جب دعا قبول ہوتی ہے اور فرشتوں کے ذریعے بشارت ملتی ہے تو خود ہی اپنے بڑھاپے اور بیوی کے بانجھ ہونے کا حوالہ دے کر تعجب کا اظہار کرتے ہیں۔ حالانکہ جانتے تھے کہ جو اللہ، ماں باپ کے بغیر آدم ﷺ کی تخلیق کر سکتا ہے، ابراہیمؑ کو بڑھاپے میں اولاد سے نواز سکتا ہے، مریم علیہا السلام کو بے موسے پھل عطا کر سکتا ہے وہ ان کی دعا قبول کرتے ہوئے ان کی خواہش کے مطابق نیک صالح بیٹا بھی دے سکتا ہے۔ لیکن انسانی کمزوری رنگ دکھاتی ہے اور اولاد کے باپ بننے کی صورت میں ہر شے پر قدرت رکھنے والے رب سے نشانی طلب کر لیتے ہیں۔ رحیم و کریم نے ناپسندیدگی یا ناراضی کا اظہار کرنے کی بجائے اپنے نبی ﷺ کو نشانی سے بھی آگاہ کر دیا کہ اگرچہ ہم نے تمہیں قوتِ گویائی عطا کر رکھی ہے مگر تمہاری زبان تین دن تک گفتگو کرنے پر قادر نہ ہوگی اور تمہیں آنکھوں، ہاتھوں اور منہ کے اشاروں سے کام چلانا پڑے گا۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملتا ہے کہ اپنے رب کا ذکر کثرت سے کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح بیان کرو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی انسانی مخلوق کو جن نعمتوں سے نواز رکھا ہے اس کا کسی بھی انسان کو اندازا نہیں ہو سکتا۔ سورہ ابراہیم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا ۚ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ﴾ (۳۴)

”اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے۔ بے شک انسان بڑا ہی ظالم اور ناشکرا ہے۔“

سورہ النحل میں اسی بات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (۱۸)

”بے شک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔“

لہذا انسان کا فرض ہے کہ کثرت سے اس کا ذکر کرے اور صبح و شام اس کی تسبیح بیان کرے۔ سورہ الاحزاب میں اہل ایمان کو حکم دیا گیا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۖ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا﴾ (۴۲)

”اے ایمان والو! اللہ کا ذکر بہت زیادہ کیا کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح بیان کیا کرو۔“ کیونکہ شکرانے کی یہ بہترین صورت ہے۔“

سورہ مریم کے الفاظ ہیں کہ جب زکریاؑ نے اپنے بڑھاپے اور بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود صاحب

اولاد ہونے کی بشارت سنی تو تعجب کے طور پر کہا کہ میرے ہاں اولاد کیسے ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو جواب ملا:

﴿كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّينٌ وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا﴾

”اولاد اسی حال میں ملے گی، تمہارے رب کا فرمان ہے کہ یہ کام میرے لیے بہت آسان ہے۔ کیونکہ میں نے پہلے تمہیں پیدا کیا کہ جب تمہارا نام و نشان نہ تھا۔“ یعنی جو تمہیں عدم سے وجود میں لاسکتا ہے وہ بڑھاپے میں اولاد بھی دے سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اولاد کے سلسلے میں اپنے نبی زکریا علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی تو ان کو ملنے والے بیٹے کا نام یحییٰ بھی خود ہی رکھ دیا۔ یعنی عزت و ایمان کے ساتھ وہ زندہ رہے گا۔ علم و حلم میں سب کا سردار ہوگا۔ عبادت و پرہیزگاری میں ممتاز ہوگا۔ گناہوں سے بچنے والا اور نبوت سے سرفراز ہونے والا ہوگا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو اللہ پر ایمان و یقین رکھتے ہوئے اس سے مانگے تو وہ مانگنے والے کی توقع اور طلب سے زیادہ عطا کرتا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے واقعے میں رکھی گئی رہنمائی سے مستفید ہونے کی اللہ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

### حل لغات:

﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ﴾ میں هُنَالِكَ ظرف زمان و مکان۔ مفضل بن سلمہ کے مطابق یہاں زمان کے لیے استعمال ہوا ہے اور هُنَاكَ مکان کے لیے لایا جاتا ہے۔ دَعَا باب نصر سے فعل ماضی، زَكَرِيَّا اس کا فاعل اور رَبَّهُ اس کا مفعول ہے۔ جملے کا معنی ہے: اسی وقت یا اسی جگہ زکریا علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا۔

﴿قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً﴾ رَبِّ منادی۔ حرف ندا محذوف۔ هَبْ باب فتح (مادہ وھ ب) سے فعل امر حاضر، مِنْ لَدُنْكَ اِنْفِ مِنْ عِنْدِكَ۔ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً مرکب توصیلی، هَبْ کا مفعول۔ ذُرِّيَّةً کی جمع ذُرَارِی اور ذُرِّيَّات ہے تاہم ذُرِّيَّةً کا لفظ واحد، جمع اور مذکر و مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن یہاں واحد کے طور پر آیا ہے۔ جملے کا معنی ہے: انھوں نے یعنی زکریا علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! اپنے پاس سے مجھے پاک بیٹا عطا فرما۔ یہ بھی خیال رہے کہ ذُرِّيَّةً کی تانیث لفظی ہے، حقیقی نہیں۔

﴿اِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ﴾ زکریا علیہ السلام نے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی دائمی صفت ”سمیع“ کا حوالہ دیا کہ بے شک تو ہی ہمیشہ دعا کو سننے والا ہے۔

﴿فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ﴾ میں نَادَتْ باب مفاعلہ سے فعل ماضی واحد مؤنث غائب، الْمَلَائِكَةُ جمع مکسر اس کا فاعل، وَاَوْحَاهُ، هُوَ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا۔ قَائِمٌ اسم فاعل خبر، يُصَلِّي

باب تفعلیل سے فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ جملے کا معنی ہے: پس فرشتوں نے اسے (یعنی ذکرِ یٰعِزُّزِہ کو) پکارا اس حال میں کہ وہ حجرے میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

﴿أَنَّ اللَّهَ يَنْشِئُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ﴾ میں اَنَّ حرف مشبہ بالفعل، لفظ اللہ اس کا اسم اور اگلا جملہ فعلیہ اس کی خبر۔ يَنْشِئُ باب تفعلیل سے فعل مضارع۔ ک ضمیر اس کا مفعول، مُصَدِّقًا حال۔ یہ باب تفعلیل سے اسم فاعل ہے، بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ جملے کا معنی ہے: بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں یحییٰ کی بشارت دیتا ہے جو اللہ کے کلمہ (کے ساتھ پیدا ہونے والے عیسیٰ بن مریم) کی تصدیق کرنے والا ہوگا۔

﴿وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ﴾ میں سَيِّدًا، حَصُورًا اور نَبِيًّا تینوں حال ہیں۔ سَيِّدًا: سَادَ يَسُوذُ سے اور حَصُورًا: حَصَرَ يَحْصُرُ اور نَبِيًّا: نَبَأُ يَنْبَأُ سے مشتق ہے۔ یحییٰ علیہ السلام کی بشارت دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کی صفات بھی بیان کر دیں کہ وہ سردار، عورتوں سے بچنے والا اور صالح نبی ہوگا۔

﴿قَالَ رَبِّ اَنۡىٰ يَكُوۡنُ لِىْ غُلَامٌ وَّ قَدْ بَلَغَنى الْكِبَرُ وَامْرَاَتىْ عَاقِرٌ﴾ اُنہی کلمہ ظرف استفہامیہ، يَكُوۡنُ فعل مضارع قَدْ حرف تحقیق، بَلَغَ فعل ماضی، نِىْ نون وقایہ کا اذریائے متکلم، بَلَغَ کا مفعول، الْكِبَرُ اس کا فاعل۔ عَاقِرٌ، عَقَرَ يَغْقِرُ سے اسم فاعل۔ جملے کا معنی ہے: اس نے (یعنی ذکرِ یٰعِزُّزِہ نے) کہا اے میرے رب! میرے ہاں بیٹا کیسے ہوگا حالانکہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے۔

﴿قَالَ كَذٰلِكَ اَللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ﴾ میں كَذٰلِكَ کا کاف تشبیہ کا اور ذٰلِكَ اسم اشارہ میں لفظ اللہ رفعی حالت میں مبتدا ہے۔ يَفْعَلُ فعل مضارع، مَا موصولہ اور يَشَآءُ بھی فعل مضارع۔ جملے کا معنی ہے: فرشتے نے کہا اسی طرح ہوگا، اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

﴿قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْ اٰیَةً﴾ میں اِجْعَلْ فعل امر حاضر، اٰیَةً اس کا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: انھوں نے کہا: اے میرے رب! میرے لیے کوئی نشانی مقرر کر دے۔

﴿قَالَ اِنَّكَ لَا تُكَلِّمُ النَّاسَ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمَزًا﴾ میں اِلَّا اصل میں اَنَّ لا ہے یعنی اَنَّ ناصبہ اور لَا نفی کا، تُكَلِّمُ باب تفعلیل (مادہ ک ل م) سے فعل مضارع، اس کے آخر میں اَنَّ ناصبہ کی وجہ سے زیر آئی ہے اور اَلنَّاسِ اس کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ثَلَاثَةُ اسم عدد ذاتی۔ اَيَّامِ اس کی تمیز، اِلَّا حرف استثناء رَمَزًا مستثنیٰ۔ جملے کا معنی یہ ہے: (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا تیرے لیے نشانی یہ ہوگی کہ تین دن تو لوگوں سے صرف اشاروں میں باتیں کر سکے گا۔

﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ كَثِيرًا وَسَبِّحْ بِالْعُشِيِّ وَالْإِبْكَارِ﴾ میں اُذْکُرْ اور سَبِّح دونوں فعل امر حاضر۔ لغوی طور پر العُشِيِّ سے مراد شام کے قریب سورج کے ڈھلنے سے لے کر اس کے غروب ہونے کا وقت ہے۔ جب کہ الْإِبْكَار سے مراد طلوع فجر سے لے کر صبحی تک کا وقت ہے۔ جملے کا معنی ہے اور اپنے رب کا ذکر کثرت سے کرتے رہو اور صبح و شام تسبیح بیان کیا کرو۔

۹

”اور جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ نے تجھے چن لیا اور تجھے پاک کر دیا ہے اور جہانوں کی عورتوں میں سے تیرا انتخاب کر لیا ہے۔

اے مریم! اپنے رب کی اطاعت کیے جا، سجدے کرتی رہ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرتی رہ۔

یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں حالانکہ آپ ان کے پاس نہیں تھے جب وہ اپنی قلمیں ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے گا اور نہ ہی آپ ان کے پاس تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔

جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں ایسے بیٹے کی خوشخبری دے رہا ہے جو اس کی طرف سے ایک کلمہ سُنن سے ہوگا۔ نام اس کا مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا، جو دنیا اور آخرت میں عزت و وجاہت والا ہوگا۔ اللہ کے قریب ہونے والوں میں سے ہوگا۔

بچپن اور پکی عمر میں لوگوں سے باتیں کرے گا اور صلحاء میں سے ہوگا۔

مریم نے عرض کیا۔ اے میرے رب! میرے ہاں بیٹا

وَ إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَمْرُؤُماً إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ وَ طَهَّرَكِ وَ اصْطَفَاكِ

عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِينَ ﴿۴۲﴾

يَمْرُؤُماً اقْنِئِي لِرَبِّكِ وَ اسْجُدِي

وَ ارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴿۴۳﴾

ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَقُولُونَ أَفَلَا لَهُمْ آيُهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ

يَخْتَصِمُونَ ﴿۴۴﴾

وَ إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَمْرُؤُماً إِنَّ اللَّهَ يَبْشُرُكِ بِكَلِمَةٍ مِنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ

عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَ جَنَّاهَا فِي الدُّنْيَا

وَ الْآخِرَةِ وَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۴۵﴾

وَ يُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَ كَهْلًا وَ مِنَ

الصَّالِحِينَ ﴿۴۶﴾

قَالَتْ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَ لَمْ

کیسے ہوگا جب کہ مجھے کسی انسان نے ہاتھ ہی نہیں لگایا۔  
ارشاد ہوا اسی طرح ہوگا۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔  
جب وہ کسی معاملے کا فیصلہ کر لے تو وہ اس کے لیے کہتا ہے  
”ہوجا“۔ تو معاملہ اسی کی مرضی کے مطابق ہو جاتا ہے۔“

يَمَسُّنِي بَشَرًا قَالِ كَذَلِكَ اللَّهُ يَخْلُقُ  
مَا يَشَاءُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ  
كُنْ فَيَكُونُ ﴿٤٧﴾

### تشریح:

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے خالق و مالک ہونے اور تخلیق کے بارے میں قدرت کاملہ رکھنے اور اپنی  
چاہت کے مطابق معاملہ کرنے کا ذکر ہوا ہے۔ مریم علیہا السلام جب جوان ہوئیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو  
ایک بشارت یہ دی گئی کہ دنیا کی تمام عورتوں پر ان کو فضیلت دے دی گئی ہے اور اس کا شکر ادا کرنے کا طریقہ یہ ہوگا  
کہ اپنے رب کی بندگی عبادت ان کو زیادہ کرنی ہوگی۔ مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ وہ نماز میں اتنا لباً قیام کیا کرتی  
تھیں کہ ان کے شکنجوں پر درم آ جاتا تھا۔ اس کے باوجود اطاعت الہی میں وہ کوئی کمی واقع نہ ہونے دیتیں۔

دوسری بشارت انھیں یہ ملی کہ ان کے ہاں بڑا ہی خوب صورت، جاہ و وجاہت والا بیٹا ہوگا جو ان کی گود میں ہی  
لوگوں سے بات کرے گا اور پختہ عمر میں بھی لوگوں سے خطاب کرے گا۔ برائیوں سے بچنے والا نیک صالح اور اللہ کا  
مقرب ہوگا۔ نسل انسانی میں پائے جانے والے قانون الہی سے ہٹ کر معجزانہ طور پر بن باپ پیدا ہوگا۔ پہلی بشارت  
کا تعلق تو معاشرے میں ان کو ملنے والی فضیلت سے تھا جو یقیناً خوشی کی بات تھی۔ لیکن دوسری بشارت تو انتہائی حیران  
کن اور خوف طاری کرنے والی تھی۔ لہذا انھوں نے اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کر ہی دیا کہ میری کسی مرد سے  
شادی نہیں ہوئی اور نہ ہی کسی سے کوئی ایسا تعلق قائم ہوا تو پھر بچہ کیسے جنم لے گا۔

زکریا علیہ السلام کو حیرت اس بات پر ہوئی کہ جس عمر میں عورت بچے کو جنم دینے کے قابل نہیں رہتی اور اس کا خاوند  
بھی بوڑھا ہو جائے تو ان کے ہاں بیٹا ہوگا! لیکن یہاں معاملہ بالکل ہی مختلف تھا کہ ایک زاہدہ عابدہ عقیقہ حاملہ ہو  
جائے حالانکہ اس کی کسی مرد سے شادی نہ ہوئی ہو۔ مریم علیہا السلام کے لیے فکر کی بات تو تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی  
طرف سے ان کو پیغام ملا کہ بچہ اسی حال میں پیدا ہوگا اور ان پر واضح ہو گیا کہ ان کا رب جو چاہتا ہے اور جس طرح  
چاہتا ہے کُنْ کے ساتھ معاملہ طے کر دیتا ہے۔ تو انھوں نے زکریا علیہ السلام کی طرح اپنے رب سے کوئی نشانی طلب نہ  
کی۔ بلکہ اپنے رب کی رضا پر راضی ہو گئیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بے مثال واقعہ بیان کرتے ہوئے سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر واضح کر دیا کہ غیب کی خبریں  
ہم آپ تک پہنچا رہے ہیں۔ یعنی آپ کو اس کے بارے میں کوئی خبر نہ تھی۔ مزید وضاحت یوں فرمائی کہ جب مریم علیہا

السلام کی کفالت کے بارے میں کفیل بننے کے متمنی حضرات میں جھگڑا ہوا اور قلموں کے ذریعے قرعہ اندازی کر کے فیصلہ کیا گیا تو آپ اس وقت بھی وہاں موجود نہ تھے۔ کیونکہ یہ واقعہ تقریباً چھ صدیاں پہلے ہوا۔

سورہ حمود میں اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

﴿يَلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا﴾  
 ”یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں۔ حالانکہ آپ اور آپ کی قوم اس سے پہلے جانتے نہیں تھے۔“

ایسی ہی بات سورہ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان کرنے کے بعد فرمائی، بلکہ سورہ النمل میں آپ سے اعلان کرایا:

﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ﴾ (۱۶۰)  
 ”آپ کہہ دیں، اللہ کے سوا جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں وہ غیب کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ بلکہ وہ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ ان کو کب اٹھایا جائے گا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ عالم الغیب صرف اللہ وحدہ لا شریک ہے۔ قرآن حکیم میں کئی مقامات پر اس نے اپنے آپ کو ﴿عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ فرمایا ہے۔ لہذا آج اگر کوئی غیب دانی کا دعویٰ کرتا ہے یا غیب دانی کی نسبت اللہ کے سوا کسی اور کی طرف کرتا ہے تو وہ یقیناً قرآن مبین کی تعلیم کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوتا ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نے بھی کسی وقت عالم الغیب ہونے کا دعویٰ نہ کیا۔

مریم علیہا السلام کی کفالت کے بارے میں جب اختلاف ہوا تو کفالت کے خواہش مند حضرات میں طے پایا کہ سب اپنے اپنے قلم ڈال دیں۔

صحیح بخاری (کتاب الشهادات: ۳۶۹) میں امام بخاری رحمہ اللہ نے باب باندھا ہے: ”بَابُ الْقِرْعَةِ فِي الْمُسْكَاتِ وَقَوْلُهُ: إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ“ پھر انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ سب نے اپنے قلم نہر میں ڈال دیے۔ سوائے زکریا علیہ السلام کے قلم کے باقی سب کے قلم پانی کے بہاؤ کے ساتھ بہہ گئے۔ چنانچہ کفالت کی ذمہ داری حضرت زکریا کو مل گئی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے سورہ آل عمران کی مذکورہ آیت سے استدلال کیا کہ جب کسی معاملے میں کئی دعوے دار ہوں اور فیصلہ کرنا مشکل ہو جائے تو پھر قرعہ اندازی کے ذریعہ اس استدلال کیا جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے نعمان بن بشیر کی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی حدود میں لا پرواہی کرنے اور ان کے مرتکب ہونے والوں کی مثال ایک کشتی میں سوار ہونے والوں جیسی ہے جنہوں

نے اچھی جگہ کے حصول کے لیے آپس میں قرعہ اندازی کی۔ ان میں سے بعض کو نشی کے نچلے حصے میں جگہ ملی اور بعض کو اوپر والے حصے میں جگہ دی گئی..... اس روایت میں بھی اصل نکتہ قرعہ اندازی کا ہے۔

صحیح بخاری ہی کی روایت ہے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ ڈالتے۔ جس کے نام کا نکل آتا آپ ﷺ اس کو ساتھ لے جاتے۔ ویسے اپنی ازواج مطہرات کے درمیان رات اور دن گزارنے کا مساویانہ رویہ اختیار کیے رہتے۔

زکریا علیہ السلام نے بارگاہ اللہ میں جب عرض کیا کہ بڑھاپے میں ان کے ہاں بیٹا کیسے ہوگا اور بیوی کے ہاتھ پن کا حوالہ بھی دے دیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو کہا گیا۔ ﴿يَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ﴾ یعنی اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ لیکن مریم علیہا السلام کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا: ﴿يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ مریم علیہا السلام کی تسلی کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا دیا کہ کسی کام کے کرنے میں اس کو اسباب اور وسائل کی ضرورت نہیں ہوتی نہ کسی کی معاونت کا وہ محتاج ہے۔ اس نے سُكُنْ یعنی ”ہوجا“ کہنا ہے اور اس کی چاہت کے مطابق وہ کام ہو جاتا ہے۔

### حل لغات:

﴿وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَمْرُؤُماً إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰكِ وَطَهَّرَكِ﴾ میں اِذْ ظرف، قَالَتْ فعل ماضی واحد مؤنث غائب، الْمَلَائِكَةُ اس کا فاعل۔ ياء حرف ندا۔ مَرُؤِماً منالای۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، لفظ اللہ اس کا اسم۔ اصْطَفَىٰكِ وَ طَهَّرَكِ اس کی خبر۔ اصْطَفَىٰ. الصَّفْوَةُ سے مشتق ہے۔ اصْطَفَىٰ اور طَهَّرَ دونوں فعل ماضی۔ ک ضمیر مریم علیہا السلام کی طرف راجع۔ جملے کا معنی ہے: اور جب فرشتوں نے کہا۔ اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ نے تم کو چن لیا ہے اور تمہیں پاک کر دیا۔

﴿وَاصْطَفَىٰكِ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ﴾ اس جملے کا عطف اس کے ماقبل پر ہے۔ یعنی جہانوں کی عورتوں میں سے اس نے تمہیں چنا ہے۔

﴿يَمْرُؤُماً افْتَنَىٰ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾ میں افْتَنَىٰ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي تینوں فعل امر حاضر سے واحد مؤنث کے صیغے ہیں۔ مریم علیہا السلام کو حکم ملتا ہے۔ اپنے رب کی اطاعت کرتی رہ۔ اس کے لیے سجدے اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرتی رہ۔

﴿ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ﴾ میں أَنْبَاءِ الْغَيْبِ مرکب اضافی اپنے ماقبل مِنْ کی وجہ سے مجرور ہے۔ نُوحِيْ بَاب افعال (وَح ي) سے فعل مضارع جمع متکلم اور ضمیر مرکب اضافی کی طرف راجع



ہے۔ جملے کا معنی ہے: یہ وہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں۔

﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَقُولُونَ أَفَلَا مَهْمُ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ﴾ میں يَقُولُونَ فعل مضارع، صیغہ جمع مذکر غائب اور يَكْفُلُ واحد مذکر غائب۔ جملے کا معنی ہے: اور تم ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے۔ یعنی آپس میں قرعہ اندازی کر رہے تھے کہ ان میں سے مریم علیہا السلام کی کفالت کون کرے گا۔

﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ﴾ میں يَخْتَصِمُونَ باب افتعال (مادہ: خ ص م) سے فعل مضارع۔ جملے کا معنی ہے: اور نہ آپ اس وقت ان کے پاس تھے جب وہ آپس میں جھگڑا کر رہے تھے۔ یعنی مریم علیہا السلام کی کفالت کے بارے میں پہلے اختلاف ہوا جس کی وجہ سے قرعہ اندازی کرنی پڑی۔

﴿إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ مِنَ الْمَقْرَبِينَ﴾ الْمَسِيحُ کا مادہ مسخ ہے جس کے لغوی معنی کسی چیز پر ہاتھ پھیرنا یا نشان و آلائش کو صاف کرنا کے ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے۔ ”مَسَحْتُ يَدَيْ بِالْعِنْدِيلِ“ میں نے رومال سے اپنے ہاتھ کو صاف کیا۔ گھسے ہوئے سکے کو بھی مسخ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ زیادہ استعمال کی وجہ سے اس کے نشان تقریباً مٹ جاتے ہیں۔ شرعی طور پر گیلے ہاتھوں کو وضو کرتے ہوئے ان اعضا پر پھیرنا ہے جن کو دھونا نہیں ہوتا۔ سورة المائدہ میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ﴾ ”اور اپنے سروں کا مسح کرو۔“ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کے بارے میں اہل اسلام کو حکم دیا گیا۔ ﴿فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَآيْدِيكُمْ مِنْهُ﴾ کہ پاک صاف مٹی سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرو۔ لیکن عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں دو مشہور قول ہیں کہ وہ بیماروں، کوڑھوں، نابینوں پر ہاتھ پھیرتے تو اللہ تعالیٰ ان کو شفا دے دیتا اور دوسرا قول کہ وہ زمین میں بہت سیاحت کرنے والے تھے۔ اس لیے ان کو مسح کہا گیا ہے۔ وَجِيهًا حال ہے اور اس کا مادہ وجہ ہے اور اس کا عمومی معنی چہرہ ہے اور اس سے مراد ذات بھی ہوتی ہے۔ وَجِيهً صفت مشبہ ہے اور اس سے مراد وجاہت و آبرو والا ہے۔ الْمَقْرَبِينَ۔ الْمَقْرَبُ کی جمع جو باب تفعیل (مادہ ق ر ب) سے اسم مفعول ہے۔ جملے کا معنی ہے: جب فرشتوں نے کہا، اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں ایک ایسے بیٹے کی بشارت دیتا ہے جو اس کے کلمہ کُن سے ہوگا۔ جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا۔ جو دنیا اور آخرت میں جاہ و وجاہت والا ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں میں سے ہوگا۔

﴿وَيَكْنِمُ النَّاسُ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ﴾ میں يَكْنِمُ باب تفعیل سے فعل مضارع۔ النَّاسُ اس کا مفعول۔ الْمَهْد سے مراد ماں کی گود اور كَهْلًا سے مراد جوانی سے بڑھاپے کی طرف بڑھنے والی عمر۔ جملے

کا معنی ہے: کہ وہ ماں کی گود میں اور جوانی میں لوگوں سے باتیں کرے گا اور صلحاء میں سے ہوگا۔

﴿قَالَتْ رَبِّ اَنۡیَ یَکُونُ لِیْ وَلَدٌ وَّلَمْ یَمۡسَسْنِیۡ بِشَرٍّۙ﴾ میں اُنہی استفہامیہ۔ لَمْ نفی جہد۔ یَمَسُّنَ فعل مضارع اور لَمْ کی وجہ سے اس کے آخر میں جزم آئی ہے۔ نفی میں نون وقایہ اور یائے تنکلم مریم علیہا السلام کی طرف راجع ہے۔ جملے کا معنی ہے: مریم نے کہا: اے میرے رب! میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا۔ جب کہ مجھے کسی بشر نے چھویا تک نہیں۔

﴿قَالَ کَذٰلِکَ اَللّٰهُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ اِذَا قَضٰی اَمْرًاۙ فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ﴾ مریم علیہا السلام کو جواب ملتا ہے: اسی طرح ہوگا اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے تخلیق کرتا ہے جب کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو اس لیے کہ کہتا ہے اور وہ ہو جاتا ہے۔

۱۰

اور وہ یعنی اللہ تعالیٰ اس کو کتاب و حکمت اور تورات و انجیل سکھائے گا۔

اور وہ بنو اسرائیل کی طرف رسول ہوگا۔ (اور کہے گا) کہ بے شک میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانی لایا ہوں۔ میں تمہارے لیے مٹی سے پرندے کی شکل جیسی چیز بناؤں گا، پھر اس میں پھونک ماروں گا اور وہ اللہ کے حکم سے حقیقی پرندہ بن جائے گا اور میں پیدائشی اندھے اور کوڑھے کو ٹھیک کر دوں گا اور اللہ کے حکم سے مردہ کو زندہ کر دوں گا اور تمہیں آگاہ کروں گا کہ تم کیا کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں کیا ذخیرہ کرتے ہو۔ بے شک اس میں تمہارے لیے نشانی ہے اگر تم یقین رکھتے ہو۔ اور وہ اپنے سے پہلے موجود تورات کی تصدیق کرنے والا ہوگا اور (عیسیٰ علیہ السلام نے کہا) میں تمہارے لیے بعض وہ

وَّ یُعَلِّمُہُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ وَ التَّوْرَۃَ وَ الْاِنۡجِیْلَ ﴿۴۸﴾

وَّ رَسُوْلًا اِلَیۡ بَنِیۡۤ اِسْرَآئِیْلَ اَنۡیَ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیٰتٍ مِّنۡ رَبِّکُمْ ؕ اَنۡیَ اَخْلُقُ لَکُمۡ مِّنَ الطَّیْرِ کَھٰیۡطَہُ الطَّیْرِ فَاَنفُخُ فِیْہِ فَیَکُوْنُ طَیْرًاۙ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ اُبْرِیۡ الۡاَکْمَۃَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ اُنَبِّئُکُمۡ بِمَا تَاکُلُوْنَ وَ مَا تَدۡخُرُوْنَ فِیۡ بُیُوْتِکُمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیۃً لَّکُمۡ اِنۡ کُنْتُمْ مُّوْمِنِیۡنَ ﴿۴۹﴾

وَّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیِّ مِنَ التَّوْرٰتِ وَ اَوَّلٰی لَکُمۡ بَغۡضُ الَّذِیۡ حَرَّمَ عَلَیْکُمۡ وَ

جِئْتُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ  
وَاطِيعُونَ

إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۗ هَذَا  
صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ

حلال کروں گا جو تم پر حرام کر دیا گیا ہے اور تمہارے لیے  
رب کی طرف سے نشانی لایا ہوں۔ پس اللہ سے ڈر جاؤ  
اور میری اطاعت کرو۔“

بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے پس اس کی عبادت  
کرو، یہی سیدھی راہ ہے۔“

### تشریح:

اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام سے کلمہ گُن کے ساتھ پیدا ہونے والے بیٹے کی جن صفات کا ذکر فرمایا ان میں  
سے ایک صفت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو کتاب و حکمت اور تورات و انجیل کی تعلیم سے نوازے گا۔ چوں کہ ان کو بنو  
اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا تھا، اس لیے تورات کا عالم ہونا ان کے لیے ضروری تھا۔ اگر تورات کے بارے  
میں وہ اچھی طرح آگاہ نہ ہوتے تو بنو اسرائیل کے علماء سے گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔ بنو اسرائیل کے علماء نے ویسے بھی  
تورات کی بہت سی باتوں کو حذف یا مسخ کر دیا تھا۔ اس لیے اصل حقیقت سے عیسیٰ علیہ السلام کو باخبر کرنے کے لیے اللہ  
تعالیٰ نے ان پر انجیل نازل فرمائی جس کی بنیادی تعلیم وہی تھی جو اس سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں اور صحیفوں کے  
ذریعے اللہ کے نبیوں نے اس کی مخلوق تک پہنچائی۔ یعنی

﴿إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ﴾

”بے شک میرا اور تمہارا رب اللہ ہے پس اس کی عبادت کرو۔“

قرآن حکیم کی سورة آل عمران میں ہی محمد رسول اللہ ﷺ سے اعلان کرایا گیا:

﴿قُلْ يٰٓأَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ

شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ﴾ (۱۶)

”آپ کہہ دیں اے اہل کتاب!! اس کلمہ کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔ یہ کہ

ہم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کچھ بھی شریک نہ کریں اور نہ بعض ہمارا بعض کو اللہ

کے سوا معبود بنالے۔“

ہر نبی علیہ السلام نے اپنی قوم کو صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی اور عبادت کرنے کا حکم دیا۔ جس طرح عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت  
کے وقت بنو اسرائیل تورات کی تعلیم سے دور ہو چکی تھی اسی طرح محمد رسول اللہ ﷺ کے مبعوث ہونے کے وقت  
یہودی بھی عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کو فراموش کر چکے تھے۔ بنو اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قبول نہ کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ

نے ان کو کئی معجزات سے نوازا اور بنو اسرائیل نے ان کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ مٹی سے کسی پرندے کی شکل جیسی چیز بناتے۔ پھر اللہ کا نام لے کر اس پر پھونک مارتے تو مٹی سے بنا ہوا پرندہ حقیقی پرندہ ہو کر اڑ جاتا۔ اسی طرح کسی مادر زاد یعنی پیدائشی ناپیدائش شخص کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرتے تو اللہ تعالیٰ اس کو بینائی عطا کر دیتا۔ اور سفید داغوں یا کوڑھ والے بھی معجزانہ طور پر انہی کے ہاتھ سے شفا پاتے۔ چند ایک مرجانے والوں کو بھی اللہ ہی کے حکم سے انھوں نے زندہ کیا۔

اللہ تعالیٰ کا قانون رہا ہے کہ نبیوں کی نبوت کو محقق (ثابت) کرنے کے لیے ان کو معجزات سے نوازا رہا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزے دیے گئے جن سے جادو کا ابطال ہوا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ایسے معجزات کا ظہور ہوا کہ جن سے اطباء کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں عربی زبان کی فصاحت و بلاغت اور شاعری اپنے عروج پر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم نازل فرما کر زبان دانی پر فخر کرنے والوں کو عاجز کر دیا۔ لبید بن ربیعہ عرب کے مشہور شاعر تھے۔ ان کا شمار ان نسات شعراء میں سے ہوتا تھا جن کا کلام بیت اللہ کے ساتھ لٹکایا جاتا تھا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی دولت سے مالا مال کر دیا تو انھوں نے شعر گوئی بند کر دی۔ اسد الغابہ (۵۱۶/۴) کی روایت ہے۔ امیر المومنین عمر بن الخطاب نے ایک مرتبہ ان سے کہا اپنے اشعار میں سے چند شعر سنائیں۔ انھوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے جب سے مجھے سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران کا علم عطا فرمایا ہے میں نے تب سے کوئی شعر نہیں کہا۔ امیر المومنین نے ان کا جواب سن کر ان کے سرکاری وظیفے میں پانچ سو درہموں کا اضافہ کر دیا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو سب سے سچی بات کسی شاعر نے کہی ہے۔ وہ لبید کا شعر ہے:

أَلَا تَكُنْ شَيْءٌ مَّا خَلَا اللَّهُ بَاطِلٌ

”آگاہ ہو جاؤ اللہ کے سوا ہر شے باطل ہے۔“

بنو اسرائیل کی سرکشی کا یہ عالم تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال بھی کر دیا کہ بتاؤ ہم کیا کھاتے ہیں اور کھانے کے لیے کیا روک رکھتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کی مدد فرمائی اور انھوں نے سوال کرنے والوں کو بتا دیا کہ انھوں نے کیا کھایا اور کھانے کے لیے کیا بچایا۔ لیکن اکثریت پھر بھی ان پر ایمان نہ لائی۔ بلکہ یہود نے ان کی بھرپور مخالفت کی۔ افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے یہود پر بار بار واضح کیا کہ جو مجھ سے پہلے تمہارے پاس کتاب اصلی صورت میں موجود ہے، میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں۔ عہد نامہ جدید میں میتھو Matthew (متی) سے مروی

انجیل کے باب ۵، آیت: ۱۷ کے الفاظ ہیں:

”یہ خیال نہ کرنا کہ میں قانون یا نبیوں کو نیست و نابود یا باطل کرنے آیا ہوں۔ بلکہ ان کو پورا کرنے آیا ہوں۔“

قرآن حکیم کے مطابق انھوں نے یہ بھی کہا۔ میں تمہارے لیے بعض وہ بھی حلال کرنے آیا ہوں جو تم پر حرام کر دیا گیا۔ یعنی تمہارے برے اعمال کی بنا پر بعض حلال چیزیں جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں ان کو حلال کرنے آیا ہوں۔ اللہ کی طرف سے دیے گئے معجزات دکھانے آیا ہوں تاکہ تم اپنے رب سے ڈر جاؤ اور میری اطاعت کرو، کیونکہ یہی سیدھی راہ ہے۔

سورة الزخرف میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَمَّا جَاءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلَفُونَ فِيهِ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا (۱۷)﴾

”اور جب عیسیٰ علیہ السلام معجزات کے ساتھ آئے تو انھوں نے کہا میں تمہارے پاس حکمت لایا ہوں اور تمہاری ان بعض باتوں کی وضاحت کرنے آیا ہوں جن میں تم اختلاف کرتے ہو۔ پس اللہ سے ڈر جاؤ اور میری اطاعت کرو۔“

سورة القف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا جَاءَهُم بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ (۱)﴾

”عیسیٰ علیہ السلام جب ان کے پاس نشانیاں لے کر آئے تو یہود نے کہا یہ تو واضح جادو ہے۔“

موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو دیکھ کر فرعون کے سرداروں نے بھی یہی کہا تھا:

﴿إِنَّ هَذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ (۱۰۹)﴾ [الاعراف: ۱۰۹]

”بے شک یہ بڑا ماہر جادوگر ہے۔“

حق کو ٹھکانے والوں کا ہمیشہ یہی معمول رہا ہے۔ سورة سبأ میں اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ (۱۳)﴾

”کافروں کے پاس جب حق آیا تو انھوں نے کہا یہ تو واضح جادو ہے۔“

سورة القمر میں فرمان الہی ہے:

﴿اِقْرَبْتَ السَّاعَةَ وَأَنْشَقَّ الْقَمَرُ (۱)﴾

”قیامت قریب ہوگئی اور چاند شق ہو گیا۔“

﴿وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعَرِّضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾

”اور وہ اگر کوئی معجزہ دیکھیں تو اعراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ چلنے والا جادو ہے۔“

جس قوم نے فرعون سے نجات کا سبب بننے والے کلیم اللہ موسیٰ علیہ السلام کو تنگ کرنے میں کوئی کسر نہ رہنے دی، وہ روح اللہ عیسیٰ علیہ السلام کو کیسے تسلیم کر سکتی تھی۔ لہذا انھوں نے روی گورنر کو مجبور کر دیا کہ ان کو سولی پر لٹکایا جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر ان کو اپنی طرف اٹھا لیا اور قیامت سے پہلے ان کا نزول ہوگا۔ جیسا کہ بخاری (کتاب الانبیاء، باب نزول عیسیٰ بن مریم) اور مسلم (۸/۱)، باب نزول عیسیٰ بن مریم میں سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ انھوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، عنقریب تم میں ابن مریم ضرور نازل ہوں گے۔ اس حال میں کہ وہ عدل و انصاف کرنے والے حاکم ہوں گے۔ وہ صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے۔ لڑائی و جزیہ ختم کر دیں گے۔ مال اتنا ہو جائے گا کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ ایک سجدہ کرنا دنیا اور جو اس میں ہے، اس سے بہتر ہوگا۔“

پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے اگر چاہو تو قرآن کی یہ آیت پڑھ لو۔“

”اہل کتاب میں سے ہر ایک ان کی موت سے پہلے ان پر ضرور ایمان لائے گا اور وہ ان پر گواہ ہوں گے۔“ (سورة النساء: ۱۵۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری (۴/۶) میں صلیب توڑنے کے بارے میں لکھا ہے:

”أَيُّ يَبْطُلُ دِينَ النَّصْرَانِيَّةِ وَأَنْ يَكْسِرَ الصَّلِيبَ حَقِيقَةً“

”یعنی نصرانی دین کو وہ باطل کریں گے اور حقیقی طور پر صلیب توڑ دیں گے۔“

حق کو سمجھنے کی اللہ تعالیٰ سب کو توفیق عطا فرمائے۔

### حل لغات:

﴿يُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ﴾ میں يُعَلِّمُ باب تفعل سے فعل مضارع اور اس کی ضمیر مستتر (یعنی لفظ کے اندر پوشیدہ ہو) اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ اور ہ ضمیر منصوب متصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ . يُعَلِّمُ کے مفعول ہیں۔ تورات موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی۔ انجیل عیسیٰ علیہ السلام کو ملنے والی کتاب تھی۔ حکمت سے مراد دانائی کی باتیں ہیں۔ الْكِتَابَ کے عموماً معنی لکھنے کے کیے جاتے ہیں لیکن قرآن حکیم میں اس سے مراد وہ کتاب ہے جو سید الانبیاء محمد رسول

اللہ ﷺ پر نازل ہوئی۔ چوں کہ قیامت سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام کا نزول محمد رسول اللہ ﷺ کے امتی کی حیثیت میں ہوگا۔ لہذا ضروری ہے کہ قرآن حکیم کا علم بھی ان کو دیا جائے۔ کیوں کہ انھوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی آخری کتاب کے مطابق ہی عمل کرنا ہے۔

﴿ وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَآئِيلَ ﴾ کا عطف وَجِئَهَا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ پر ہے۔ یعنی وہ بنو اسرائیل کی طرف رسول ہوں گے۔

﴿ قَدْ جِئْتَكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ﴾ میں قَدْ تحقیق کا، جِئْتُ فعل ماضی، ثُمَّ ضمیر مفعول کی، بَآيَةٍ سے مراد معجزہ ہے۔ جملے کا معنی ہے: میں تمہارے رب کی طرف سے معجزہ لایا ہوں۔

﴿ اِنِّیْ اَخْلَقْتُ لَكُمْ مِنَ الطَّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ میں اَخْلَقْتُ اور اَنْفُخُ فعل مضارع سے واحد متکلم کے صیغے ہیں۔ يَكُوْنُ بھی فعل مضارع ہے مگر واحد مذکر غائب۔ یہ فعل ناقص ہے اور طَيْرًا اس کی خبر ہے۔ جملے کا معنی ہے: میں تمہارے لیے مٹی سے پرندے کی مثل ایک شے بناتا ہوں۔ پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے حقیقی پرندہ بن جاتا ہے۔

﴿ وَ اُبْرِئِ الْاَشْمَةَ وَالْاَبْرَصَ ﴾ میں اُبْرِئُ باب افعال سے فعل مضارع صیغہ واحد متکلم۔ الْاَشْمَةُ سے مراد مادر زاد اندھا اور الْاَبْرَصُ سے مراد جسم پر سفید داغوں یا کوڑھ والا۔ دونوں اُبْرِئُ کے مفعول ہیں۔ جملے کا معنی ہے: اور میں مادر زاد اندھے اور کوڑھے کو ٹھیک کر دیتا ہوں۔

﴿ وَ اُحْيِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ اُحْيِ باب افعال (مادہ ح ی و) سے فعل مضارع صیغہ واحد متکلم، الْمَوْتٰی (میت کی جمع) اس کا مفعول، بِ حرف جر، اِذْنِ مجرور مضاف۔ لفظ اللہ مضاف الیہ مجرور۔ جملے کا معنی ہے کہ: اور اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتا ہوں۔

﴿ وَ اَنْبِئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدْخِرُوْنَ فِیْ بُيُوْتِكُمْ ﴾ میں اَنْبِئُ (باب تفعیل سے) فعل مضارع واحد متکلم۔ جب کہ تَاْكُلُوْنَ وَ تَدْخِرُوْنَ دونوں فعل مضارع جمع مذکر حاضر۔ جملے کا معنی ہے: اور جو تم کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو، اس کے بارے میں میں تمہیں خبر دیتا ہوں۔ یہاں اس بات کا خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جو بھی معجزہ دکھاتے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا تھا۔ اسی لیے بِاِذْنِ اللّٰهِ کا جملہ ساتھ ساتھ استعمال ہوا ہے۔

﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیةٌ لِّكُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴾ میں اِنَّ حرف مشبہ بفعل، فِی حرف جر، ذٰلِكَ اسم اشارہ، لَاٰیةٌ لِّكُمْ، اِنَّ کا اسم۔ اِنْ شرطیہ۔ کُنْتُمْ فعل ناقص (ماضی) جمع مذکر حاضر۔ مُّؤْمِنِیْنَ اس کی خبر۔ جملے کا معنی



ہے: بے شک اس میں تمہارے لیے نشانی ہے اگر تم مومن ہو۔

﴿وَمُصَلِّيًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْ مِنَ التَّوْبَةِ﴾ میں مُصَلِّيًا کا عطف رَسُوْلًا پر ہے۔ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور وہ اپنے سے پہلے (کی کتاب) تورات کی تصدیق کرنے والا ہوگا۔

﴿وَلَا حِلَّ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجَنِّتُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ﴾ ان دونوں جملوں کا عطف قَدْ جَنِّتُمْ پر ہے اس میں اِحْلَ پر لام کئی کا ہے جس کی وجہ سے اس کے آخر میں زبر آئی ہے۔ بَعْضُ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ پورا جملہ اس کا مفعول ہے۔ حُرِّمَ باب تفعیل (مادہ ح رم) سے فعل ماضی مجہول صیغہ واحد مذکر غائب ہے۔ دونوں جملوں کے معنی ہیں: اور (میری بعثت کا مقصد یہ ہے) کہ میں تمہارے لیے بعض وہ حلال کروں جو تم پر حرام کر دیا گیا اور تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لایا ہوں۔

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا﴾ میں اتَّقُوا اور أَطِيعُوا دونوں فعل امر حاضر۔ نِ تون دقا یہ ضمیر کی ی گری ہوئی ہے جملے کا معنی ہے: پس اللہ سے ڈر جاؤ اور میری اطاعت کرو۔

﴿إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ﴾ میں لفظ اللہ، اِنَّ کا اسم۔ رَبِّي وَرَبُّكُمْ اس کی خبر۔ فَاعْبُدُوهُ کی ضمیرہ لفظ اللہ کی طرف راجع ہے۔ اور اَعْبُدُوا فعل امر ہے۔ جملے کا معنی ہے: بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے پس اس کی عبادت کرو۔

﴿هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ﴾ میں هَذَا اسم اشارہ مبتدا اور صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ مرکب توصیفی اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: یہ سیدھی راہ ہے۔

۱۱

”جب عیسیٰ نے ان میں کفر محسوس کیا تو کہا اللہ کی طرف میرے کون مددگار ہوں گے۔ حواریوں نے کہا ہم اللہ کی طرف مددگار ہوں گے۔ ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیں کہ بے شک ہم فرماں بردار ہیں۔

اے ہمارے رب! جو تو نے نازل کیا اس پر ہم ایمان لائے اور رسول کی اتباع کی۔ پس ہمیں گواہوں میں لکھ لے۔ انھوں نے ایک تدبیر کی اور اللہ نے بھی ایک تدبیر کی اور

﴿فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ آمَنَّا بِاللَّهِ وَأَشْهَدُ بِأَنَّ مُسْلِمُونَ﴾

﴿رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ﴾ ﴿مَكْرُؤًا وَ مَكْرُؤًا وَاللَّهُ خَيْرٌ

الْمُكْرِبِينَ ﴿۳۴﴾

إِذْ قَالَ اللَّهُ يٰعِيسَى ابْنِي مَرْيَمَ اذْكُرْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَارْتَضِ بِمَا أَرْسَلْتُكَ مِنْ أَلَدَيْنِ وَكَفِّرُوا وَجَعَلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ثُمَّ إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَأَجْمَعُكُمْ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ

تَخْتَلِفُونَ ﴿۳۵﴾

فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأَعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ

نَصْرِينَ ﴿۳۶﴾

وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ

الظَّالِمِينَ ﴿۳۷﴾

ذَٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ

وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ﴿۳۸﴾

اللہ تعالیٰ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔

(وہ وقت یاد کرو) جب اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ! میں تجھ پر نیند مسلط کرنے والا اور تجھ کو اپنی طرف اٹھانے والا اور کفار سے تجھے پاک کرنے والا اور جن لوگوں نے تیری اتباع کی ان کو قیامت تک کفار پر غالب کرنے والا ہوں۔ پھر تمہارا میری طرف لوٹنا ہوگا اور میں تم میں اس کے بارے میں فیصلہ کروں گا جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔

پس وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا میں ان کو دنیا اور آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا کروں گا اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں وہ (یعنی اللہ) ان کو پورا اجر دے گا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

یہ وہ ہے کہ جو ہم آپ پر آیات اور قرآن حکیم پڑھ رہے ہیں۔

**تشریح:**

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ملنے والے معجزات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود بنو اسرائیل کے سرداروں اور دینی راہنماؤں نے ان کو قبول نہ کیا اور رومی گورنر سے ان کی شکایت کردی اور ان پر مختلف قسم کے الزام لگا دیے۔ عیسیٰ علیہ السلام ان کے ارادوں سے جب آگاہ ہو گئے تو اپنے قریب رہنے والوں سے سوال کر دیا کہ ان میں سے اللہ کے دین کی سر بلندی کے لیے مددگار کون ہوگا؟ ساتھیوں نے مدد و معاون بننے کا نہ صرف یقین دلایا بلکہ اپنے ایمان پر ان کو گواہ بھی بنا لیا۔ اپنے رب کی بارگاہ میں بھی اپنے ایمان لانے اور اس کے بھیجے ہوئے رسول کی اتباع کرنے اور اپنے آپ کو گواہی دینے والوں میں لکھنے کے بارے میں عرض کر دیا۔ اس کے برعکس مخالفت کرنے والے جب اپنی کوشش میں کامیاب ہو گئے اور ان کی خواہش کے مطابق ان کو پکڑ کر سولی چڑھانے کا پروگرام حتمی صورت اختیار کر گیا، تو اللہ تعالیٰ نے

اپنے نبی ﷺ کی تسلی کے لیے ان کو بشارت دی کہ تم پر ایسی نیند ڈالنے والا ہوں جس سے سونے اور مرنے والے میں کوئی فرق نہیں رہتا۔

تفسیر قرطبی (۱۰۰/۴) میں الدارقطنی کے حوالے سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا: ((أَفَى الْجَنَّةِ نَوْمٌ؟)) کیا جنت میں نیند آئے گی؟ آپ نے فرمایا: نہیں ((النَّوْمُ أَخُو الْمَوْتِ -)) نیند موت کا بھائی ہے۔

سورة الزمر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾ (۱۷)

”اللہ تعالیٰ ہی رحوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور ان کو بھی جو اپنی نیند میں مرتی نہیں۔ پس جن کے بارے میں موت کا فیصلہ ہو جاتا ہے ان کو روک لیتا اور جن کو مرنا نہیں ہوتا۔ ان کو ایک مدت مقرر تک چھوڑ دیتا ہے۔ غور کرنے والی قوم کے لیے بے شک ان آیات میں نشانیاں ہیں۔“

سورة الانعام میں مزید وضاحت ہوتی ہے۔

﴿وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَ يَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ (۶۰)

”وہی ہے جو رات میں تمہیں فوت کرتا ہے اور دن میں جو کرتے ہو اس کو جانتا ہے پھر اس میں تمہیں اٹھاتا ہے تاکہ زندگی کا مقرر کردہ وقت پورا ہو جائے۔ پھر اسی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے۔ تب تمہیں وہ بتائے گا کہ تم کیا کرتے تھے۔“

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے سورة الزمر کی تفسیر میں حقیقی موت کو وفات کبریٰ اور نیند والی موت کو وفات صغریٰ سے تعبیر کیا ہے۔ سورة آل عمران میں لفظ ﴿مُتَوَفِّكَ﴾ کے بارے میں مختلف اقوال بیان کرنے کے بعد انھوں نے نقل کیا ہے۔

المراد بِالْوَفَاةِ هَهُنَا النَّوْمُ۔

”یہاں وفات سے مراد نیند ہے۔“ مفسروں کی اکثریت کا یہی کہنا ہے۔

صحیح بخاری میں ص: ۹۳۳ میں حذیفہ رضی اللہ عنہ سے اور صحیح مسلم (۳۲۸/۲) میں حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو بستر پر لیٹتے تو اپنا ہاتھ مبارک گال کے نیچے رکھ کر دعا کرتے۔

(( اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوتُ وَ اَحْيٰى وَ اِذَا قَامَ ( وَ اِذَا اسْتَيْقَظَ ) قَالَ : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَحْيَاَنَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَ اِلَيْهِ النُّشُوْرُ ))

”اے اللہ! تیرے نام کے ساتھ مر رہا ہوں اور (تیرے نام پر ہی) زندہ ہو جاؤں گا۔ جب آپ بیدار ہوتے تو فرماتے سب تعریفیں اسی کے لیے ہیں جس نے مارنے کے بعد ہمیں زندہ کیا اور اسی کی طرف دوبارہ اٹھایا جاتا ہے۔“

قرآن و سنت کی اس وضاحت کے بعد کسی نے اگر دعویٰ کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام طبعی طور پر فوت ہو گئے یا اب بھی کوئی اس دعویٰ پر ایمان اور یقین رکھتا ہے تو قرآن و سنت کے مطابق اس کی سوچ و عمل نہیں ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا اس پر غور کیا جائے تو ہر قسم کا شک و شبہ دور ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بشارت دی کہ بے شک میں تجھے پورا پورا لینے والا اور اپنی طرف اٹھانے والا اور کفار کے الزامات سے پاک کرنے والا اور تیری اتباع کرنے والوں کو قیامت تک کفار پر غالب کرنے والا ہوں۔

اس آیت مبارکہ کی روشنی میں جائزہ لیا جائے تو حق واضح ہو جاتا ہے۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام کی طبعی موت کے تصور کو قبول کر لیا جائے تو ساری آیت میں دی گئی بشارتیں بے معنی ہو جاتی ہیں۔ جب وہ فوت ہو گئے تو پھر ان کو آسمان کی طرف اٹھانا یا دنیا میں عزت و رفعت سے نوازنا اور کفار کے الزامات سے ان کو پاک کرنا، اس سے ان کو کیا فائدہ ہو سکتا تھا۔ اس سلسلے کی آخری بشارت کہ قیامت تک تیرا اتباع کرنے والوں کو کفار پر غالب کرنے والا ہوں۔ کیا عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں انھوں نے اس کی کوئی جھلک دیکھی؟ قرآن حکیم میں دی گئی چار بشارتوں میں سے دو پوری ہو گئیں اور دو ان کے نزول کے بعد پوری ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے ہی سے فرمایا کہ ایک تدبیر عیسیٰ علیہ السلام کے مخالفوں نے کی اور ایک تدبیر اللہ نے کی اور اللہ تعالیٰ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس تدبیر کو سراہا اور اسے قرآن پاک کا حصہ بنایا، وہ کیا تھی؟ وہ یہی تھی کہ یہود نے رومی گورنر سے عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کے وارنٹ حاصل کرنے کے بعد جب اس جگہ کا محاصرہ کیا جہاں عیسیٰ علیہ السلام اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ موجود تھے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو نہ صرف گرفتاری سے بچایا بلکہ ان کو آسمان کی طرف اٹھالیا۔ سورۃ النساء میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ وَ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيسٰى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اَخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اِتِّبَاعَ الظَّنِّ وَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿١٥٧﴾ ﴾

”اور ان (یہود) کا کہنا کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا۔ حالانکہ نہ انھوں نے ان کو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ ان کو یعنی ایسا عقیدہ رکھنے والوں کو شبہ میں ڈال دیا گیا۔ بے شک وہ لوگ جنھوں نے اس میں اختلاف کیا وہ یقیناً اس بارے میں شک میں ہیں ان کو کوئی علم نہیں، وہ اپنے گمان کی اتباع کر رہے ہیں۔ انھوں نے یقینی طور پر ان کو قتل نہیں کیا۔“

﴿بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ (۱۰۸)

”بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ تعالیٰ غلبے اور حکمت والا ہے۔“

غلبے اور حکمت والے کی بات کو رد کر دینے سے بڑھ کر بھالت اور نافرمانی کیا ہو سکتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو زبردست عذاب کی وعید سنائی اور اہل ایمان اور نیک عمل کرنے والوں کو پورا پورا اجر دینے کا وعدہ کیا اللہ سے دعا ہے کہ بیکٹے والوں سے ہمیں محفوظ رکھے اور اہل ایمان سے جو وعدہ کیا اس کو پانے والوں میں ہمیں بھی شامل کر لے۔

### حل لغات:

﴿فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ﴾ میں لَمَّا پر فاء استحباب کی ہے اور لَمَّا بمعنی إِذْ وَ حِينَ (جب)۔ أَحَسَّ باب افعال سے فعل ماضی۔ لفظ عِيسَى اس کا قائل اور الْكُفْرُ اس کا مفعول ہے۔ قَالَ کا قائل عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَام ہیں۔ مَنْ استفہامیہ، أَنْصَارِي کی یا ضمیر متکلم اور أَنْصَار جمع ناصر کی۔ إِلَى حرف جر اور لفظ اللہ مجرور۔ جملے کا معنی ہے: جب عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَام نے ان میں کفر محسوس کیا۔ یہاں الْكُفْر سے مراد صرف نبی کا انکار ہی نہیں بلکہ اس کے قتل کا ارادہ بھی ہے۔ اسی لیے انھوں نے کہا کہ اللہ کی طرف یعنی اس کے دین کی خاطر ان کی مدد کون کریں گے؟

﴿قَالَ الْخَوَارِثُوْنَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ آمَنَّا بِاللَّهِ وَأَشْهَدُ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾ میں الْخَوَارِثُوْنَ، الْخَوَارِی کی جمع اور اس سے مراد دل و جان سے ساتھ دینے والے ہیں۔ لغوی طور پر الْخَوَارِثُ کے معنی سفیدی کے ہیں اور ساتھ دینے والے کا اخلاص جب ہر قسم کی ریاکاری اور آلاش سے پاک ہو جاتا ہے تو وہ حواری ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لِكُلِّ نَبِيٍّ خَوَارِثٌ وَخَوَارِثِي الرَّسُولِ)) ”ہر نبی کا کوئی حواری ہوا کرتا تھا اور میرا حواری زیر ہے۔“ جملے کا معنی ہے: حواریوں نے کہا ہم اللہ کے انصار ہیں۔ ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیں کہ ہم فرماں بردار ہیں۔

﴿رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ﴾ آمَنَّا وَ اتَّبَعْنَا دونوں فعل ماضی جمع

شکلم۔ اُتَّخِبَ فعل امر۔ نا ضمیر جمع شکلم کی۔ جملے کا معنی یہ ہے: اے ہمارے رب! تو نے جو نازل فرمایا، اس پر ہم ایمان لائے اور رسول کی اتباع کی۔ پس ہمیں گواہوں میں لکھ لے۔

﴿وَمَكْرُؤًا وَّمَكْرَ اللَّهِ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ﴾ میں مَكْرُؤًا واحد مذکر غائب۔ مَكْرُؤًا جمع مذکر غائب۔ اَلْمَاكِرُونَ (اسم فاعل) کی جمع ہے۔ لغوی طور پر مکر کے معنی ”کسی شخص کو حیلے سے اس کے مقصد سے پھیر دینا“ کے ہیں۔ اس سے کوئی اچھا فعل مقصود ہو تو ایسا مگر محمود ہوتا ہے ورنہ مذموم ہوگا۔ لیکن یہاں تدبیر کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی ایک تدبیر انھوں نے کی اور ایک تدبیر اللہ نے کی اور اللہ تعالیٰ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔

﴿إِذْ قَالَ اللَّهُ يٰعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَافِعْكَ إِلَىٰ وَطْنِكَ مِنَّا وَطَهِّرْكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلَ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ میں اِذْ ظرف ماضی۔ یٰعِيسَىٰ کا یا حرف ندا اور عِيسَىٰ منادی مُتَوَفِّيكَ، رَافِعْكَ کی کاف ضمیریں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہیں۔ مُتَوَفِّی، رَافِع، مُطَهِّر اور جَاعِل اسم فاعل کے صیغے ہیں۔ ان میں سے مُتَوَفِّی کا مادہ و ف ی ہے اور اس کا عمومی معنی پورا کرنا، پورا لینا اور دینا ہے۔ باب تفعیل سے جب یہ فعل لایا جائے تو اس سے مراد موت کا واقع ہونا اور نیند کا چھا جانا بھی ہوتا ہے۔ جیسے سورة الانعام میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ﴾ ”وہی ہے جو رات میں تمہیں سلاتا ہے۔“ جملے کا معنی ہے: جب اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ! میں تم پر نیند مسلط کرنے والا ہوں اور تجھ کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور کفار سے تمہیں پاک کرنے والا ہوں اور جنھوں نے تیری اتباع کی ان کو قیامت تک کفار پر غالب کرنے والا ہوں۔

﴿ثُمَّ اِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَاَعْلَمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ﴾ میں مَرْجِع مصدر میسی، کُنم ضمیر مخاطب کی۔ اَعْلَمُ فعل مضارع واحد شکلم۔ جملے کا معنی ہے: پھر تمہارا میری طرف لوٹنا ہوگا اور میں تمہارے درمیان اس کا فیصلہ کروں گا جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔

﴿فَاَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَاَعْلَبَهُمْ عَذَابُا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَّاصِرِينَ﴾ میں فَاَمَّا شرطیہ، الَّذِينَ اسم موصول، كَفَرُوا فعل ماضی، فَاَعْلَبَهُمْ سے آخر تک جواب شرط ہے۔ عَذَابًا شَدِيدًا مرکب توصیلی اَعْلَبَ کا مفعول مطلق۔ جملے کا معنی ہے: پس جو لوگ کفر کے مرتکب ہوں گے میں ان کو دنیا اور آخرت میں بڑے سخت عذاب میں مبتلا کروں گا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

﴿وَاَمَّا الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ اُجُورَهُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ﴾ میں فَيُوَفِّيهِمْ

أَجُورُهُمْ جَوَابِ شَرْطٍ هـ۔ يَوْفَى فِعْلُ مَضَارِعٍ ، هُمْ ضَمِيرُ نِيكَ عَمَلِ كَرْنِ وَالْأَيْلِ إِيْمَانِ كِي طَرَفِ رَاجِعِ هـ۔ أَجُورُهُمْ مَفْعُولٌ۔ لَا تَانِيَهُ يُحِبُّ فِعْلُ مَضَارِعٍ۔ الظَّالِمِينَ اس کا مَفْعُولُ۔ جَمْلے کا مَعْنٰی هے: اور جو لوگ اِيْمَان لائے اور انھوں نے نِيكَ عَمَلِ كِيے، پس اللہ تعالیٰ ان کو پورا اجر دے گا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

﴿ ذٰلِكَ نَقُودُهُ عَلٰیكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ﴾ میں نَقُودُوا فِعْلُ مَضَارِعِ جَمْعِ مُتَكَلِّمِ اور ضَمِيرِ كَا مَرَجِ عِيسٰی ؑ کا مذکورہ واقعہ هے۔ الذِّكْرِ الْحَكِيمِ سے مراد قرآن حکیم هے۔ جملے کا مَعْنٰی هے: یہ آیات اور قرآن حکیم هے جو ہم آپ پر پڑھ رہے ہیں۔

۱۲

”بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم کی طرح هے، ان کو اس نے مٹی سے تخلیق کیا، پھر ان سے کہا کہ ہو جا تو وہ (حضرت انسان) بن گئے۔

یہ حق آپ کے رب کی طرف سے هے۔ پس آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں۔

آپ کے پاس علم اُجھانے کے بعد بھی جو اس بارے میں آپ سے جھگڑا کرے تو کہہ دیں کہ آؤ! ہم اپنے بیٹوں کو اور تم اپنے بیٹوں کو، ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو، ہم اپنے آپ کو اور تم اپنے آپ کو بلاؤ (یعنی حاضر کرو) پھر بارگاہِ الہ میں التجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں۔

بے شک یہی بیان حق هے، اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی غلبہ والا اور حکمت والا هے۔

پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو خوب جانتا هے۔“

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٣٩﴾

الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٤٠﴾

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَذْغِ أَهْنَاءَنَا وَ أَهْنَاءَكُمْ وَ نِسَاءَنَا وَ نِسَاءَكُمْ ۚ أَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ۚ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لِدَلْعَتِ اللَّهِ عَلَى الْكٰذِبِينَ ﴿٤١﴾

إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٤٢﴾

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٤٣﴾



## تشریح:

سنہ ۹ ہجری میں اہل نجران کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مکہ کی طرف سے یمن جاتے ہوئے سات مراحل پر نجران کا علاقہ ۷۳ بستیوں پر مشتمل تھا۔ تیز رفتار سوار ایک دن میں پورے علاقے کا سفر کر سکتا تھا۔ مذہباً وہ لوگ عیسائی تھے۔ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد (۳/۴۳ تا ۴۹) میں نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو ایک خط بھیجا تھا جس میں آپ ﷺ نے ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی۔ انکار کی صورت میں آپ ﷺ نے ان پر جزیہ عائد کرنے کا لکھا تھا اور واضح کر دیا تھا کہ اگر اس کا بھی انکار ہوا تو پھر ان سے جنگ ہو گی۔ اس علاقے کے لوگوں نے مشاورت کے بعد ایک وفد آپ ﷺ کے پاس بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ ساٹھ افراد پر مشتمل ان کا وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جن میں سے ۱۴ اشراف اور ان میں سے تین ان کے بڑے سردار ”عاقب، سید اور ابو حارثہ“ تھے۔ ان کی امارت و حکومت ”عاقب“ کے پاس تھی۔ ثقافتی اور سیاسی امور کا نگران ”سید“ تھا اور ”ابو حارثہ“ ان کی دینی و روحانی تعلیم و تربیت کا ذمہ دار اور ان کا ”بشپ“ تھا۔ یعنی علاقے کا سب سے بڑا آدمی وہی تھا۔ عیسائیت میں چھوٹے پادری کو Deacon اور اس سے بڑے کو پریسٹ Priest اور جو ان پر نگران اور رتبے میں بڑا ہو اس کو بشپ Bishop کہا جاتا ہے۔ رومن کیتھولک میں پوپ کو منتخب کرنے والے ستر افراد میں سے جو ایک ہو، وہ کارڈینل / Cardinal کہلاتا ہے اور پوپ Pope ان کا دینی سربراہ ہوتا ہے۔ یوں وفد نجران میں ان کی سیاسی، دینی اور دنیوی قیادت شامل تھی۔

جب یہ وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ اس وقت عصر کی نماز پڑھا چکے تھے اور ان کی اپنی نماز کا بھی وقت ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ کی اجازت سے انھوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے مسجد نبوی میں اپنے طریقے سے نماز پڑھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے چند ایک نے جب ان کو روکنے کی کوشش کی تو آپ ﷺ نے ان کو منع کر دیا۔ جب وہ فارغ ہو گئے تو سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا۔

یہ بھی منقول ہے کہ جب وہ مدینہ طیبہ پہنچے تو انھوں نے اپنے سفری لباس اتار کر قیمتی ریشمی لباس پہنے۔ سونے کی انگوٹھیوں سے اپنے آپ کو مزین کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا بیان ہے کہ اس وفد سے بڑھ کر شان و شوکت والا انھوں نے کوئی اور نہ دیکھا۔ لیکن جب آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر انھوں نے سلام کیا تو آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ زمانہ جہالت میں ان کی واقفیت حضرت عثمان اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما سے تھی۔ وہ ان دونوں کے پاس آئے اور کہا کہ ہم نے سارا دن انتظار کیا لیکن آپ ﷺ نے ہم سے کوئی بات نہیں کی۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں مشورہ لیا گیا تو انھوں نے کہا: ”میرے خیال میں یہ لوگ سونے کی انگوٹھیاں اور ریشمی لباس اتار کر پھر سے سفری لباس

پہن لیں تو شاید گفتگو ہو جائے۔“ وفد نجران نے ان کی ہدایت کے مطابق عمل کرتے ہوئے جب حاضری دی تو گفتگو کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

یہ بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب ریشم اور سونا پہنے ہوئے آئے تو ان کے ساتھ شیطان تھا۔ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سوال کیا کہ ان کے بن باپ پیدا ہونے اور ان کو خدا کا بیٹا جو کہا جاتا ہے، اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

(( مَا عِنْدِي فِيهِ شَيْءٌ يَوْمِي هَذَا ، فَأَقِيمُوا حَتَّى أُخْبِرَكُمْ بِمَا يُقَالُ لِي فِي عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَام ))

”اس وقت تو اس سلسلے میں میرے پاس کوئی جواب نہیں۔ تم یہیں ٹھہرے رہو یہاں تک کہ جو مجھ سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا جائے گا۔ اس کی خبر میں تمہیں دوں گا۔“

جب وہ اگلے دن آپ ﷺ کے پاس آئے تو اللہ تعالیٰ نے سورة آل عمران کی تقریباً ۸۰ آیات نازل فرما دیں جن کے ذریعے وفد نجران پر واضح کر دیا گیا کہ تم عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ پیدا ہونے پر متعجب ہو، ذرا غور تو کرو کہ آدم علیہ السلام کا نہ باپ تھا اور نہ ماں۔ آدم علیہ السلام کو اللہ نے مٹی سے بنایا اور ان کی بیوی کو ان کے جسم سے نکالا، اس کے امر ”تکُنْ“ سے ہر کام اس کی مرضی کے مطابق ہو جاتا ہے اور وہ جو چاہے کرتا ہے، اپنی قدرت کاملہ کا مظاہرہ کرنے کے لیے اس نے ایسا کیا ہے۔

سورة مریم میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَ لَنَجْعَلَ آيَةً لِلنَّاسِ ﴾

”تا کہ لوگوں کے لیے اس کو نشانی بنائے۔“

جو کل کائنات کا خالق و مالک ہے، کیا وہ باپ کے بغیر بیٹا پیدا کرنے پر قادر نہیں؟ لیکن وفد نجران نے جب اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے حکم کے مطابق آپ نے ان کو مباہلے کی دعوت دے دی۔ بلکہ اگلے روز آپ ﷺ حضرت علی، حسن، حسین اور فاطمہ رضی اللہ عنہم کو لے کر مباہلے کے لیے تشریف لے آئے۔ وفد نجران نے جب آپ ﷺ کو مباہلے کے لیے یوں تیار پایا تو انھوں نے مہلت مانگی لی۔ ”عاقب“ اور ”سید“ نے آپس میں مشورہ کیا کہ اگر ہم نے ان سے مباہلہ کیا اور یہ نبی ہوئے تو روئے زمین پر ہمارا کوئی بال و ناخن نہیں رہے گا۔ یعنی ہماری مکمل تباہی ہو جائے گی۔ لہذا ان کا دین قبول کر لو۔ اگر نہیں کرنا چاہے

اور اپنے دین پر ہی قائم رہنے کا ارادہ ہے تو پھر ان سے صلح کر لو، یہ شخص ہمارے ساتھ زیادتی نہیں کرے گا۔ چنانچہ سرداروں نے اگلے روز آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ملاعنہ (مباہلہ) کرنے کی بجائے آپ ہمیں جو حکم دیں گے ہم اس کو تسلیم کر لیں گے۔ یعنی جزیہ دینا قبول کرتے ہیں اور آپ ہمارے ساتھ کسی امین کو بھیج دیں۔

آپ ﷺ نے اگلے دن ان کو معاہدہ لکھ کر دے دیا کہ ہر سال کپڑے کے دو ہزار جوڑے۔ جن میں سے ایک ہزار رجب میں اور ایک ہزار صفر میں دینے ہوں گے۔ ساتھ ایک اوقیہ چاندی بھی ہر جوڑے کے ساتھ خراج کے طور پر ادا کرنی ہوگی۔ یمن میں ضرورت کی صورت میں تیس زرہیں، تیس گھوڑے اور تیس اونٹ عاریۃ دینے ہوں گے۔ اگر عاریۃ لی ہوئی چیزوں میں سے کچھ ضائع ہو جائے تو اللہ کے رسول اس کے ضامن ہوں گے۔ ان کی سیاست و قیادت اور دین میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ ان کی جانوں، مالوں، زمینوں، حاضر و غیب کی حفاظت کی جائے گی۔ ان پر زمانہ جاہلیت والا کوئی ٹیکس عائد نہیں کیا جائے گا۔ کسی ظالم کے ظلم کی وجہ سے کسی بے گناہ کو پکڑا نہیں جائے گا۔ ہمارے عاتلوں کی مہمان نوازی تم پر فرض ہوگی۔ تاریخ الکامل، ج: ۲، ص: ۲۰۰ کی روایت کے مطابق:

((شَرَطَ عَلَيْهِمْ أَنْ لَا يَأْكُلُوا الرِّبَا، وَلَا يَتَعَاطَلُوا بِهِ))

”آپ نے ان پر شرط عائد فرمائی کہ وہ سود نہیں کھائیں گے اور نہ اس کے ذریعے معاملات طے کریں گے۔“

”زاد المعاد“ کے الفاظ ہیں:

”مَنْ أَكَلَ ذِي قَبْلِ قَدِمَتِي مِنْهُ بَرِيئَةٌ“

”اس عہد کو قبول کرنے والوں میں سے جس نے سود کھایا، اس کی حفاظت کے لیے میری کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی۔“

طبقات ابن سعد (۳۵۸/۱) کے مطابق جب عمر فاروق کے دور خلافت میں انھوں نے پھر سے سودی لین دین

شروع کر دیا۔

”فَأَخْرَجَهُمْ مِنْ أَرْضِهِمْ“

”تو انھوں نے ان کو ان کی زمین سے نکال دیا۔“

اس واقعے کے حوالے سے یہ بات بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ ”کہہ دیں ہم اپنی عورتوں

کو بلاتے ہیں اور تم اپنی عورتوں کو بلاؤ۔“ جب کہ عورتوں کی بجائے صرف ایک عورت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لے کر آپ تشریف لائے۔ حالاں کہ اس وقت آپ کی ازواج مطہرات بھی موجود تھیں۔

● پہلی بات: تو یہ ہے کہ وفد نجران میں کوئی عورت نہیں تھی۔ لہذا قرآنی حکم کے مطابق عمل کرنے کے لیے عورتوں کی نمائندگی ایک ہی عورت سے کر دی گئی۔

● دوسری بات: اس وقت رسول اللہ ﷺ کی تین بیٹیاں رقیہ، زینب اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا فوت ہو چکی تھیں۔ آپ ﷺ کے نواسوں میں سے صرف حسن اور حسین رضی اللہ عنہما ہی باحیات تھے۔

● تیسری بات: آپ نے اس مباہلہ کے معاملے کو دور تک پھیلانے کی بجائے ایک ہی چھوٹے سے خاندان میں محدود کر کے مقصد کو پالیا۔ بصیرت نبوی کا یہی تقاضا تھا۔

پھر آپ نے وفد نجران کی خواہش کے مطابق امت کے امین ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ بھیجا۔ صحیح بخاری ص: ۵۳۹ میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(( اِنَّ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَمِيْنًا وَاِنَّا اَمِيْنًا اَيْتُهَا الْاُمَّةُ ابو عبیدہ بن جراح ))

”ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے۔ اے امت! ہمارا امین ابو عبیدہ بن جراح ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ ملت اسلامیہ کے ہر عامل اور ذمہ دار کا امین شخص ہونا ضروری ہے۔

### حل لغات:

● ﴿اِنَّ مَثَلَ عِيسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ﴾ میں اِنَّ حرف مشبہ بالفعل، مَثَلَ عِيسٰی مرکب اضافی اور یہ اِنَّ کا اسم ہے۔ كَمَثَلِ اٰدَمَ مرکب جاری۔ یہ حرف مشبہ بالفعل کی خبر ہے۔ اٰدَمَ غیر منصرف ہے اسی لیے مضاف الیہ ہونے کے باوجود اس کے آخر میں زیر نہیں آئی۔ كَمَثَلِ کا کاف تشبیہ کا ہے۔ جملے کا معنی ہے: بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی مثل جیسی ہے۔

● ﴿خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ میں خَلَقَ فعل ماضی، ه ضمیر منصوب متصل حضرت آدم علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ مِنْ تُرَابٍ مجرور۔ ثُمَّ ایبا حرف عطف ہے جو معطوف اور معطوف علیہ میں ترتیب اور مہلت (یعنی وقفے) کا متقاضی ہوتا ہے۔ قَالَ کی ضمیر مشترک (هُوَ) کا مرجع اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے۔ لہٰذا کی ضمیر حضرت آدم علیہ السلام کے ذی روح ہونے سے پہلے بنائے گئے مٹی کے پتلے کی طرف لوٹ رہی ہے۔ كُنْ فعل امر جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فَيَكُوْنُ کی فاء جواب امر اور يَكُوْنُ فعل مضارع۔ جملے کا معنی ہے: اس (آدم) کو مٹی سے بنایا پھر اس کو حکم دیا کہ ہو جا پس وہ (مٹی سے بنا ہوا پتلا حقیقی انسان) ہو گیا۔

﴿ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ﴾ میں الْحَقُّ سے پہلے ہو ضمیر یا جملہ فعلیہ جَاءَ كَ محذوف ہے۔ یعنی قرآن میں بیان کردہ واقعہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے۔

﴿ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴾ میں فَلَا تَكُنْ امر نہی۔ الْمُمْتَرِينَ (باب افعال) اسم فاعل اس کا مادہ م ر ی ہے اور یہ موزونہ سے مشتق ہے اور اس سے مراد ایسے کام میں جھگڑا کرنا ہے جس کے تسلیم کرنے میں شک اور تردد ہو۔ جملے کا معنی ہے: پس آپ حق میں شک اور تردد کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں۔ یعنی آپ کے دل میں کسی قسم کا شک پیدا نہیں ہونا چاہیے۔

﴿ لَمَنْ خَافَ مِنْكَ لِئِنْ يَأْتِيَهُ الْفَتْحُ مِنْكَ لَيَبْغِيَنَّكَ مِنَ الْأَعْيُنِ مَا تَخِطُّ بِهِ الْوَسْوَاسُ الْخَافِئُونَ ﴾ میں خَافَ (باب مفاعله) اور جَاءَ (باب ضرب) دونوں فعل ماضی ہیں۔ اور كاف ضمیر متصل کے مخاطب رسول اللہ ﷺ ہیں: جملے کا معنی ہے: پس آپ کے پاس علم کے آجانے کے بعد بھی جو آپ سے جھگڑا کرے۔

﴿ قُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَكُمْ وَأَبْنَاءَكُمْ وَأَسْوَءَ نِسَاءِكُمْ وَالَّذِينَ نَسِيتُمْ وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ تَبْتَهِلُوا فَتَكْفُرُوا فَتَعَالَوْا تَكْفُرُوا عَلَى الْكَافِرِينَ ﴾ میں قُلْ اور تَعَالَوْا فعل امر نَدْعُ، تَبْتَهِلُوا اور تَكْفُرُوا فعل مضارع جمع متکلم کے معنی ہیں اور جواب امر ہونے کی وجہ سے ان کی اعرابی حالت جزئی ہے اور نَدْعُ کی واو حرف علت ہونے کی وجہ سے گری ہوئی ہے۔ جملے کا معنی ہے: پس کہہ دیں کہ آؤ! ہم اپنے بیٹوں کو اور تم اپنے بیٹوں کو، ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو، ہم اپنے آپ کو اور تم اپنے آپ کو بلا لو (یعنی حاضر کرلو) پھر ہم بارگاہ الہ میں التجا کرتے ہوئے جمعوں پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اس عمل کو مبالغہ کہا جاتا ہے۔

﴿ إِنَّ هَذَا لَهَوٌ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ وَإِنَّ اللَّهَ لَهَوُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾ میں إِنَّ حرف مشبہ بفعل، هَذَا اسم اشارہ ہو ضمیر مرفوع متصل اس پر لام تاکید کا۔ الْقَصَصُ قَصْ يَقْصُ (ن) سے مصدر۔ الْحَقُّ اس کی صفت سواۓ عاقلہ ما تافیہ۔ مِنْ حرف جر زائدہ برائے تاکید۔ إِلَهٍ مجرور۔ إِلَّا حرف استثناء۔ لفظ الله مستثنی الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ اللہ تعالیٰ کے بارے میں خبر ہے۔ جملے کا معنی یہ ہے: بے شک یہی بیان حق ہے اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی غلبہ والا حکمت والا ہے۔

﴿ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلَيْهِمُ الْمُسْهِدِينَ ﴾ میں فَإِنْ شرطیہ تَوَلَّوْا باب تفاعل سے فعل ماضی۔ إِنَّ حرف مشبہ بفعل، فاء جواب شرط۔ لفظ الله إِنَّ کلام اور عَلَيْهِم بِالْمُسْهِدِينَ اس کی خبر ہے۔ جملے کا معنی یہ ہے۔ پس اگر وہ پھر جائیں یعنی قبول نہ کریں تو بے شک اللہ تعالیٰ فساد یوں کو خوب جاننے والا ہے۔

”آپ کہہ دیں اے اہل کتاب! جو کلمہ (حق) تمہارے اور ہمارے درمیان برابر ہے اس کی طرف آؤ۔ کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور نہ بعض ہمارا بعض کو اللہ کے سوا رب بنائے۔ اگر وہ منہ پھیر لیں تو آپ کہہ دیں کہ گواہ ہو جاؤ بے شک ہم مسلمان ہیں۔

اے اہل کتاب! ابراہیم کے بارے میں جھگڑتے ہو جب کہ تورات اور انجیل ان کے بعد نازل کی گئیں۔ تم عقل کیوں نہیں کرتے۔

تم وہی ہو جنہوں نے اس میں جھگڑا کیا جس کا تمہیں علم تھا پھر تم اس میں جھگڑا کیوں کرتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اور ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی۔ بلکہ وہ ایک طرف رہنے والے مسلمان تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔

بے شک ابراہیم کے سب سے زیادہ نزدیک وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی اتباع کی اور یہ نبی اور وہ لوگ جو ایمان لائے، اور اللہ تعالیٰ مومنوں کا دوست ہے۔“

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنِنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نَشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوْا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَاجُّوْنَ فِىْ اِبْرٰهِيْمَ وَمَا اَنْزَلَتْ التَّوْرَةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْ بَعْدِهِ ۚ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾

هَآنَتُمْ هٰؤُلَاءِ حَاجَجْتُمْ فِىْمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّوْنَ فِىْمَالَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُودِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾

اِنَّ اَوَّلٰى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لِلدِّيْنِ الْبُغْوَةُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۗ وَاللّٰهُ وَلِىُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾

تشریح:

صحیح بخاری ص: ۵۵ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے روم کے بادشاہ ہرقل کو خط بھیجا جس میں لکھا کہ یہ خط اللہ کے بندے اور ان کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے روم کے بادشاہ

ہر قل کے نام ہے۔ سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کا منبع ہو۔ اما بعد، مسلمان ہو جاؤ، سلامت رہو گے۔ اسلام قبول کرو گے تو دو ہزار اجر ملے گا۔ اگر انکار کرو گے تو کسانوں وغیرہ یعنی رعایا کے گناہ کا بوجھ بھی تجھ پر ہوگا۔ پھر آپ نے سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۶۴ لکھ دی جس میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے، شرک سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے اور اپنے بعض کو رب بنانے سے منع کیا گیا ہے۔

ان آیات میں دعوت کے ٹھکرائے جانے کی صورت میں ٹھکرانے والوں کو اپنے مسلمان ہونے پر گواہ بنانے کی تعلیم دی گئی ہے۔ آپ نے اپنے خط میں اس آیت کا ذکر اس لیے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ کے علماء و مشائخ نے اپنے نبیوں اور رسولوں کی تعلیم کو مسخ کر کے اپنے مفادات کے حصول کی خاطر گمراہی پھیلا رکھی تھی۔ عوام الناس انہی کی بتائی ہوئی باتوں کے مطابق عمل کرتے تھے۔

سورة التوبة میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ (۳۰)﴾

”انھوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ کے سوا رب بنا لیا اور مسیح بن مریم کو بھی۔ حالانکہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ ایک معبود کی عبادت کریں۔ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اس سے پاک ہے کہ جو شرک وہ کرتے ہیں۔“

جامع ترمذی (۱۵۸/۲) میں عدی بن حاتم سے مروی ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے گلے میں سونے کی صلیب تھی۔ آپ نے فرمایا: ”عدی! اس بت کو اتار پھینکو“ میں نے سنا کہ آپ سورہ توبہ والی آیت تلاوت فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ”آگاہ ہو جاؤ! وہ اپنے احبار و رہبان کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ بلکہ وہ ان کے لیے جب کوئی شے حلال کرتے تو وہ اس کو حلال سمجھ لیتے اور جب کوئی چیز حرام کرتے تو اس کو حرام کر لیتے۔“

اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن غریب کہنے کے ساتھ اس کے ایک راوی عطفیف بن اعین کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ معروف نہیں۔ لیکن امام ابن جریر رحمہ اللہ نے سورہ التوبہ کی اس آیت مبارک کی تفسیر میں حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مختلف طرق سے نقل کیا ہے کہ وہ اپنے احبار و رہبان کی عبادت نہیں کرتے تھے، نہ ان کے لیے روزے رکھتے اور نہ ان کے لیے نمازیں پڑھتے۔ بلکہ اللہ کی حلال کردہ شے کو وہ جب حرام قرار دے دیتے تو اس کو حرام مان لیتے اور جب حرام کردہ کو حلال کر دیتے تو اس کو حلال سمجھ لیتے۔ ایسا کرنا ہی ان کا اپنے احبار و



رہبان کو رب بنانا تھا۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے ترمذی والی روایت کو یوں نقل کیا ہے کہ آپ نے عدی سے کہا کہ صلیب کو پھینک دو۔ تو انھوں نے پھینک دی۔ لیکن جب ﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ﴾ والی آیت سنی تو انھوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا کہ ”جب وہ تمہارے لیے اللہ کی حرام کردہ چیز کو حلال کر دیتے ہیں تو کیا تم اس کو حلال نہیں سمجھ لیتے۔ اور اسی طرح جب اللہ کی حلال کردہ اشیاء کو حرام کر دیتے ہیں تو تم انھیں حرام نہیں مان لیتے۔؟“ عدی نے عرض کیا ایسا تو ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ((فَإِنَّكَ عِبَادَتُهُمْ)) پس یہی ان کی عبادت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی واضح ہدایت ہوتے ہوئے ان کی بجائے غیر اللہ کی اطاعت کی جائے گی یا طاغوت کی اتباع کرتے ہوئے معصیت الہی کو اپنایا جائے گا تو وہ یہود و نصاریٰ والی بات ہی ہوگی۔ سورۃ النحل میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ﴾ (۳۶)

”اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (اس پیغام کے ساتھ) کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچ جاؤ۔ پس ان میں وہ بھی تھا جسے اللہ نے ہدایت سے نواز دیا اور ان میں وہ بھی تھا جس پر گمراہی حق ہو گئی۔ پس زمین میں چلو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا؟“

یہود و نصاریٰ کی ایک گمراہی یہ تھی کہ انھوں نے اپنے اخبار و رہبان کو رب بنا لیا۔ خود دین کو سمجھنے اور سمجھ کر اس کے مطابق عمل کرنے کی بجائے اپنے علماء اور سرداروں کی اندھی اطاعت کرنی شروع کر دی۔ دوسری گمراہی ان کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اپنا اپنا دعویٰ تھا کہ ابراہیم علیہ السلام ان میں سے تھے۔ دونوں نے ذرا سی عقل استعمال کرنے کی کوشش نہ کی۔ یہ بھی اللہ کا قانون ہے کہ جو حق کو ٹھکرانا ہے وہ ہدایت سے محروم ہی رہتا ہے اور اس کی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ دونوں نے یہ نہ سوچا کہ ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا فرق تھا۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان بھی اتنا ہی فرق تھا۔ چوں کہ دونوں اپنے اپنے نبیوں کو ملنے والی کتابوں کو مانتے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان ہی کے حوالے سے ارشاد فرمایا۔ اے اہل کتاب! ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں جھگڑا کیوں کرتے ہو۔ کیوں کہ انجیل اور تورات کا نزول تو ان

کے بہت بعد ہوا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وفد نجران کے پاس یہودی علماء آئے اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہی دونوں میں جھگڑا شروع ہو گیا۔ دونوں فریق اس بات کے مدعی تھے کہ ابراہیم علیہ السلام ان میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان خود ہی فیصلہ کر دیا اور اس کو قرآن حکیم کا حصہ بنا دیا کہ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ ایک طرفہ خالص مسلمان تھے اور وہ مشرک بھی نہیں تھے، جب کہ یہود و نصاریٰ دونوں نے ان کی اتباع نہ کی۔ اللہ کی بندگی و عبادت کرنے میں جو نمونہ انھوں نے قائم کیا، اس کے مطابق دونوں نے عمل نہ کیا۔ ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں سورة النحل میں اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا ۖ وَلَمْ يَكُنْ مِنَ الْمُنْشَرِكِينَ ۚ﴾ (۱۱۰)

”بے شک ابراہیم ایک امت تھے اللہ کی فرماں برداری کرنے والے نیکو اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔“

اللہ تعالیٰ نے اکیلے ابراہیم علیہ السلام کے لیے ”امت“ کا لفظ استعمال کیا۔ یعنی جو کام پوری امت کے لیے مشکل تھا، ابراہیم علیہ السلام اکیلے نے وہ کر دیا۔ دنیا کی کوئی قوت و طاقت ان کو ان کے رب حقیقی سے دور نہ کر سکی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا خلیل بنالیا۔

سورة النساء میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ۝﴾

”دین کے اعتبار سے اس شخص سے زیادہ اچھا کون ہو سکتا ہے جس نے اپنے چہرے کو اللہ کے لیے جھکا دیا اس حال میں کہ وہ نیکی کرنے والا ہو اور اس نے ابراہیم علیہ السلام کی طرفہ رہنے والے کی اتباع کی ہو اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنالیا۔“

یہود و نصاریٰ دونوں پر واضح کر دیا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے زیادہ نزدیک وہی لوگ ہیں جنھوں نے ان کی اتباع کی اور یہ نبی یعنی محمد رسول اللہ ﷺ اور جو ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ سورة الانعام میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے اعلان کرایا۔

﴿قُلْ إِنِّي هَدَانِي رَبِّي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ دِينًا قِيمًا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْشَرِكِينَ﴾ (۱۱۱)

”آپ کہہ دیں بے شک میرے رب نے صراطِ مستقیم کی طرف میری رہنمائی فرمائی جو مضبوط دین یک طرفہ رہنے والے ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔“

عجیب بات یہ ہے کہ اسلام کی آمد سے پہلے اہل مکہ بھی شرک میں غرق ہونے کے باوجود اپنے آپ کو ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کرنے والے سمجھتے تھے۔ لیکن جب ابراہیم علیہ السلام کی حقیقی تعلیم سے ان کو متعارف کرایا گیا تو ابتداء میں انھوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ چند برس بعد وہ تو راہِ راست پر آگئے لیکن یہود و نصاریٰ آج بھی اپنے اپنے عقیدہ پر ڈٹے ہوئے ہیں اور مل کر اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے کوشاں ہیں۔ اہل اسلام کو اللہ تعالیٰ ان کے شر سے محفوظ رکھے اور مسلمانوں کو حقیقی مسلمان بنادے۔

### حل لغات:

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ میں قُلْ اور تَعَالَوْا فعل امر ہیں۔ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ کے شروع میں ”یا“ حرفِ نداء۔ أَهْلُ منادئ مضاف اور جب منادی مضاف ہو تو اس کی اعرابی حالت نصی ہوتی ہے۔ الْكِتَابِ مضاف الیہ مجرور۔ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ مرکب توصیفی، اپنے ماقبل حرفِ جرِ والی کی وجہ سے مجرور ہے۔ جملے کا معنی ہے: آپ کہہ دیں کہ اے اہل کتاب! اس (عدل و انصاف والے) کلمہ کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں برابر ہے۔

﴿أَلَا نَعْبُدُ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا﴾ میں الْأَصْل میں أَنَّ لَا ہے یعنی اَنْ ناصبہ اور لَا نافیہ ہے۔ نَعْبُدُ فعل مضارع، اس کے آخر میں زبر اَنْ کی وجہ سے آئی ہے۔ إِلَّا حرفِ استثناء اور لفظ اللہ مستثنیٰ، وَلَا نُشْرِكَ کا عطف بھی نَعْبُدُ پر ہے۔ جملے کا معنی ہے: یہ کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔

﴿وَلَا يَتَّخِذْ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ میں لَا نافیہ، يَتَّخِذُ فعل مضارع بھی الای کی وجہ سے منصوب ہے۔ بَعْضُنَا اس کا فاعل، بَعْضُ مفعول۔ أَرْبَابًا رَبِّ کی جمع اور حال ہونے کی وجہ سے منصوب۔ جملے کا معنی ہے: اور نہ بعض ہمارا ہمارے بعض کو اللہ کے سوا رب بنائے۔

﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾ میں اِنْ شرطیہ تَوَلَّوْا (مادہ ول ی) فعل ماضی۔ قُولُوا اور اِشْهَدُوا دونوں فعل امر۔ قُولُوا پر ف جواب شرط کی۔ جملے کا معنی ہے: پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو کہہ دیں گواہ ہو جاؤ۔ بے شک ہم مسلمان ہیں۔

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِيْٓ اٰیٰتِہِمْ﴾ میں لِمَ کی اصل لِمَا ہے یعنی لام حرفِ جر اور مَا استفہامیہ۔

استفہام اور خبر میں فرق کرنے کے لیے الف کو حذف کر دیا گیا ہے۔ تُحَاجُّونَ باب مفاعلہ (مادہ ج ج ج) سے فعل مضارع۔ جملے کا معنی ہے: اے الہی کتاب! تم ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں جھگڑا کیوں کرتے ہو۔

﴿وَمَا أَنزَلْنَا التَّوْرَةَ إِلَّا مِّنْ بَعْدِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ میں مَا نَافِیہ۔ اَنزَلْتُ فعل ماضی مجہول سے واحد مؤنث غائب۔ التَّوْرَةُ۔ اَنزَلْتُ اس کے نائب فاعل۔ جملے کا معنی ہے: نہیں نازل کی گئی تورات اور انجیل مگر ان کے بعد۔ پس تم عقل کیوں نہیں کرتے۔

﴿هَآئِنْتُمْ هَآؤَآءِ حَآجَجْتُمْ فِیْمَا لَکُمْ بِهِ عِلْمٌ﴾ میں هَآئِنْتُمْ اصل میں اَلْتَمْتُمْ تھا یعنی ہمزہ حا سے بدلا گیا ہے کیونکہ دونوں ہم غرض ہیں۔ ہا حبیہ کا بھی ہو سکتا ہے۔ هَآؤَآءِ۔ هَآؤَآءِ اور هَآؤَآءِ کی جمع ہے لیکن یہاں ندا کے طور پر یعنی یَا هَآؤَآءِ واقع ہوا ہے۔ حَآجَجْتُمْ فعل ماضی۔ جملے کا معنی ہے: سنو! تم نے اس میں جھگڑا کیا جس کا تمہیں علم تھا۔ جب کہ اس کا استفہامی ترجمہ یہ ہوگا: کیا تم وہی نہیں جنہوں نے اس میں جھگڑا کیا جس کا تمہیں علم تھا۔

﴿فَلَمَّ تُحَاجُّونَ فِیْمَا لَیْسَ لَکُمْ بِهِ عِلْمٌ﴾ میں لَیْسَ فعل ناقص جو نفی مضمون جملہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جملے کا معنی ہے: پھر تم اس بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔

﴿وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ یَعْلَمُ فعل مضارع واحد مذکر غائب اور تَعْلَمُونَ جمع مذکر حاضر۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

﴿مَا كَانَ اِبْرٰهٖمُ یَہُودِیًّا وَلَا نَصْرَانِیًّا وَلَکِنْ كَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ﴾ مَا نَافِیہ فعل ناقص۔ اِبْرٰهٖمُ اس کا اسم۔ یَہُودِیًّا وَلَا نَصْرَانِیًّا۔ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا۔ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ كَانَ کی خبریں ہیں۔ جملے کا معنی ہے: ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی۔ بلکہ یکطرفہ رہنے والے مسلمان تھے اور نہ وہ مشرکوں میں سے تھے۔

﴿اِنَّ اَوَّلٰی النَّاسِ بِاِبْرٰهٖمَ لِلدِّیْنِ الْبَغْوَةُ وَ هَآذَا النَّبِیُّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ میں اِنَّ حرف مشبہ بالفعل جو مضمون جملہ کی تحقیق کے لیے لایا جاتا ہے۔ یہ اپنے اسم کو نصب اور خبر کو رفع دیتا ہے۔ اَوَّلٰی النَّاسِ مرکب اضافی۔ اَوَّلٰی فعل تفضیل۔ الَّذِیْنَ موصولہ پر لام تاکید کا۔ اَتَّبَعُوا باب افتعال سے فعل ماضی۔ ضمیر (منسوب متصل) ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ هَآذَا اسم اشارہ۔ النَّبِیُّ مشار الیه۔ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ بھی مرکب اضافی۔ جملے کا معنی ہے: بے شک ابراہیم علیہ السلام کے سب سے زیادہ نزدیک وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی اتباع کی اور یہ نبی اور جو ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ مومنوں کا ولی ہے۔

۱۴

وَذَتْ طَائِفَةً مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ  
يُضِلُّوكُمْ ۖ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَ  
مَا يَشْعُرُونَ ﴿۶۹﴾

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَ  
أَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ﴿۷۰﴾

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ  
وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۷۱﴾

وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا  
بِالَّذِي أُنْزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجَهَ النَّهَارِ

وَ اكْفُرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۷۲﴾

وَلَا تَوْمِنُوا إِلَّا لِمَنْ تَبَعَ دِينَكُمْ ۚ قُلْ إِنَّ  
الْهُدَىٰ هُدَىٰ اللَّهِ لَا أَنْ يُؤْتَىٰ أَحَدٌ مِّثْلَ

مَا أُوتِيْتُمْ أَوْ يُحَاجُّوكُمْ عَنْدَ رَبِّكُمْ ۚ قُلْ  
إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ  
وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۷۳﴾

يَخْصُصُ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ  
ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۷۴﴾

”اہل کتاب میں سے ایک گروہ کی چاہت ہے کہ وہ  
تمہیں گمراہ کر دیں۔ حالانکہ وہ اپنے آپ کو ہی گمراہ کر  
رہے ہیں اور وہ سمجھتے نہیں۔

اے اہل کتاب! تم اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیوں کر  
رہے ہو حالانکہ ان کے حق ہونے پر تم گواہ ہو۔

اے اہل کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کیوں کر  
رہے ہو اور حق کو چھپا رہے ہو حالانکہ تم جانتے ہو۔

اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا کہ جو اہل ایمان  
پر نازل کیا گیا ہے اس پر دن کے آغاز میں ایمان لے آؤ

اور دن کے آخر میں انکار کر دو۔ شاید وہ مرتد ہو جائیں۔

اور مت یقین کرو مگر اُس کا جو تمہارے دین کی اتباع  
کرے۔ تم کہہ دو بے شک اصل ہدایت اللہ تعالیٰ کی

ہدایت ہے۔ (اس بات کو بھی تسلیم نہ کرنا) کہ کسی ایک کو  
وہ دیا گیا ہے جو تمہیں دیا گیا ہے اور یہ کہ وہ تمہارے رب

کے پاس تم سے جھگڑا کریں گے، آپ کہہ دیں کہ بے  
شک اللہ کے ہاتھ میں فضل ہے جس کو چاہتا ہے اس سے

نواز دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت و علم والا ہے۔  
”جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کر دیتا ہے اور اللہ  
تعالیٰ فضل عظیم والا ہے۔

تشریح:

جیسے ہی مدینہ طیبہ میں اسلامی ریاست قائم ہوئی، ویسے ہی اہل کتاب نے اس کو غیر مستحکم کرنے اور اہل اسلام کو

دین حق سے دور کرنے کی سازشوں کا آغاز کر دیا۔ سورة التوبة میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ (۲۴)﴾

”اے ایمان والو! بے شک بہت سے علماء اور مشائخ لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔“

اسی سورت میں یہ بھی ارشاد ہوا:

﴿يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (۳۱)﴾

”اہل کتاب کا ارادہ ہے کہ اللہ کے نور کو پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ تعالیٰ اپنے نور کو مکمل کیے بغیر نہیں رہے گا، اگرچہ یہ بات کافروں کو ناپسند ہو۔“

آغاز ہی میں اہل کتاب اور مشرکوں کو آگاہ کر دیا گیا کہ سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کو جس دین حق کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے، اس دین نے تمام ادیان پر غالب آ جانا ہے اور قیامت تک اس نے قائم رہنا ہے۔ لیکن یہود اپنی خصلت کے مطابق حق کو ٹھکرانے میں ڈٹ گئے اور مختلف منصوبوں کے تحت اسلام اور اہل اسلام کو نقصان پہنچانے کے درپے ہو گئے۔ سورة البقرہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ان کی دلی چاہت کے بارے میں یوں خبر دی:

﴿وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ (۱۰۹)﴾

”اہل کتاب میں سے بہت سے لوگوں کی خواہش ہے کہ تمہارے ایمان لانے کے بعد اپنے دلوں میں حسد کی وجہ سے پھر سے تمہیں کفر کی طرف لوٹا دیں اس کے بعد کہ ان پر حق واضح ہو چکا ہے۔“

اس آیت مبارکہ سے عیاں ہوتا ہے کہ اہل کتاب دین حق اور ہادی برحق دونوں سے آگاہ تھے۔ ان کی کتابوں میں آخری نبی ﷺ کی بعثت کی بشارت موجود تھی جس کے وہ منتظر تھے۔ لیکن جب نبوت و رسالت اپنی اُمید کے خلاف انھوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں منتقل ہوتی دیکھی تو اس کے منکر ہو گئے اور سازشوں کا جال پھیلا دیا۔ سورة الانعام میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْكِتَابَ يَعْرفُونَ كَمَا يَعْرفُونَ آبَاءَهُمْ ط الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (۲۰)﴾

”جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی، وہ اس (مبعوث ہونے والے رسول) کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ جن لوگوں نے اپنے آپ کو نقصان دیا پس وہ ایمان نہیں لائیں گے۔“

لہذا اہل کتاب نے پروگرام بنایا کہ اہل ایمان کو کسی نہ کسی طرح ان کے دین سے برگشتہ کر دیں۔ اس سلسلے میں ان کی ایک جماعت نے یہ طے کیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر جو نازل ہوتا ہے، اس پر اوّل النہار (صبح سویرے) ایمان لایا جائے اور مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھی جائے اور شام ہوتے ہی نازل ہونے والی آیات کا انکار کر دیا جائے۔ عام سادہ مسلمانوں سے کہا جائے کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد انھوں نے اپنے احبار و رہبان سے مشورہ کیا تو انھوں نے نئے دین کی تائید نہیں کی۔ چونکہ وہ اہل علم ہیں، اس لیے ہم نے ان کی بات مانتے ہوئے اسلام کو ترک دیا ہے ان کا خیال تھا کہ ایسا کرنے سے شاید مسلمانوں کے دلوں میں ان کے اپنے دین کے بارے میں شکوک پیدا ہوں اور وہ بھی مرتد ہو جائیں۔ دوسری سازش اس سے بھی زیادہ خطرناک تھی کہ یہودی اور نصرانی عقائد کو اسلام میں داخل کر کے دین حق کو مسخ کیا جائے اور ممکنہ حد تک حق اور سچی بات کو ظاہر نہ ہونے دیا جائے۔ سورة البقرہ میں بنو اسرائیل سے خطاب ہوتا ہے:

﴿وَأٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْا اَوَّلَ كٰفِرٍ بِهٖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمٰنًا قَلِيْلًا وَاٰیٰتِیْ فَاتَّقُوْنَ (۱۱)﴾

اور تم ایمان لاؤ اُس (قرآن) پر جو میں نے اتارا۔ وہ اُس (توراة) کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس ہے اور سب سے پہلے تم ہی اس کا انکار کرنے والے نہ بن جاؤ اور نہ میری آیات کے بدلے تھوڑی سی قیمت لو، اور مجھ سے ڈر جاؤ۔“

﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (۱۲)﴾

”اور حق کو باطل میں خلط ملط نہ کرو اور نہ حق کو تم چھپاؤ اس حال میں کہ تم جانتے ہو۔“

یعنی جان بوجھ کر حق کو ظاہر کیوں نہیں ہونے دیتے۔ سورة آل عمران کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہود سے سوال کیا کہ تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟ پھر اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس کا جواب دے دیا کہ اہل کتاب کی ایک جماعت کی چاہت ہے کہ اہل ایمان کو گمراہی پر لگا دیں۔ حالانکہ ان کی ایسی چاہت ہی سراسر گمراہی ہے اور اس گمراہی کی انتہاء تو یہ ہے کہ یہ بات اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔

ان کی گمراہی کا بدترین پہلو یہ بھی تھا کہ آپس میں کہتے کہ تم اسی پر ایمان لاؤ اور اسی کی بات پر یقین کرو کہ جو تمہارے دین کا ماننے والا ہو اور نہ یہ مانو کہ کسی اور کو وہ کچھ دیا گیا ہے جو تمہیں دیا گیا ہے اور جن کی دعوت حق تم ٹھکرا



رہے ہو، ان کا تہارے رب کے سامنے کوئی جھگڑا ہوگا۔

سورة الزمر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ﴾ (۳۰)

”بے شک آپ بھی فوت ہونے والے ہیں اور وہ بھی مرنے والے ہیں۔“

﴿ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ﴾ (۳۱)

”پھر تم قیامت کے روز اپنے رب کے پاس جھگڑا کرو گے۔“

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہود کو علم تھا کہ قیامت کے روز اہل حق اور اہل باطل کا معاملہ بھی اللہ کی عدالت میں پیش ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے پاس جھگڑنے کا ذکر قرآن حکیم میں فرمایا تو اہل کتاب نے اس کو بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا اور جب انھوں نے اپنے دین کو حق و ہدایت کا معیار بنایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بتا دیا کہ اصل معیار تو اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے۔ لیکن یہودی و نصرانی، احبار و رہبان اپنے ہی مسخ شدہ دین کو نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ سورة البقرہ میں ان کے باطل عقیدے کی حقیقت اللہ تعالیٰ نے خود ہی بیان فرمائی۔

﴿قَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْحَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ

إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ (۱۱۱)

”انھوں نے کہا کہ جنت میں صرف وہی داخل ہوگا جو یہودی یا نصرانی ہوگا۔ یہ ان کی اپنی تمنائیں

ہیں۔ آپ کہہ دیں اگر تم سچے ہو تو اس پر واضح دلیل لاؤ۔“

اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو یہود و نصاریٰ کے بارے میں قرآن حکیم کے نزول کے ساتھ ہی متنبہ کر دیا۔ سورة

البقرہ ہی کے الفاظ ہیں۔

﴿وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنْ هَدَىٰ اللَّهُ هُوَ الْهُدَىٰ وَ

لَئِنْ أَتَبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ﴾ (۱۲۰)

”تم سے یہود و نصاریٰ ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک تم ان کے دین کی اتباع نہ کرو۔ کہہ دیں کہ

اصل ہدایت اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے۔ علم آجانے کے بعد اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو

اللہ کی طرف سے آپ کا کوئی حمایتی اور مددگار نہیں ہوگا۔“

رہی بات کہ یہود کو ان کے نبیوں کے زمانے میں جو کچھ دیا گیا تو وہ اللہ ہی کا فضل تھا۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کو

جو کچھ ملا وہ بھی وسعت و علم والے کا فضل و کرم تھا۔ ان کے بعد سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کو جن نعمتوں سے نوازا

گیا اور جو عزت و عظمت آپ کو ملی، جس طرح شیخ توحید سے سارا عرب جگمگا اٹھا، گمراہی کے اندھیرے اجالوں میں تبدیل ہو گئے، تمام ادیان پر دین حق غالب آ گیا، یہ بھی فضل عظیم والے ہی کا فضل تھا۔ اس کا قانون ہے کہ جس کو چاہتا ہے، جیسے چاہتا ہے، جہاں اور جتنا چاہتا ہے۔ اپنے فضل و رحمت سے مالا مال کر دیتا ہے۔

یہود و نصاریٰ نے جس پروگرام کی ابتداء محمد رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں کی وہ بری طرح ناکام ہوا۔ مخالفت کرنے والے یا تو زیر ہو گئے یا نیست و نابود ہو گئے۔ جن پر اللہ مہربان ہوا وہ مسلمانوں کے دینی بھائی بن گئے۔ لیکن آج وہی پروگرام اپنے عروج پر پہنچا ہوا ہے، اس سے بچاؤ کی صورت صرف وہی ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفاء راشدین نے اختیار کی۔ یعنی ایمانی قوت سے ان کے عزائم کو خاک میں ملا دیا۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ویسی ہی ایمانی قوت ہمیں عطا فرمائے۔

### حل لغات:

﴿وَدَّثَ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضِلُّوكُمْ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ﴾ میں وَدَّثَ باب سَمِعَ سے فعل ماضی واحد مؤنث غائب۔ طَائِفَةٌ اس کا فاعل۔ مِّنْ جمعیہ اگر اہل کتاب میں سے بعض کا ذکر مقصود ہو، اور اگر تمام کو شامل کرنا ہو تو پھر بیان یہ ہوگا۔ لَوْ حرف تمنّٰی۔ يُضِلُّونَ فعل مضارع ای يُهْلِكُونَ اور تُكْمِلُ ضمیر مخاطب کی۔ وَاوْ حَالِیہ۔ مَنَافِیہ۔ اِلَّا حرف استثناء۔ أَنْفُسَهُمْ مستثنیٰ۔ يَشْعُرُونَ بھی فعل مضارع۔ جملے کا معنی ہے: اہل کتاب میں سے ایک گروہ پسند کرتا ہے کہ تمہیں وہ گمراہ کر دیں یعنی دین سے ہٹا کر ہلاک کر دیں۔ حالانکہ وہ اپنے آپ ہی کو ہلاک کریں گے، اس حال میں کہ وہ جانتے نہیں ہوں گے۔

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَ أَنْتُمْ تَشْهَدُونَ﴾ میں تَكْفُرُونَ و تَشْهَدُونَ دونوں فعل مضارع جمع مذکر حاضر۔ بِآيَاتِ اللَّهِ مرکب اضافی با حرف جر کی وجہ سے مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اے اہل کتاب! تم اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیوں کرتے ہو۔ حالانکہ تم گواہ ہو یعنی ان کے حق ہونے کو جانتے ہو۔

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْفُمُونَ الْحَقَّ وَ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ میں تَلْبِسُونَ و تَكْفُمُونَ اور تَعْلَمُونَ تینوں فعل مضارع۔ پہلے حق سے مراد دین اسلام اور دوسرے سے مراد محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت و نبوت ہے۔ جملے کا معنی ہے: اے اہل کتاب! حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کیوں کرتے ہو اور تم حق کو جان بوجھ کر چھپاتے ہو۔

﴿وَ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنْزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَ جِهَ النَّهَارِ وَ أَكْفُرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ میں آمِنُوا اور أَكْفُرُوا دونوں فعل امر۔ أُنْزِلَ فعل ماضی مجہول اور آمِنُوا فعل ماضی

معروف۔ وَجْهَ النَّهَارِ اور اِخْرَہٗ ظَرْفِ زَمَانِ ہونے کی وجہ سے دونوں (مرکب اضافی) منصوب۔ جملے کا معنی ہے: اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا کہ جو اہل ایمان پر نازل کیا گیا، دن کے آغاز میں اس پر ایمان لے آؤ اور دن کے آخری حصے میں انکار کر دو شاید وہ مرتد ہو جائیں۔

﴿وَلَا تُؤْمِنُوا إِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِينَكُمْ قُلْ إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَىٰ اللَّهِ﴾ میں لَا تُؤْمِنُوا امر نہی۔ إِلَّا حرف استثناء۔ مَنْ موصولہ اس پر لام حرف جر۔ تَبِعَ فعل ماضی۔ دِینِ اس کا مفعول کُمْ ضمیر مخاطب کی۔ قُلْ فعل امر۔ اِنْ حرف مشبہ بفعل۔ الْهُدَى اس کا اسم ہُدَى اللہ مرکب اضافی اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: اور تم اسی کا یقین کرو جو تمہارے دین کی پیروی کرے۔ آپ کہہ دیں کہ حقیقی ہدایت اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے۔

﴿أَنْ يُؤْتِيَ أَحَدٌ مِّثْلَ مَا أُوتِيتُمْ أَوْ يُحَاجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ﴾ میں اَنْ ناصبہ۔ یُؤْتِی فعل مضارع مجہول واحد مذکر غائب۔ أَحَدٌ اس کا نائب فاعل۔ مَا موصولہ۔ أُوتِيتُمْ فعل ماضی مجہول جمع مذکر حاضر۔ یُحَاجُّوْكُمْ فعل مضارع جمع مذکر غائب۔ اَنْ کی وجہ سے لون گری ہوئی ہے۔ جملے کا معنی ہے: نہ ہی تم اس پر یقین کرو کہ کوئی اس کی مثل دیا گیا جو تمہیں دیا گیا یا تمہارے رب کے پاس وہ تم سے جھگڑا کریں گے۔

﴿قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ میں قُلْ فعل امر۔ اِنْ مشبہ بفعل۔ الْفَضْلُ اس کا اسم۔ یُؤْتِی فعل مضارع۔ وَ ضمیر متصل الْفَضْلُ کی طرف راجع ہے۔ مَنْ موصولہ۔ يَشَاءُ بھی فعل مضارع۔ وَاسِعٌ عَلِيمٌ اللہ تعالیٰ کے بارے میں خبر ہے۔ جملے کا معنی ہے: آپ کہہ دیں۔ بے شک اللہ کے ہاتھ میں ہی فضل ہے جس کو چاہتا ہے وہ عطا کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت و علم والا ہے۔

﴿يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾ میں يَخْتَصُّ فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ جملے کا معنی ہے: وہ اپنی رحمت کو جس کے ساتھ چاہے۔ خاص کر دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فضل عظیم والا ہے۔

(۱۵)

”اہل کتاب میں سے بعض وہ بھی ہیں کہ اگر آپ ان کو خزانے کا امین بنائیں تو وہ آپ کو واپس کر دیں اور ان میں بعض وہ بھی ہیں کہ اگر آپ ان کو ایک دینار کی امانت سپرد کر دیں تو آپ کو اس وقت تک واپس نہ کریں جب تک آپ ان پر کھڑے نہ رہیں۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا کہ

وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأَمَّنْهُ بِقِنطَارٍ يُؤْذِهِ إِلَيْكَ ۖ وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأَمَّنْهُ بِدِينَارٍ لَا يُؤْذِيهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا ذُمَّتْ عَلَيْهِ قَاتِمًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيَنَ سَبِيلٌ ۖ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ

يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾

ان پڑھ لوگوں کا حق مارنے پر ان کو کوئی گناہ نہ ہوگا۔ اور وہ اللہ پر جھوٹ کہتے ہیں اس حال میں کہ وہ جانتے ہیں۔ کیوں نہیں، (ان پر مواخذہ ہوگا البتہ) جس نے اپنے عہد کو پورا کیا اور متقی بن گیا تو بے شک اللہ متقین کو دوست رکھتا ہے۔

بَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٧٦﴾

بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی سی قیمت کے بدلے فروخت کر دیتے ہیں آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان سے نہ بات کرے گا، نہ قیامت کے روز ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کرنے کا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٧﴾

اور بے شک ان میں سے ایک فریق وہ بھی ہے جو کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبانوں کو (ایسے) مروڑتا ہے تاکہ تم سمجھو کہ وہ کتاب کی عبارت ہے، حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں۔ اور وہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں اس حال میں کہ وہ جانتے ہیں۔“

وَإِنْ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلُونُ الْكِتَابَ بِالتَّكْلِيفِ لِيُحْسِبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ ۚ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۚ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٨﴾

### تشریح:

ان آیات مبارکہ میں یہودی گمراہی کے مزید پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے تاکہ اہل اسلام ان کی چالاکیوں اور ہیرا پھیری سے آگاہ ہو جائیں اور ان عادتوں کو اپنانے سے بھی بچ جائیں۔ امانت میں خیانت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا جرم ہے۔

امانت کی اہمیت کو سورة الاحزاب میں یوں اجاگر کیا گیا ہے:

﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا﴾ (۷۲)

”ہم نے امانت کو آسمانوں زمین، اور پہاڑوں پر پیش کیا اور انھوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس کی ذمہ داری سے ڈر گئے۔ جب کہ انسان نے اس کو اٹھالیا یعنی اس کی ذمہ داری قبول کر لی۔ بے شک انسان ظالم و جاہل ہے۔“

انسان جب کسی کی امانت میں خیانت کرے تو یہ اس کا ظلم اور جہالت ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح سورة النساء میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کر دیا:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا (۱۰۷)﴾

”بے شک اللہ تعالیٰ خائن و گناہگار کو دوست نہیں رکھتا۔“

سورة الحج میں ارشاد ہوا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ (۳۸)﴾

”بے شک اللہ ہر خیانت کے مرتکب ہونے والے ناشکرے کو پسند نہیں کرتا۔“

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خائن کی خیانت کا سبب ناشکری ہوتی ہے۔ جو اسے اس کے رب سے دور کر دیتی ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم (کتاب الایمان) کی روایات کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے منافق کی جو نشانیاں بتائیں، ان میں سے ایک یہی ہے۔

((وَإِذَا اتَّخَمْنَ خَانَ))

”اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔“

بخاری و مسلم کی کتاب الفتن کی روایت کا حصہ ہے کہ لوگ آپس میں خرید و فروخت کریں گے اور قریب ہوگا کہ کوئی ایک امانت واپس نہ کرے۔ پھر حال یہ ہوگا کہ کہا جائے گا کہ بنی فلان میں امین آدمی ہوا کرتا تھا۔ یعنی امانت میں خیانت لوگوں کا معمول بن جائے گا حالانکہ اوپر سے لے کر نیچے تک یعنی حکمران اور اس کی رعایا تمام اپنی اپنی ذمہ داری کے امین ہوتے ہیں۔ جہاں بھی ذمہ داری نبھانے میں سستی ہوگی یا رشوت لی جائے گی یا اثر و رسوخ کا ناجائز فائدہ اٹھایا جائے گا تو وہ خیانت ہی ہوگی۔ ایمان داری سے اپنا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے ہاں امانت کی پاسداری نہیں ہو رہی، اس سے آنکھیں بند کر لینا ظلم و جہالت ہے۔

یہود میں یہی برائی عام تھی۔ چند لوگوں کے سوا اکثریت خیانت کی مرتکب ہوتی تھی، اس سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہو سکتا تھا کہ جب کوئی شخص اسلام میں داخل ہو جاتا اور اس کی کوئی امانت کسی یہودی کے پاس ہوتی تو یہودی لوٹانے سے انکار کر دیتا اور کہتا کہ چونکہ تم نے اپنا دین بدل لیا ہے لہذا ہماری کتاب کے مطابق تمہاری امانت تمہیں نہیں دی

جائے گی۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ اُن پڑھ لوگوں کا مال کھا جاتا ان کے لیے جائز تھا۔ ایسا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی کتاب کا حوالہ بھی دیتے۔ دوسرے لفظوں میں جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہوئے ان کے دلوں میں ذرا سا بھی خوف پیدا نہ ہوتا۔ ان کا خیال تھا بلکہ ان کو یقین تھا کہ ایسا کرتے ہوئے ان پر کوئی مواخذہ نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی باطل سوچ کی نفی فرمائی اور واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب وہی ہوگا جو اللہ سے کیے گئے عہد کو پورا کرنے والا اور اس سے ڈرتے ہوئے گناہوں سے بچنے والا ہوگا۔

مسند احمد [۱۳۵/۳، ۱۵۴، ۲۱۰، ۲۵۱] میں چار مرتبہ انس رضی اللہ عنہ سے مختلف سندوں سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے خطبے میں ارشاد فرماتے:

(( لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ ))

”جو امانت کی پاسداری کرنے والا نہیں، اس کا ایمان نہیں اور جو عہد نبھانے والا نہیں، اس کا کوئی دین نہیں۔“

گمراہی کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ تجارتی لین دین کرتے ہوئے یا دوسرے معاملات کو طے کرتے ہوئے جھوٹی قسموں کا سہارا لیا جاتا تھا اور یہ گمراہی آج بھی اپنے عروج پر ہے۔ اللہ کی قسم کھا کر جھوٹ بولنے والے کے ذہن میں لمحہ کے لیے بھی یہ بات نہیں آتی کہ جس کا نام لے کر وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ وہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ اس کے فرشتے اس کی اچھائی اور برائی اس کے نامہ اعمال میں لکھ رہے ہیں جو قیامت کے روز اس کو تھمایا جائے گا پھر اسی کے مطابق اس کی جزا یا سزا کا فیصلہ ہوگا۔ دنیا میں تو اس کا جھوٹ شاید اس کو فائدہ دے۔ لیکن آخرت میں سوائے ذلت اور رسوائی کے اس کے حصے میں کچھ نہیں آئے گا۔ اللہ سے ہمکلام ہونے، اس کی رحمت سے مالا مال ہونے اور گناہوں سے پاک کیے جانے سے وہ محروم رہے گا۔ عارضی دنیا کو سنوارنے کے لیے اللہ کا نام لے کر اللہ کی مخلوق کو جو دھوکہ دیا کرتا تھا، اس کے بدلے میں جہنم کا دردناک عذاب اس کا مقدر بن جائے گا۔

سنن ابی داؤد و کتاب المباحث، ص: ۵۶۵ میں ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”تین شخص ایسے ہوں گے جن سے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ نہ کلام کرے گا، نہ ان کی طرف رحمت کی نگاہ سے دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا۔“

ابو ذر رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ انھوں نے عرض کیا۔ اللہ کے رسول! وہ کون ہوں گے؟ انھوں نے یقیناً اپنے آپ کو گھائلے اور نقصان میں کیا۔ آپ نے تینوں مرتبہ یہی فرمایا: ابو ذر رضی اللہ عنہ نے بھی جب پھر عرض کیا کہ وہ کون ہوں گے تو آپ نے فرمایا: ”تکبر کے طور پر اپنے ازار کو لٹکانے والا۔ دے کر احسان جتلانے والا اور جھوٹی قسم کے ساتھ اپنا سودا بیچنے والا۔“ صحیح بخاری (ص: ۶۵۲-۹۸۵) میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”جس نے جھوٹی قسم اس لیے کھائی کہ مسلمان بھائی کا مال ہتھیالے، وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر غضب ناک ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق قرآن حکیم میں یوں نازل فرمادی:

”بے شک وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے تھوڑی سی قیمت پر لین دین کرتے ہیں۔ وہ لین دین تجارتی ہو یا دینی۔ دونوں میں دھوکہ دہی اللہ کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔“

یہود میں یہ دونوں برائیاں موجود تھیں۔ دنیاوی مفاد کے لیے وہ کسی بھی کام کو معیوب نہ سمجھتے تھے۔ آج بھی ان کا یہی حال ہے۔ اپنی سوچوں کو دنیا پر مسلط کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں بھی اہل حق کو حق سے دور کرنے کے لیے کئی حربے انھوں نے استعمال کیے۔ ان میں سے ایک توراۃ میں نہ صرف تحریف تھی بلکہ اپنے پاس سے اپنی مرضی کی باتیں لکھ کر لوگوں کو کہتے تھے کہ یہی اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ کلام ہے۔ ایسی ہی لکھی ہوئی کتابوں کو اس انداز میں پڑھتے کہ وہی آسمان سے نازل ہونے والی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے فریب کا پردہ چاک کر دیا اور اہل ایمان کو ان کے مکر سے آگاہ کر کے بیکٹنے سے بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ کو سورۃ المائدہ میں تسلیم یوں دی۔

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِأَقْوَاهِمُ وَلَمْ تُوْمِنْ قُلُوبُهُمْ وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا سَمْعُونُ لِلْكَذِبِ سَمْعُونُ لِقَوْمٍ آخِرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ يُحَرِّقُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ﴾ (۴۱)

”اے رسول! آپ کو وہ لوگ غمزدہ نہ کریں جو انکار کرنے میں جلدی کر رہے ہیں، ان لوگوں میں سے جنھوں نے زبانی کہا کہ ہم ایمان لائے حالاں کہ ان کے دل ایمان نہیں لائے اور ان میں سے جو یہودی ہوئے۔ جھوٹ سننے کے عادی ہیں، اُن دوسروں کے لیے جاسوسی بھی کرتے ہیں جو اب تک آپ کے پاس نہیں آئے۔ وہ باتوں کو ان کی اصل جگہ پر واقع ہونے کے بعد بدل دیتے ہیں۔“

یہود کی یہی سب سے بڑی گمراہی تھی کہ تورات کو انھوں نے اس کی اصل صورت میں نہ رہنے دیا۔ اگر کہیں اس کو بدلنے میں کامیاب نہ ہوئے تو حقیقت کو پوری طرح چھپانے کی کوشش کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسلامی ریاست سے ان کو نکال باہر پھینکا اور اہل حق کی بھرپور مدد فرمائی۔

دعا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ آج بھی مسلمانوں کی مدد فرمائے۔

### حل لغات:

﴿وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنَهُ بِقِنطَارٍ يُودِّعَ إِلَيْكَ﴾ میں من حرف جر، تبعیضیہ۔ مَنْ موصولہ۔ اِنْ



شرطیہ۔ تَامَنُ فعل مضارع آخر میں جزم اِن کی وجہ سے ہے۔ هَ ضمیر مَن کی طرف راجع ہے۔ فَنَطَارُ حرف جرب کی وجہ سے مجرور اور اس سے مراد خزانہ یعنی بہت زیادہ مال ہے۔ يُوَدُّ جواب شرط، یہ باب تفعیل (مادہ: د۔ و۔ ی) سے فعل مضارع معروف، صیغہ واحد مذکر غائب ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور اہل کتاب میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر آپ ان کو خزانے کا امین بنا دیں تو بھی آپ کو واپس کر دیں۔

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَامَنُ بِدِينَارٍ لَا يُوَدِّهِ اِلَيْكَ اِلَّا مَا ذُمْتُ عَلَيْهِ فَاَيَمَّا﴾ میں دینار سے مراد سونے کا سکہ ہے۔ بالک بن دینار سے مروی ہے: "اِنَّمَا سُمِّيَ الدِّينَارُ لِاَنَّهُ دِينَ وَ نَارٌ سَوْنِے كے سکے کا نام دینار اس لیے رکھا گیا کہ وہ دین (یعنی ایمان) بھی ہے اور آگ بھی۔ جب حق کے ساتھ لیا جائے تو دین ہے اور جب بغیر حق کے لیا جائے تو آگ میں لے جانے کا سبب ہے۔ مَا ذُمْتُ افعال ناقصہ میں سے ہے۔ اس کا مَا مصدر یہ اور یہ فعل کسی کام کے تعین کے لیے استعمال ہوتا ہے جو اس کی خبر کے زمانے کے برابر ہو۔ اسی لیے یہ اپنے جملہ سابقہ کا محتاج ہوتا ہے۔ جملے کا معنی ہے: ان میں وہ بھی ہیں کہ اگر آپ ان کو ایک دینار پر امین بنائیں تو آپ کو اس وقت تک نہ لوٹائیں گے جب تک آپ ان پر کھڑے نہ رہیں۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَئِنْ لَمْ يَكُنْ عَلَيْنَا فِى الْاَمْتِنِ سَبِيْلٌ﴾ میں الْاَمْتِنِ، الْاَمْنِ کی جمع ہے۔ جملے کا معنی ہے: ایسا اس لیے ہے کہ انھوں نے کہا کہ اُن پڑھوں کا حق نارنے میں ہم پر کوئی حرج نہیں۔

﴿وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ میں يَقُوْلُوْنَ اور يَعْلَمُوْنَ دونوں فعل مضارع۔ جملے کا معنی ہے اور وہ اللہ پر جھوٹ کہتے ہیں اس حال میں کہ وہ جانتے ہیں۔

﴿بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهِ وَ اَتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ میں بَلٰى حرف جواب ہے جو مخاطب کے کلام کی نفی اور ابطال کے لیے لایا جاتا ہے۔ اَوْفٰى وَ اَتَّقٰى دونوں فعل ماضی مذکر غائب۔ يُحِبُّ فعل مضارع۔ فاعل پوشیدہ ضمیر اور الْمُتَّقِيْنَ اس کا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: کیوں نہیں (یعنی مواخذہ ہوگا) البتہ جس نے اپنا عہد پورا کیا اور متقی بن گیا پس بے شک اللہ تعالیٰ متقین کو محبوب رکھتا ہے۔

﴿اِنَّ الدِّينَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ میں اِنَّ حرف مشبہ بالفعل۔ الدِّينَ موصول۔ يَشْتَرُوْنَ فعل مضارع۔ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَيْمَانِهِمْ سے مراد اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے۔ ثَمَنًا قَلِيْلًا مرکب توصیلی۔ جملے کا معنی ہے: بے شک وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے تھوڑی سی قیمت وصول کرتے ہیں۔

﴿اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يَكْلِمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَ

لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۶﴾ میں لا نافیہ۔ یُکَلِّمُ. یَنْظُرُ. یُزَکِّی تینوں فعل مضارع واحد مذکر غائب کے صیغے ہیں ان کی ہُمْ ضمیریں مفعول ہیں جو اُولَئِک کی طرف راجع ہیں۔ یعنی جنہوں نے اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو معمولی قیمت کے بدلے بیچ ڈالا، ان کی بات ہو رہی ہے۔ جملے کا معنی ہے۔ وہی لوگ ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا اور نہ قیامت کے روز اللہ ان سے کلام کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

﴿وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِیقًا یَلُونُ السِّتْرَ بِالْکِیْبِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْکِیْبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْکِیْبِ﴾ میں اِنَّ مشبہ بفعل۔ مِنْهُمْ خبر مقدم۔ لَفَرِیقًا اس کا اسم مؤخر۔ اس پر لام تاکید کا۔ یَلُونُ فعل مضارع۔ اَلْسِتْرُ اس کا مفعول۔ لِتَحْسَبُوهُ میں تَحْسَبُوْا فعل مضارع جمع مذکر حاضر۔ اس کی نون اس پر آنے والے لام کی وجہ سے گری ہوئی ہے اور اس کی ہُ ضمیر الکیب کی طرف لوٹ رہی ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور ان میں بے شک ایک ایسا فریق بھی ہے جو کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبانوں کو مروڑتا ہے تاکہ تم اس کو کتاب ہی کی عبارت خیال کرو۔ حالانکہ وہ کتاب کی عبارت نہیں ہوتی۔

﴿وَقَالُوا لَوْ هُوَ مِنَ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَقَالُوا عَلَى اللَّهِ الْکِذِبُ وَهُمْ یَعْلَمُونَ﴾ میں عِنْدِ اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی کتاب ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور اپنی بتائی ہوئی کتاب کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے اور اللہ پر جھوٹ کہتے ہیں اس حال میں کہ وہ جانتے ہیں۔

۱۶

کسی انسان کے لائق نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب و حکم اور نبوت سے نوازے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ بلکہ وہ کہے گا کہ تم جو کتاب سکھاتے ہو اور پڑھتے ہو اس کے سبب رب والے بن جاؤ۔

اور نہ وہ تمہیں یہ حکم دے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لو۔ کیا وہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد تمہیں کفر

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَكْلِمُونَ ﴿۱۷﴾

وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّنَ أَوْلِيَاءَ ۚ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكَفْرِ بَعْدَ إِذْ

اَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۸۰﴾

وَ اِذْ اخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّنَ لَمَّا اْتَيْكُم مِّنْ كِتَابٍ وَّ حَكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَ تَتَّبِعُوهُ ۖ قَالَ ؕ اَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اٰصْرِيْ ۖ قَالُوْا اَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَاَشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

فَمَنْ تَوَلٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

کرنے کا حکم دے گا۔

اور جب اللہ نے نبیوں کا عہد لیا کہ جو میں نے تمہیں کتاب و حکمت دی ہے، پھر تمہارے پاس ایک رسول آجائے جو اس کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہو تو تم ضرور اس پر ایمان لاؤ گے اور تم ضرور اس کی مدد کرو گے۔ اللہ نے فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور تم نے اس پر میرے عہد کی ذمہ داری قبول کر لی؟ انہوں نے کہا ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا پس تم گواہ ہو جاؤ، میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہو۔

پس جو کوئی اس کے بعد پھر گیا پس وہی لوگ دائرہ شریعت سے باہر ہونے والے ہوں گے۔

### تشریح:

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں علمائے یہود و نصاریٰ جمع ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ البورافع قرعی نے کہا کیا آپ چاہتے ہیں کہ جس طرح نصرائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کی، ہم بھی اسی طرح آپ کی عبادت کریں؟ اہل نجران میں سے ایک شخص نے بھی ایسی ہی بات کہی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَعَآذَ اللّٰهِ اَنْ نَّعْبُدَ غَيْرَ اللّٰهِ اَوْ نَأْمُرَ بِعِبَادَةِ غَيْرِهِ مَا بِذٰلِكَ بَعْتَنِيْ وَلَا بِذٰلِكَ اَمَرْنِيْ))

”میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں کہ ہم غیر اللہ کی عبادت کریں یا اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت کا حکم ہم

دیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لیے نہیں بھیجا اور نہ مجھے اس کا حکم دیا ہے۔“

یا آپ نے ایسی ہی بات فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے آل عمران کی یہ آیات نازل فرمادیں۔

حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ مومن سے بھی یہ کام نہیں ہو سکتا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر اپنی بندگی کرنے کا لوگوں کو حکم دے۔ ظاہر ہے کوئی صاحب علم تو ایسا بالکل نہیں کر سکتا۔ جہلاء ہی کو شیطان بہکا کر ایسی راہ پر لگاتا ہے۔ اور ان کے ذریعے سادہ لوگوں کے ایمان کو برباد کرتا ہے۔ جن جلیل القدر ہستیوں کو اللہ تعالیٰ نے کتاب و حکمت اور نبوت سے نوازا تو ان میں سے ہر ایک نے اپنے امتیوں کو ایک ہی بات کہی کہ غیر اللہ سے کٹ کر صرف اللہ کے ہو جاؤ۔ کیونکہ ہر نبی و رسول کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہوتا تھا۔

سورة الانبياء میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾ (۲۰)  
 ”ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول بھیجا اس کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس میری ہی عبادت کرو۔“

جب ہر رسول کے لیے یہ حکم تھا تو ان میں کوئی کیسے کہہ سکتا تھا کہ اللہ کے سوا میری عبادت کرو۔ بلکہ ہر رسول اور نبی نے اپنی اپنی امت کو حکم دیا:

﴿كُونُوا رِبَايَ نِينَ﴾ ”کہ تم ربانی بن جاؤ۔“

یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا جو حق ہے وہ ادا کرنے میں کوشاں رہو۔ آل عمران ہی میں مومنوں سے خطاب ہوتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ (۱۱۰)

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے اور تمہاری موت اس حال میں واقع ہونی چاہیے کہ تم مسلمان ہو۔“

جب سید الانبیاء کے امتوں کو یہ حکم تھا تو آپ اپنی بندگی کا حکم دوسروں کو کس طرح دے سکتے تھے۔ اصل میں یہود و نصاریٰ نے اپنے احبار و رہبان کو رب بنا رکھا تھا۔ خود علم حاصل کرنے کی بجائے آنکھیں بند کر کے ان کی اطاعت کرتے تھے۔ سورة التوبة میں اللہ تعالیٰ نے خود ہی واضح فرمایا:

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ (۳۱)

”یہود و نصاریٰ نے اپنے احبار و رہبان کو اللہ کو چھوڑ کر رب بنا رکھا تھا۔“

یعنی وہ وہی کچھ کرتے جو ان کے احبار و رہبان ان کو حکم دیتے اور یہ بات ان کے محققین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ تورات و انجیل اپنی اصلی صورت میں موجود نہیں، ان میں تغیر و تبدل ہو چکا ہے۔

ربانی بننے کے حکم میں ایک لطیف نکتہ یہ بھی ہے کہ ربانی احبار و رہبان سے اوپر ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا ہر کام اپنے رب کی رضا کے لیے ہوتا ہے۔ حلال و حرام، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور امتوں کی تاریخ سے وہ واقف ہوتا ہے۔ اللہ کے دین ہی کی نسبت سے وہ ربانی کہلاتا ہے۔

امام قرطبی نے اس سلسلے میں بہت ہی خوبصورت بات کہی ہے کہ ربانی کا معنی ہے۔

”الْعَالِمُ بِدِينِ الرَّبِّ الَّذِي يَعْمَلُ بِعِلْمِهِ، لِأَنَّهُ إِذَا لَمْ يَعْمَلْ بِعِلْمِهِ فَلَيْسَ بِعَالِمٍ“

”رب کے دین کا وہ عالم ہے جو اسی کے دیے ہوئے علم کے مطابق عمل کرتا ہے۔ اس لیے کہ اگر وہ اس کے دیے ہوئے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا تو وہ عالم ہی نہیں۔“

الضحاك نے اسی سے استدلال کیا ہے کہ قرآن حفظ کرنے کی کوشش کو اس لیے ترک نہیں کرنا چاہیے کہ اس میں محنت کرنی پڑتی ہے بلکہ کوشش جاری رکھنی چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ﴾

الاستيعاب، ج: ۱، ص: ۳۷۲ میں محمد بن حنفیہ کے بارے میں مروی ہے کہ جس دن ابن عباس کی موت واقع ہوئی تو انھوں نے کہا:

”الْيَوْمَ مَاتَ رَبَّانِي هَذِهِ الْأُمَّةُ“

”آج اس امت کا ربانی فوت ہو گیا۔“

اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ پر واضح کر دیا کہ کوئی نبی یا رسول یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ کو چھوڑ کر میری عبادت کرو یا فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لو یا ایمان لانے کے بعد پھر سے کفر کی طرف پلٹ جاؤ۔ بلکہ اس کو تو بھیجا ہی اس لیے جاتا ہے کہ وہ غیر اللہ کی عبادت میں غرق ہونے والوں کو اللہ کی عبادت کی طرف لگائے اور رائج ہونے والے شرک کی تیغ کٹی کرے۔

اللہ تعالیٰ نے اس میثاق و عہد کا بھی ذکر کر دیا جو اس نے آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء علیہم السلام سے لیا کہ اگر ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ کونبوت و رسالت سے نوازا گیا تو وہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد میں کوئی کسر نہیں رکھیں گے۔ بلکہ اس رسول ﷺ کے بارے میں بھی ایسا عہد لے لیا جس کو اضریعی سے تعبیر کیا کہ اگر وہ تم میں سے کسی ایک کے وقت میں ہوا تو تم اس کی بھی بھرپور مدد کرو گے۔

حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول سے مراد یہاں محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت ہے۔ یعنی ہر نبی سے اللہ تعالیٰ نے عہد لیا کہ اگر اس کی زندگی آپ مبعوث ہوئے تو اس پر فرض ہوگا کہ وہ آپ پر ایمان لائے اور آپ کی مدد کرے اور اسی کی اپنی امت کو تلقین کرے۔

سنن الداری، (ص: ۶۲) میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ تورات کا ایک نسخہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے اور عرض کیا کہ یہ تورات کا نسخہ ہے۔ آپ خاموش رہے اور عمر فاروق نے اس کو پڑھنا شروع کر دیا، جس پر آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ تبدیل ہوتا گیا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا۔ تجھے گم پانے والیاں گم پائیں۔ تم رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک کو نہیں دیکھتے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جیسے ہی آپ کے چہرہ مبارک کا بدلا ہوا

رنگ دیکھا تو فوراً پکار اٹھے:

«أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَ غَضَبِ رَسُوْلِهِ رَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبَّنَا وَ بِالْإِسْلَامِ دِيْنَنَا وَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيْنَا»  
 ”میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے غضب سے اللہ کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں اور اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر ہم راضی ہیں۔“  
 رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(( وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيْدهِ لَوْ بَدَا لَكُمْ مُّوسَى فَاتَّبَعْتُمُوْهُ وَ تَرَكْتُمُوْنِيْ لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيْلِ وَلَوْ كَاَنَّ حَيًّا وَ أَدْرَكَ نُبُوْتِيْ لَا تَبْعَنِيْ ))  
 ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر موسیٰ علیہ السلام تمہارے پاس آ جائیں اور تم ان کی اتباع کرو اور مجھے چھوڑ دو تو تم سیدھی راہ سے ہٹ جاؤ گے۔ اور اگر وہ زندہ ہوتے اور میری نبوت کو پاتے تو وہ بھی میری ہی اتباع کرتے۔“

یعنی تمام نبیوں سے اللہ تعالیٰ نے جو عہد لیا، موسیٰ علیہ السلام کو بھی اسی کے مطابق عمل کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے عہد کو مضبوط کرنے اور اس میں زور پیدا کرنے کے لیے اس کو اضریٰ ارشاد فرمایا۔ یعنی جو اس عہد کو پورا نہیں کرے گا تو وہ اس پر میرا بوجھ ہوگا۔

ان آیات سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے انبیاء و رسل علیہم السلام کی واضح ہدایت کو ترک کر کے علماء و مشائخ کے اقوال و افعال کو ترجیح دینا یہود و نصاریٰ کا معمول رہا ہے، جس کی مذمت قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے خود فرمائی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ والا واقعہ بھی بہترین راہنمائی مہیا کرتا ہے۔ جس طرح یہود و نصاریٰ اپنے احبار و رہبان کی پیروی کرتے ہوئے گمراہ ہوئے، اسی طرح امت محمدیہ بھی قرآن و سنت سے دور ہو کر افتراق و انتشار کا شکار ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو اقرار اپنے نبیوں اور رسولوں سے لیا، امت محمدیہ بھی اس کی پابند ہے۔ اس کو قبول نہ کرنے یا اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کے بارے میں اعلان کر دیا گیا کہ وہ دائرہ شریعت سے خارج ہوں گے۔ یہود و نصاریٰ جیسی روش سے اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔ اور قرآن و سنت کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

### حل لغات:

﴿ مَا كَانَ لِشَيْءٍ أَنْ يُوْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُونُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ میں مانا ہے۔ کائنات فعل ناقص۔ لیکن یہاں مانا ہے کہ معنی دے رہا ہے۔ بشو حرف جر لام کی وجہ سے

مجرور۔ بَشِّرْ ایسا اسم ہے کہ واحد اور جمع دونوں ہی طرح استعمال ہوتا ہے۔ اَنْ ناصبہ۔ یُؤْتِی کے آخر میں زبر اسی کی وجہ سے آئی ہے اور ہ ضمیر بشر کی طرف راجع ہے۔ لفظ اللہ یُؤْتِی کا فاعل اور الْكِتَابِ وَالْحَكْمِ وَالنُّبُوَّةِ اس کے مفعول ہیں۔ ثُمَّ عاطفہ۔ یَقُولُ اَنْ ہی کی وجہ سے منصوب ہے۔ تَكُونُوا فعل امر۔ جملے کا معنی ہے: کسی بشر کو یہ لائق نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب و حکم اور نبوت سے نوازے، پھر وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔

﴿وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّائِيِّنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ﴾ میں لَكِنْ حرف استدراک ہے۔ رَبَّائِيِّنَ۔ اصل میں رَبَّائِيُونَ تھا، تَكُونُوا کی خبر ہونے کی وجہ سے نصی حالت میں ہے۔ اور یہ رَبَّائِي کی جمع ہے۔

صحیح بخاری کی (کتاب العلم) میں مردی روایت کے مطابق۔ ((الرَّبَّائِيُّ الَّذِي يُرَبِّي النَّاسَ بِصَغَارِ الْعِلْمِ قَبْلَ كِبَارِهِ)) ربانی وہ ہے جو لوگوں کو دین کی بڑی باتیں سکھانے سے پہلے ان کی چھوٹی باتوں کے ذریعے تربیت کرتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، کہ اس سے مراد حکماء، علماء اور فقہاء ہیں۔ جملے کا معنی ہے: بلکہ وہ کہے گا کہ تم جو کتاب پڑھاتے ہو اور خود پڑھتے ہو اس کے سبب تم رَبَّائِي ہو جاؤ۔

﴿وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّنَ أَرْبَابًا﴾ میں لَا نافیہ یَأْمُرُ فعل مضارع اور تُمْ ضمیر اس کا مفعول۔ اَنْ ناصبہ۔ تَتَّخِذُوا فعل مضارع کی نون اَنْ کی وجہ سے گری ہوئی ہے۔ الْمَلَائِكَةُ وَالنَّبِيِّنَ اس کے مفعول اور اَرْبَابًا ان کا حال ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور نہ وہ تم کو یہ حکم دے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب بناؤ۔ ﴿أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكَفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ میں ہمزہ استفہامیہ تعجب اور انکار کے لیے لایا گیا ہے۔ اِذْ ظرف ماضی۔ جملے کا معنی ہے: کیا وہ تمہیں تمہارے مسلمان ہو جانے کے بعد کفر کرنے کا حکم دے گا۔

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّنَ كَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ﴾ میں أَخَذَ فعل ماضی۔ لفظ اللہ اس کا فاعل۔ مِيثَاقِ النَّبِيِّنَ مرکب اضافی اس کا مفعول۔ لَمَّا کا مآ بمعنی الَّذِي۔ آتَيْتُ فعل ماضی واحد متکلم۔ تُمْ ضمیر اس کا مفعول۔ مِنْ بیانہ۔ جملے کا معنی ہے: اور جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں کا عہد یعنی ان سے عہد لیا کہ جو میں نے تمہیں کتاب و حکمت عطا فرمائی ہے۔

﴿ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ﴾ ثُمَّ عاطفہ۔ جَاءَ فعل ماضی تُمْ ضمیر مفعول۔ رَسُولٌ اس کا فاعل۔ مُصَدِّقٌ صفت۔ لَتُؤْمِنُنَّ وَلَتَنْصُرُنَّ دونوں فعل مضارع معروف، صیغہ جمع ذکر حاضر، ان پر لام تاکید کا اور نون ثقل۔ اس سے مستقبل کے معنی میں تاکید مطلوب ہوتی ہے۔ دونوں کی ہ



ضمیر رسُول کی طرف راجع ہیں۔ جملے کا معنی ہے: پھر تمہارے پاس رسول آجائے جو اس کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس پر ایمان لاؤ گے اور اس کی ضرور مدد کرو گے۔

﴿قَالَ أَفَرَزْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكِ إِصْرِي﴾ ہمزہ استفہامیہ اَفَرَزْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ دونوں فعل ماضی جمع مذکر حاضر۔ اِصْرِي بمعنی عہدی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تم نے اقرار کیا اور تم نے اس پر مجھ سے وعدہ کر لیا۔ لغوی طور پر اِصْر کا معنی بوجھ ہوتا ہے۔ لیکن عہد کے طور پر لانے کی حکمت یہ ہے کہ جب تک عہد پورا نہ ہوگا تو عہد کرنے والے پر وہ بوجھ ہی ہوگا۔

﴿قَالُوا أَفَرَزْنَا قَالَ فاشْهَدُوا﴾ میں فاشْهَدُوا فعل امر حاضر اور جملے کا معنی ہے۔ سب نبیوں نے کہا: ہم نے اقرار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ پس تم گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

﴿فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ میں مَنْ شرطیہ۔ تَوَلَّىٰ فعل ماضی۔ بَعْدَ ظرف مبنی۔ ذَٰلِكَ اسم اشارہ۔ اُولَٰئِكَ جمع ذَٰلِكَ۔ الْفَاسِقُونَ۔ الفاسق کی جمع اور اس سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو دائرہ شریعت سے باہر ہو جائے۔ جملے کا معنی ہے۔ پس جو اس کے بعد پھر گیا، پس وہی لوگ فاسق ہوں گے۔

14

کیا وہ اللہ کے دین کے علاوہ کوئی اور دین طلب کرتے ہیں حالانکہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز خوشی یا ناخوشی سے اس کی فرماں برداری کرتی ہے، اور اسی کی طرف وہ لوٹائے جائیں گے۔

کہہ دیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہمارے اوپر نازل کیا گیا اور اس پر جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، اور یعقوب اور ان کی اولادوں پر نازل کیا گیا اور اُس پر جو موسیٰ اور عیسیٰ اور تمام انبیاء (علیہم السلام) کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا۔ ان میں سے کسی ایک میں بھی ہم فرق

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْتَغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿٨٣﴾

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِيَ مُوسٰى وَ عِيسٰى وَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نَفَرِقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۚ وَ نَحْنُ لَهُ

مُسْلِمُونَ ﴿۸۴﴾

وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا وَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۸۵﴾

﴿۸۵﴾

تشریح:

ان آیات مبارکہ میں ان لوگوں کے انجام کا ذکر ہوا ہے جو اسلام کے علاوہ کسی اور دین کے متلاشی رہتے ہیں یا اس پر قائم ہیں۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اسلام کی بنیاد پر بھی روشنی ڈال دی۔ کہ اسلام نہ صرف تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کا دین رہا ہے۔ بلکہ آسمانوں و زمین اور ان کے درمیان پائی جانے والی تمام مخلوق کا دین بھی اسلام ہی ہے۔ صحیح بخاری (کتاب الانبیاء، ص: ۴۹۰، اور صحیح مسلم (۲/۲۶۵) کی روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِعَلَّاتٍ، أُمَّهَاتُهُمْ شَتَّى، وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ))

”تمام انبیاء علاقائی (باپ کی طرف سے) بھائی ہیں، اگرچہ ان کی مائیں مختلف تھیں تاہم ان کا دین ایک ہی ہے۔“

یعنی دین کے ناطے سب آپس میں بھائی ہی تھے۔ جس کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا اور انتہا سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ پر ہوئی۔ سورة آل عمران ہی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾

”بے شک دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔“

سورة المائدہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾

”آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور اسلام کو تمہارے لیے بطور دین پسند کر لیا۔“

احادیث میں اسلام کی مزید وضاحت بڑی تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ صحیح بخاری: کتاب الایمان میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَ إِقَامُ

الصَّلَاةِ، وَ إِيتَاءُ الزَّكَاةِ، وَ الْحَجُّ، وَ صَوْمُ رَمَضَانَ -))

”اسلام کی بنیاد پانچ اعمال پر رکھی گئی ہے۔ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ

کے رسول ہیں۔ فرض نماز کا قائم کرنا۔ زکوٰۃ ادا کرنا۔ حج کرنا۔ رمضان کے روزے رکھنا۔“

کتب احادیث میں مذکورہ اعمال میں سے ہر ایک عمل کے بارے میں الگ الگ عنوان کے تحت رسول اللہ ﷺ کے مزید اقوال و افعال کو جمع کر دیا گیا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں کی کتاب الایمان میں طلحہ بن عبید سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اہل نجد میں سے ایک آدمی آیا۔ سفر کی وجہ سے اس کے سر کے بال گرد آلود تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے وہ اتنی دھیمی آواز سے بات کر رہا تھا کہ ہمیں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ جب ہم نے قریب ہو کر سنا تو معلوم ہوا کہ وہ اسلام کے بارے میں سوال کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: ”ون رات میں پانچ نمازیں۔“ اس نے پوچھا ان کے علاوہ اور نمازیں بھی پرفرض ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”اگر ان پانچ کے علاوہ اور پڑھے گا تو وہ نفلی ہوں گی۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”رمضان کے روزے۔“ اس نے عرض کیا: ان کے علاوہ بھی۔ آپ نے فرمایا: ”اگر رکھے گا تو وہ نفلی روزے ہوں گے۔“

پھر رسول اللہ ﷺ نے اس سے زکوٰۃ کا ذکر فرمایا۔ زکوٰۃ کے علاوہ بھی اس نے سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ”وہ تیرے لیے صدقہ ہوگا۔“

راوی کا بیان ہے۔ جب وہ جانے کے لیے اٹھا اور مڑا تو کہہ رہا تھا۔ اللہ کی قسم اس پر میں نہ زیادہ کروں گا اور نہ اس میں کوئی کمی کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات سن کر فرمایا: ((أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ)) ”اگر اس نے سچ کہا ہے تو اس نے فلاح پائی۔“

اس سے ملتی جلتی ایک روایت امام بخاری نے کتاب الزکاۃ اور انام مسلم نے کتاب الایمان میں نقل کی ہے کہ ایک بدو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

”فَقَالَ ذَلَيْنِ عَلَى عَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُهُ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ“

”اس نے عرض کیا، مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جو میں کروں تو جنت میں داخل ہو جاؤں۔“

آپ نے فرمایا:

((تَعْبُدُ اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ، وَتُؤَدِّي الزَّكَاةَ، الْمَفْرُوضَةَ

، وَتَصُومُ رَمَضَانَ))

”تو اللہ کی عبادت کر۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنا۔ فرض نماز قائم کر اور فرض کردہ زکوٰۃ ادا کر اور

رمضان کے روزے رکھ۔“

”قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا أَزِيدُ عَلَى هَذَا“

”اس نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں اس پر کچھ زیادہ نہ کروں گا۔“  
نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

(( مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى هَذَا ))

”جو کوئی پسند کرتا ہے کہ کسی جنتی شخص کو دیکھے وہ اس کی طرف دیکھ لے۔“

مذکورہ روایات سے عیاں ہوتا ہے کہ اسلام کا پہلا اور اہم ترین رکن توحید ہے۔ قرآن حکیم کو اگر تین حصوں میں تقسیم کیا جائے تو ایک حصہ توحید کا بنتا ہے۔ انسان دنیا کی تمام نیکیوں کو سمیٹنے کے ساتھ اگر شرک کا بھی مرتکب ہوتا ہے تو آخرت میں اس کا انجام بُرا ہوگا اور اللہ تعالیٰ اپنے قانون کے مطابق اس کی نیکیوں کی جزا اس کو دنیا ہی میں دے کر یہیں اس کا حساب صاف کر دے گا۔

سورة ہود میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُخْسِرُونَ﴾ (۱۰)

”جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس میں پائی جانے والی زینت کا ارادہ رکھتے ہیں (یعنی اسی کے حصول میں کوشاں رہتے ہیں) ہم ان کو دنیا ہی میں ان کے اعمال کا پورا بدلہ دے دیتے ہیں اور دنیا میں ان کے اعمال کی جزا میں کوئی کمی نہیں کی جاتی۔“

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (۱۱)

”وہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں جہنم کی آگ کے سوا کچھ نہیں ہوگا اور انھوں نے دنیا میں جو کیا ہوگا وہ ضائع ہو جائے گا اور وہ جو کیا کرتے تھے وہ باطل ہوگا۔“

صحیح مسلم (۲۸/۱) میں سفیان بن عبد اللہ الشعمی سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا۔ اللہ کے رسول! مجھے اسلام میں کوئی ایسی بات بتائیں جو آپ کے بعد کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے۔ آپ نے فرمایا:

(( قُلْ: اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ ))

”کہو کہ میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر قائم ہو جاؤ۔“

اللہ پر ایمان لانے کے بعد اس پر قائم ہو جانا ہی نجات کا سبب بنتا ہے۔ سورة الاحقاف میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (۱۳)

”بے شک جن لوگوں نے کہا، ہمارا رب اللہ ہے۔ پھر اس پر قائم ہو گئے۔ پس ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔“

﴿أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (۱۴)

”وہی جنتی ہوں گے، اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ جو وہ کیا کرتے تھے یہ ان کی جزا ہوگی۔“

اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے اہل اسلام کی راہنمائی فرمائی ہے کہ جو کچھ سید الانبیاء پر اور آپ سے پہلے ابراہیم، اسماعیل، یعقوب اور اسحاق پر نازل ہوا اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ اور تمام نبیوں علیہم السلام کو دیا گیا، اس پر ایمان لایا جائے، یعنی تمام مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ نہ صرف محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والے قرآن حکیم پر ایمان رکھا جائے بلکہ اس پر بھی ایمان ہونا چاہیے کہ جو آپ سے پہلے نبیوں پر اصلی صورت میں نازل کیا گیا اور یہ حکم بھی ملا کہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں علیہم السلام کے درمیان کسی قسم کا فرق نہیں ہونا چاہئے۔ سب کا ادب و احترام اسی طرح ہونا چاہیے جس طرح اپنے نبی ﷺ کا کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ جو بھی اس کی مخلوق آسمانوں اور زمین میں ہے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے میں ان کی اپنی مرضی یا خوشی کا کوئی عمل دخل نہیں۔ ایمان لانے یا نہ لانے کا اختیار صرف انسان کو ملا ہے۔ کیونکہ اسی کے مطابق اس کی جزایا سزا کا معاملہ طے ہوتا ہے۔ اصل میں انسان کو رغبت دی گئی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق اپنے خالق کی اطاعت کا حق ادا کرنے میں لگی ہوئی ہے، تو بھی سرکشی اور نافرمانی کو ترک کر کے تابعداری اور فرماں برداری اختیار کر لے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اسلام کے علاوہ اس کے ہاں اور کوئی دین مقبول نہیں ہوگا۔ کیونکہ اسلام ہی ایسا دین ہے جس کے تحت تمام انبیاء و رسل علیہم السلام خود زندگی گزارتے رہے اور اپنی اپنی امت کو اسی کی تلقین کرتے رہے اور یہی دین اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہونے والے آخری رسول پر کامل ہو گیا۔

سورة غافر میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (۶۰)

”وہ زندہ ہے، وہی معبود ہے۔ اس کے لیے دین خالص کرتے ہوئے اسی کو پکارو۔ سب تعریفیں جہانوں کے رب کے لیے ہیں۔“

﴿قُلْ إِنِّي نَهَيْتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَمَّا جَاءَ نَبِيُّ الْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّي وَ

أَمَرْتُ أَنْ أُسَلِّمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٦﴾

”آپ کہہ دیں، بے شک مجھے منع کیا گیا ہے کہ اللہ کے علاوہ میں ان کی عبادت کروں جن کو تم پکارتے ہو۔ جب کہ میرے رب کی طرف میرے پاس واضح نشانیاں آگئی ہیں اور مجھے حکم دیا گیا کہ میں رب العالمین کے لیے اپنے آپ کو فرماں بردار بنادوں۔“

جب آپ کو یہ حکم دیا گیا تو عام امتی کی حیثیت کیا ہوگی اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان بھی فرما دیا کہ جو دین حق کو چھوڑ کر کسی اور دین کو اپنائیں گے وہ آخرت میں گھائے والوں میں سے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے ہمیں محفوظ رکھے۔

### حل لغات:

﴿أَفْعِيَر دِينَ اللّٰهِ يَنْفَعُونَ﴾ میں ہمزہ استفہامیہ۔ غیو اسم لازمة الاضافة۔ دین اللہ مرکب اضافی، غیو کا مضاف الیہ ہے۔ يَنْفَعُونَ (مادہ: ب غ ی) فعل مضارع جمع مذكر غائب۔ جملے کا معنی ہے: کیا وہ اللہ کے دین کے علاوہ کوئی اور دین طلب کرتے ہیں۔

﴿وَلَهُ اسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَوْهًا﴾ میں واو حالیہ۔ لام (ن) حرف جر اور ذمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ اسْلَمَ (باب افعال سے) فعل ماضی معروف، صیغہ واحد مذكر غائب۔ مَنْ موصولہ۔ فی حرف جر۔ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مجرور۔ طَوْعًا: طَاعَ يَطُوعُ (ن) سے اور كَوْهًا: كَوَّرَ يَكْوَرُ (س) سے مصدر۔ دونوں مَنْ کا حال واقع ہوئے ہیں۔ جملے کا معنی ہے اور جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں وہ خوشی اور ناخوشی سے اس کے فرماں بردار ہیں۔

﴿وَالِيَهُ يَرْجِعُونَ﴾ میں واو عاطفہ۔ الی حرف جر، ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع۔ يَرْجِعُونَ فعل مضارع مجہول جمع مذكر غائب۔ جملے کا معنی ہے: اور اسی کی طرف وہ لوٹائے جائیں گے۔

﴿قُلْ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ﴾ میں قُلْ فعل امر حاضر، آمَنَّا فعل ماضی جمع متکلم۔ ب حرف جر، لفظ اللہ مجرور۔ واو عاطفہ۔ مَا موصولہ۔ اُنْزِلَ فعل ماضی مجہول واحد مذكر غائب۔ عَلٰی حرف جر۔ نَا ضمیر جمع متکلم۔ إِبْرَاهِيمَ، إِسْمَاعِيلَ، إِسْحَاقَ اور يَعْقُوبَ چاروں اسم غیر منصرف ہیں، ان پر تنوین اور زیر نہیں آتی۔ اسی لیے عَلٰی حرف جر کے باوجود ان کے آخر میں زیر نہیں آئی۔ الْأَسْبَاطِ: السَّبْطُ کی جمع ہے۔ جملے کا معنی ہے: کہہ دیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہمارے اوپر نازل کیا گیا اور جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولادوں پر نازل کیا گیا۔

﴿وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ﴾ میں مَا موصولہ۔ أُوتِيَ فعل ماضی مجہول۔ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ

کے آخر میں جو الف مقصورہ ہے، اس کی وجہ سے اس کا اعراب تقدیری ہے۔ یعنی تمام صورتوں میں آخر میں الف مقصورہ ہی رہے گا۔ النَّبِيُّ: النَّبِيُّ کی جمع۔ جملے کا معنی یہ ہے: اور جو موسیٰ، عیسیٰ اور تمام انبیاء علیہم السلام کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، اس پر بھی ہم ایمان لائے۔

﴿لَا نَفَرِقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ﴾ میں لا نافیہ اور نَفَرِقُ باب تفعیل سے فعل مضارع معروف جمع متکلم۔ جملے کا معنی یہ ہے: اور ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے اور ہم اس (اللہ) کے فرماں بردار ہیں۔

﴿وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ﴾ میں مَنْ شرطیہ۔ يَتَّبِعْ اصل میں يَتَّبِعُ تھا۔ مَنْ کی وجہ سے ی گری ہوئی ہے اور یہ باب افعال (ماوہ: ب غ ی) سے فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ غَيْرَ الْإِسْلَامِ کو اگر اس کا مفعول بنایا جائے تو دِينًا اس کی تفسیر ہوگی اور اگر دِينًا کو مفعول بنالیں تو غَيْرَ الْإِسْلَامِ اس کا حال ہوگا۔ لَنْ جب مضارع پر آتا ہے تو معنی تاکیداً منفی مستقبل میں کر دیتا ہے اور مضارع کے آخر میں زبر لے آتا ہے۔ جیسے یہاں يُقْبَلَ کے آخر میں ہوا ہے اور يُقْبَلَ مضارع مجہول واحد مذکر غائب۔ مَنْ حرف جر اور هُ ضمیر مَنْ کی طرف راجع۔ جملے کا معنی ہے: اور جس نے اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اپنانا چاہا تو اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

﴿وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ میں هُوَ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا۔ فِي حرف جر الْآخِرَةِ مجرور۔ مِنْ بھی حرف جر اور الْخَاسِرِينَ مجرور، خبر۔ جملے کا معنی ہے: اور آخرت میں وہ گھائے والوں میں سے ہوگا۔

18

”اللہ تعالیٰ ان کو کیسے ہدایت دے گا جنہوں نے اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کیا اور گواہی دی کہ بے شک رسول حق ہے اور ان کے پاس واضح نشانیاں (بھی) آگئیں اور اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

وہی لوگ ہیں جن کی جزا بلاشبہ اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہوگی۔

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ  
إِيمَانِهِمْ وَ شَهِدُوا أَنَّ الرُّسُولَ حَقٌّ وَ  
جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ  
الظَّالِمِينَ ﴿٨٦﴾

أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ  
وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿٨٧﴾



اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان کے عذاب میں نہ کوئی کمی کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت ملے گی۔

مگر وہ لوگ جنہوں نے اس کے بعد توبہ کی اور (اپنی) اصلاح کی، پس بے شک اللہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔ بیشک وہ لوگ جنہوں نے اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کیا پھر کفر میں اور زیادہ بڑھ گئے ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی اور وہی لوگ گمراہ ہیں۔

بے شک جنہوں نے کفر کیا اور مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر ہی تھے۔ پس ان میں سے کسی ایک سے زمین کے بھراؤ کے برابر سونا ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اگرچہ فدیہ کے طور پر وہ اس کے ذریعے جان چھڑانی چاہے گا۔ وہی لوگ ہیں کہ جن کے لیے دردناک عذاب ہو گا اور ان کے کوئی مددگار نہ ہوں گے۔

خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿٨٨﴾

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَاصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٨٩﴾

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ارْتَدَّوْا كُفْرًا لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الصَّالُونَ ﴿٩٠﴾

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَرَاءَ فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوْ افْتَدَىٰ بِهِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٩١﴾

### تفسیر:

امام ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انصار میں سے ایک شخص مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو کر مشرکوں سے جا ملا۔ پھر وہ جب اپنے کیے پر نادم ہوا تو اس نے اپنی قوم کے پاس پیغام بھیجا کہ میرے لیے رسول اللہ ﷺ سے پوچھو کہ میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ چنانچہ جب اس شخص کی توبہ کے بارے میں سوال ہوا تو اللہ تعالیٰ نے خود اس کا جواب نازل فرمایا جس میں واضح کر دیا کہ جو لوگ ایمان کی دولت سے مالا مال ہونے اور محمد رسول اللہ ﷺ کے حق ہونے کی گواہی دینے اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو دیکھنے کے بعد کفر و شرک کی طرف لوٹ جائیں گے تو ان پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی ایسی لعنت ہوگی جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان کے اس عذاب میں کسی قسم کی نہ تخفیف ہوگی اور نہ ہی ان کی کسی طرف سے مدد ہوگی۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنا قانون بیان فرمایا دیا کہ ظالموں کو وہ ہدایت سے نہیں نوازتا۔

ظاہر ہے کہ اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو ٹھکرا کر شیطان کی پیروی کرتے

ہوئے کفر و شرک کو اپنائے۔ سورة لقمان میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (۱۳)

”بے شک شرک ظلم عظیم ہے۔“

اور جب کفر و شرک کے ساتھ محمد ﷺ کی رسالت کا بھی منکر ہو اور اللہ تعالیٰ کی کھلی نشانیوں کو دیکھ کر قبول کرنے پر تیار نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی ہدایت اس کو کیسے نصیب ہو سکتی ہے؟

سورة الشوریٰ میں سبحانہ و تعالیٰ کا اعلان ہے۔

﴿يَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ﴾ (۱۳)

”وہ ہدایت اس کو دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔“

ظالم چوں کہ اس کی ہدایت کا طالب نہیں ہوتا، اُس کے حصول کی کوشش ہی نہیں کرتا، اس لیے وہ ہدایت الہی سے محروم رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ بڑا ہی بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے، اس لیے جو لوگ گناہوں سے تائب ہو کر اپنی اصلاح کرنے میں خلوص کا مظاہرہ کرتے ہیں، اور گناہ میں گزرے ہوئے لمحات جب یاد آتے ہیں تو رجیم و کریم کی بارگاہ میں جھک کر آنسو بہاتے ہیں تو اس کی رحمت جوش میں آ جاتی ہے اور وہ نہ صرف اس کے گناہ کو معاف کرتا ہے بلکہ ان کو نیکیوں میں بھی تبدیل کر دیتا ہے۔

سورة الفرقان میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِلَّا مَنْ تَابَ وَ آمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَ كَانَ

اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ (۷۰)

”مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے پس وہی ہیں کہ جن کے گناہوں کو اللہ نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔“

سورة طہ میں اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَ إِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَ آمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَى﴾ (۸۲)

”بے شک میں بڑا ہی بخشنے والا ہوں اس کو جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے، پھر اس نے ہدایت کی راہ اختیار کی۔“

بخاری (ص ۴۹۳، ۴۹۴)، مسلم (۳۵۹/۲) میں ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بنو اسرائیل میں ایک ایسا شخص تھا جس نے ایک کم سو آدمیوں کو قتل کیا تھا۔ پھر اس کے دل میں خیال آیا کہ اس

کو توبہ کر لینی چاہیے۔ چنانچہ وہ لوگوں سے پوچھتا ہوا ایک راہب کے پاس پہنچ گیا اور اس سے کہا: کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ راہب نے نفی میں جب جواب دیا تو اس نے اس راہب کو بھی قتل کر دیا۔ لیکن ضمیر کی ملامت نے اس کو چین نہ لینے دینا اور توبہ کے بارے میں لوگوں سے پوچھتا رہا۔ ایک شخص نے اس کو بتایا کہ تم یہ بستی چھوڑ کر فلاں بستی میں چلے جاؤ۔ وہاں نیک لوگ رہتے ہیں۔ ان میں شامل ہو کر اپنے رب سے معافی مانگو۔ سو آدمیوں کا قاتل اس شخص کی ہدایت کے مطابق نیک لوگوں کی بستی کی طرف چل نکلا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ تقریباً آدھے راستے میں اس کی موت کا وقت آ گیا۔ لیکن مرتے ہوئے بھی اس نے اپنی کوشش جاری رکھی اور آخری دم تک گرتا پڑتا اور ریگستا ہوا نیک لوگوں کی بستی کی طرف بڑھتا رہا۔ جب اس کی موت واقع ہو گئی تو رحمت اور عذاب والے فرشتے وہاں پہنچ گئے۔ رحمت والوں نے کہا: یہ ہمارا ہے۔ نیکی کے ارادے سے نکلا اور نیکی کو پانے میں کوشاں رہا۔ عذاب والوں نے کہا: یہ تو ٹھیک ہے لیکن ابھی اس نے کوئی نیکی نہیں کی۔ بلکہ سو آدمیوں کا قتل بھی اس کے سر پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان فیصلہ اس طرح کرایا کہ برائی کی طرف والی اور نیکی کی طرف جانے والی زمین کی پیمائش کی جائے۔ اگر برائی کے قریب پایا گیا تو عذاب والے اس کو لے جائیں اور اگر نیکی کے قریب ہو چکا ہے تو رحمت والے اس کو لے جائیں۔ جب زمین کی پیمائش ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے نیکی کی طرف والی زمین کو حکم دیا کہ وہ سکڑ جائے اور برائی کی طرف والی سے فرمایا کہ وہ بڑھ جائے۔ چنانچہ زمین کی جب پیمائش ہوئی تو نیکی کی طرف اس کو ایک باشت زیادہ پایا گیا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف فرمادیا۔

اللہ تعالیٰ بڑا ہی مہربان ہے، وہ توبہ کرنے کی نیت اور اخلاص دیکھتا ہے۔ جب بندہ نیک نیتی سے توبہ کر کے نیک عمل میں لگ جاتا ہے تو پھر اس بندے کو اپنی رحمت سے ڈھانپ لیتا ہے۔

سورة الزمر میں زبردست بشارت کا اعلان اپنے حبیب ﷺ سے یوں کرایا۔

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ (۵۳)

”آپ کہہ دیں اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ بے شک اللہ تمام گناہ بخش دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہی بخشے اور رحم کرنے والا۔“

لیکن اگر کوئی شخص اللہ کے دین کو مذاق بنالے۔ جب چاہے اس کو اپنا لے اور جب چاہے اس کو ٹھکرا دے تو پھر ایسے شخص کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا۔ کیونکہ توبہ کے لیے شرط ہے کہ انسان اس برائی کو ہمیشہ کے لیے ترک کر دے جس میں وہ غرق تھا۔ پھر اسلامی تعلیم کے مطابق اپنی اصلاح میں لگ جائے۔ حقیقی طور پر اپنے گناہوں پر

ندامت کا اظہار کرتا رہے۔ اگر بار بار کفر و شرک کی طرف لوٹتے ہوئے اس کی موت واقع ہو جائے اور جہنم کا ایندھن بننا اس کا مقدر بن جائے تو اس وقت وہ فدیہ دے کر اللہ کے عذاب سے نجات حاصل کرنا چاہے تو اس کو کامیابی حاصل نہ ہوگی۔ اگرچہ فدیہ کی رقم اتنی ہو جائے کہ جو کچھ زمین میں ہے وہ سونا بن جائے پھر بھی اللہ کے ہاں مقبول نہ ہوگی۔

سورة المائدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَ مِثْلَهُ مَعَهُ لَيَفْتَقِدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَمَةِ مَا تُقَبَّلُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (۳۱)

”بیشک جنہوں نے کفر کیا اگر ان کے لیے وہ سب کچھ ہو جائے جو زمین میں ہے اور اس کی مثل اتنا اور ساتھ ہو۔ تاکہ قیامت کے روز فدیہ دے کر عذاب سے بچ جائیں تو ان سے وہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔“

بخاری (کتاب الرقاق، ص: ۹۷۰)، مسلم: کتاب النافقین (۳۷۴/۲) کی روایت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب سے پہلے عذاب والے ایک جہنمی سے فرمائے گا کہ زمین میں جو کچھ ہے اگر وہ تیرا ہو جائے تو وہ سب کچھ دے کر جہنم کی آگ سے نجات پانے کے لیے فدیہ کے طور پر تو دے گا؟ وہ کہے گا ہاں۔ اس سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ”میں نے تجھ سے اس سے بہت ہی ہلکی اور آسان سی بات کی چاہت کی۔ تیرے باپ آدم علیہ السلام کی پشت میں تجھ سے عہد لیا تھا کہ تو شرک نہیں کرے گا۔ تو نے اس عہد کو توڑ دیا اور میرے ساتھ شرک کیا۔“ اس معاملے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورة البقرہ میں یوں آگاہ فرمایا ہے:

﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَذْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ﴾ (۷۸)

”اور اس دن سے ڈر جاؤ جس میں کوئی نفس کسی نفس کے کچھ کام نہ آئے گا، نہ اس سے کوئی شفاعت قبول کی جائے گی اور نہ اس سے کوئی فدیہ لے کر اس کو چھوڑا جائے گا اور نہ ان کی کوئی مدد کی جائے گی۔“

سورة ابراہیم کے الفاظ ہیں:

﴿لَا يَبِيعُ فِيهِ وَلَا يَخْلَلُ﴾ (۳۱)

”اس دن نہ کوئی سودے بازی ہوگی اور نہ کوئی دوستی۔“

یعنی اس دن کوئی اگر جنت میں داخل ہونے کے لیے مال یا دوستی استعمال کرنا چاہے، جیسا کہ دنیا میں عام معمول ہے کہ مال اور سفارش کے زور پر مال دار اپنی خواہشات کو پورا کرتے ہیں۔ جائز اور ناجائز کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ اگر کہیں کوئی حادثہ ہو جائے تو ان کا اثر و رسوخ رنگ دکھاتا ہے ہر قسم کی رکاوٹ خود بخود دور ہو جاتی ہے۔ لیکن قیامت کے روز ہر طرح کا اثر و رسوخ بے کار ہو جائے گا۔ وہاں صرف نیک اعمال انسان کے کام آئیں گے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیم کو ٹھکانے والے ظالموں کا انجام دردناک عذاب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے اور اپنی رحمت و بخشش سے ہمیں نواز دے۔

### حل لغات:

﴿كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرُّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ﴾ كَيْفَ استفهامیہ۔ يَهْدِي فعل مضارع معروف۔ لفظ اللہ اس کا فاعل۔ قَوْمًا اس کا مفعول۔ كَفَرُوا اور شَهِدُوا فعل ماضی معروف، جمع مذكر غائب اَنْ حرف مشبہ بالفعل۔ الرُّسُولُ اس کا اسم اور حَقٌّ اس کی خبر۔ جَاءَ باب ضَرْبَ يَضْرِبُ سے فعل ماضی، ہُمْ ضمیر منصوب متصل مفعول۔ الْبَيِّنَاتُ اس کا فاعل۔ جملے کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ اس قوم کو کیسے ہدایت دے گا کہ جس نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا اور انھوں نے گواہی دی کہ رسول اللہ ﷺ حق ہیں اور وہ ان کے پاس نشانیاں لائے۔

﴿وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ واو استعنائیہ، لفظ اللہ مبتدا مرفوع، لَا يَهْدِي فعل مضارع منفی اور الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ مرکب توصیفی اس کا مفعول۔ جملے کا معنی یہ ہے: اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔  
﴿أُولَئِكَ جَزَاءُ هُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ﴾ میں لَعْنَةُ مضاف۔ اللہ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ مضاف الیہ۔ جملے کا معنی یہ ہے: وہی لوگ ہیں کہ جن کی جزا یقینی طور پر یہ ہے کہ ان پر اللہ کی، سب فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہوگی۔

﴿خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَهُمْ لَا يُنْظَرُونَ﴾ خَالِدِينَ کی جمع ہے۔ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ لَا نَافِیہ۔ يُخَفَّفُ اور يُنْظَرُونَ دونوں فعل مضارع مجہول۔ پہلا واحد مذكر غائب اور دوسرا جمع مذكر غائب۔ الْعَذَابُ۔ لَا يُخَفَّفُ کا نائب فاعل ہے۔ جملے کا معنی ہے کہ: اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، ان کے عذاب میں نہ تخفیف کی جائے گی اور نہ انھیں مہلت ملے گی۔

﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ میں إِلَّا حرف استثناء۔ الَّذِينَ: الَّذِينَ کی جمع، اسم موصول۔ تَابُوا وَأَصْلَحُوا دونوں فعل ماضی سے جمع مذكر غائب۔ اِنْ مشبہ بالفعل، لفظ اللہ اس

کا اسم۔ غُفُورٌ رَحِيمٌ اس کی خبر۔ جملے کا معنی یہ ہے: مگر وہ لوگ جنہوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اصلاح کی۔ پس بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ أَزْدَادُوا كُفْرًا لَّنْ نُّقَبِّلَ تَوْبَتَهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الصَّالُونَ﴾ میں ثُمَّ عاطفہ۔ اَزْدَادُوا باب افتعال (مادہ: زی د) سے فعل ماضی معروف جمع مذکر غائب ہے۔ اس میں دال اصل میں تاء تھی جو زاء کے قرب کی وجہ سے دال ہو گئی۔ کُفَرُوا تیز ہے۔ تُقَبِّلُ فعل مضارع مجہول کے آخر میں زیر اس سے ماقبل لَن کی وجہ سے آئی ہے۔ تَوْبَتَهُمْ اس کا نائب فاعل ہے۔ اُولَٰئِكَ اسم اشارہ مبتدا۔ هُمْ ضمیر فصل برائے تخصیص، الصَّالُونَ خبر۔ جملے کا معنی یہ ہے: بے شک جن لوگوں نے اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کیا پھر کفر میں اور بڑھ گئے، ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی اور وہی لوگ گمراہ ہیں۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَآمَنُوا وَهُمْ نُفَارٌ فَلَن يُقَبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوْ افْتَدَىٰ بِهِ﴾ میں إِنَّ مشبہ بفعل۔ الَّذِينَ موصولہ۔ کَفَرُوا وَآمَنُوا فعل ماضی جمع مذکر غائب۔ وَآؤْ حَالِیہ۔ هُمْ ضمیر کفر کے مرکب ہونے والوں کی طرف راجع۔ نُفَارٌ ان کافروں کی جمع کے لیے استعمال ہوتا ہے جو مومنوں کی ضد ہوں۔ فُعَالٌ کے وزن پر مبالغے کا بھی صیغہ ہے۔ جیسے نُفَارٌ۔ مِلْءُ الْأَرْضِ مرکب اضافی۔ ذَهَبًا اس کی تمیز، لَوْ حرف تمنیٰ۔ افْتَدَىٰ فعل ماضی۔ جملے کا معنی یہ ہے: بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور مر گئے اس حال میں کہ وہ کفر پر ڈٹے رہنے والے تھے، پس ان کے کسی ایک سے زمین کے بھڑاؤ کے برابر سونا ہر گز قبول نہیں کیا جائے گا اگر وہ فدیہ کے طور پر دے کر جان چھڑانی چاہے گا۔

﴿أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَّاصِرِينَ﴾ میں عَذَابٌ أَلِيمٌ مرکب توصیفی اور جملے کا معنی ہے کہ وہی لوگ ہوں گے کہ جن کے لیے دردناک عذاب ہوگا اور ان کے کوئی مددگار نہ ہوں گے۔

۱۹

”تم ہرگز نیکی نہیں پاؤ گے جب تک اس میں سے خرچ نہ کرو جو تم محبوب رکھتے ہو اور جو بھی تم خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو جان لے گا۔

تمام کھانے بنی اسرائیل کے لیے حلال تھے مگر وہ جو اسرائیل (یعنی یعقوبؑ) نے تورات کے نازل ہونے

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ  
وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۹۲﴾

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حَلَالًا لِّبَنِي إِسْرَءِيلَ إِلَّا  
مَا حَرَّمَ إِسْرَءِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ

تَنْزِيلُ التَّوْرَةِ ۖ قُلْ فَاتَّبِعُوا بِالْتَّوْرَةِ فَاَتْلَوْهَا  
إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۹۳﴾

فَمَنْ أَفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ  
ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۹۴﴾  
قُلْ صَدَقَ اللَّهُ ۖ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ  
حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۹۵﴾

سے پہلے اپنے نفس پر حرام کیے۔ کہہ دیں کہ تورات لاؤ  
اور اس کو پڑھو اگر تم سچے ہو۔

پس جن لوگوں نے اس کے بعد اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا،  
سو وہی لوگ ظالم ہیں۔

آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا۔ پس ابراہیم حنیف  
کے طریقے کی اتباع کرو اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔

### تشریح:

صحیح مسلم (۳۱۴۲) میں النواس بن سمران الانصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے البر  
والاثم (نیکی اور گناہ) کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

(( اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ ، وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ وَتَكْرِهَتْ أَنْ يَطَّلَعَ عَلَيْهِ النَّاسُ ))

”نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے اور گناہ وہ عمل ہے جو تیرے دل میں کھلے اور تو نا پسند کرے کہ لوگ اس  
سے مطلع ہو جائیں۔“

عمر بن میمون کے مطابق یہاں اس آیت میں ”الْبِرُّ“ سے مراد جنت ہے۔ یعنی جنت میں داخل ہونا ہے۔

صحیح بخاری (ج: ۳۸۶، ۳۸۸، ص: ۶۵۴)، اور صحیح مسلم (ارح: ۳۲۳) کی روایت ہے کہ جب ﴿لَكُنْ

تَتَّالُوا الْبِرَّ﴾ والی آیت نازل ہوئی تو ابو طلحہ الانصاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا:  
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جنت میں تم اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتے کہ جب تک اپنا محبوب ترین مال اس کی راہ  
میں خرچ نہیں کرو گے اور میرا عزیز ترین مال بیبر حاء نامی باغ ہے۔ یہ باغ مسجد کے بالکل سامنے تھا۔  
رسول اللہ ﷺ اکثر اس میں تشریف لے جاتے اور اس کا بیٹھا پانی پیا کرتے تھے۔ ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے  
عرض کیا: میں وہی باغ اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اللہ کے پاس میرے لیے بھلائی اور  
اجرو ثواب کا ذخیرہ ہونے کا سبب بنے گا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: بہت خوب! یہ مال تو بہت ہی فائدہ بخش ہے اور لوگوں کو اس سے فائدہ ہوگا۔

میری رائے ہے کہ تم اس باغ کو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔

پس انھوں نے اس کو آپ کے حکم کے مطابق رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔

اس روایت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ ریاست کو فلاحی اس لیے کہا جاتا تھا



کہ اس میں عوام الناس کی فلاح و بہبود کا خیال رکھا جاتا تھا۔ صدقہ کرنے والے اپنا قیمتی باغ صدقہ کرتے ہوئے آپ کو اختیار دیتے ہیں کہ آپ جس طرح مناسب سمجھیں اس کو تقسیم کریں یا اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ چونکہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار ان کی طرح مالدار نہ تھے، اس لیے آپ نے ان کو اپنے غریب رشتہ داروں سے حسن سلوک کا حکم دیا۔ ہمارا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یہاں صاحب اقتدار و اختیار اور مالدار سودی قرضے لے کر خود تو عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں اور قرضوں کا بوجھ عوام الناس پر ڈال دیتے ہیں۔ سم تو یہ ہے کہ اس بوجھ کو اتارنے یا ہلکا کرنے کی کوشش بھی نہیں کی جاتی۔ بلکہ دن بدن وہ بھاری ہوتا جا رہا ہے۔

یہ بھی آپ ﷺ کا کمال تھا کہ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایسی تربیت فرمائی کہ مالدار اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے بے قرار رہتے تھے۔ دنیا کی بجائے اپنی آخرت کو سنوارنے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ بخاری (ص: ۳۸۹) مسلم (۲/۳۱) میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں زمین کا ایک حصہ ملا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ مجھے ایسی زمین ملی ہے کہ اس سے بڑھ کر نفیس مال مجھے کبھی نہیں ملا۔ اس کے بارے میں آپ مجھے کیا حکم ارشاد فرماتے ہیں:

آپ نے فرمایا:

”اگر تو چاہے تو اس کی اصل کو روک رکھ اور اس میں سے حاصل ہونے والی آمدنی کو صدقہ کر دے۔“

چنانچہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کیا اور اس بارے میں تحریر لکھ دی کہ اس کی اصل نہ فروخت کی جائے، نہ ہبہ میں دی جائے اور نہ میراث ہی میں تقسیم کی جائے۔ بلکہ اس سے حاصل ہونے والی آمدنی فقیروں، قریبوں، غلاموں کی آزادی، اللہ کی راہ میں مسافروں اور مہمانوں پر خرچ کی جائے۔ جو بھی اس کا والی ہوگا وہ اس میں سے معروف طریقے پر کھائے اور دوست کو کھلائے، اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا، اگر وہ اس کو مال داری کی نیت سے جمع کرنے والا نہ ہوگا۔

عمر فاروق کو اپنی زندگی کا بہترین مال ایک زمین کی صورت میں ملا ہے۔ دنیا میں اس مال کو بڑھانے کا خیال ان کے دل میں نہ آیا۔ بلکہ اللہ کے ہاں اجر پانے کے لیے اس کو اللہ کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب ان کو خلافت سے نوازتا ہے اور فتوحات کا سلسلہ ایران تک پھیلتا ہے تو کوفہ کے امیر ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کو جلولاء سے حاصل ہونے والی لوٹ بڑیوں میں سے ایک لوٹ خریدنے کا حکم دیتے ہیں۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ان کے لیے خریدی ہوئی لوٹ بڑی ان کے سامنے پیش کی گئی تو وہ ان کو اچھی لگی۔ امام القرطبی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ اس وقت انھوں نے کہا: اللہ عز و جل کا فرمان ہے کہ ”تم ہرگز نیکی کا اجر نہیں پاؤ گے جب تک اس میں سے وہ

خرچ نہ کرو جو تمہیں محبوب ہو۔“ انھوں نے اس لونڈی کو آزاد کر دیا۔

تفسیر ابن کثیر میں ان کے بیٹے عبد اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب قرآن حکیم کی تلاوت کرتے ہوئے: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ﴾ والی آیت پر پہنچے تو انھوں نے اپنے دل میں اپنے تمام مال پر غور کیا کہ اس میں سے سب سے زیادہ ان کے نزدیک پسندیدہ اور محبوب کیا ہے ان کی ایک رومی لونڈی ہی سب سے زیادہ محبوب نکلی۔ انھوں نے اسی وقت کہا:

”هِيَ حُرَّةٌ لَوْ جِهِ اللَّهُ وَلَوْ أَنِّي أَعُوذُ فِي شَيْءٍ جَعَلْتُهُ لِلَّهِ لَنَكَحْتُهَا يَغْنَى تَزَوَّجْتُهَا“

”یہ اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لیے آزاد ہے۔ اگر میں نے کسی ایسی چیز کو واپس لینا ہوتا جس کو میں نے اللہ کی راہ میں دے دیا ہے تو میں اس سے ضرور نکاح کرتا۔“

یعنی ان کے دل میں اس کی بہت ہی محبت تھی۔ لیکن انھوں نے اللہ کی محبت کے حصول کے لیے اپنی محبت کو قربان کر دیا۔

اسد بن موسیٰ سے مذکور ہے کہ:

”أَعْتَقَ ابْنُ عُمَرَ نَافِعًا مَوْلَاةً“

”ابن نے اپنے مولیٰ نافع کو آزاد کر دیا۔“

سورة الدھر (الانسان) میں اللہ کے نیک بندوں کی صفات میں سے یہ صفت بھی بیان ہوئی ہے۔

﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا﴾ (۸)

وہ اپنی ضرورت اور چاہت کے باوجود مسکین یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔“ (اور کہتے ہیں)

﴿إِنَّمَا نَطْعِمُكُمْ لَوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا﴾ (۹)

”ہم تم کو اللہ کی رضا کی خاطر کھانا کھلا رہے ہیں۔ ہم تم سے جزا و شکر کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ جو بھی کام کرتے، اس میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہی ان کا مقصود و مطلوب ہوتا۔ نمود و نمائش کی ذرا سی بھی اس میں آمیزش نہ ہوتی۔ اسی لیے اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

پہلی قوموں میں سے سب سے زیادہ ذکر بنو اسرائیل کا ہوا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ اونٹ کے گوشت کی حرمت تورات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی تھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کی بیماری لاحق ہوئی۔ یہ اس درد کا نام ہے جو ران سے شروع ہو کر پاؤں تک جاتی ہے اور بیمار چلنے

پھرنے سے عاجز ہو جاتا ہے۔ یعقوب علیہ السلام جب اس بیماری میں مبتلا ہوئے تو اطباء نے ان کو اونٹ کے گوشت سے پرہیز کرنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ انھوں نے نہ صرف پرہیز کیا بلکہ اس کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔ یہود نے ان کی پیروی کرتے ہوئے اونٹ کے گوشت کو اپنے لیے حرام کرتے ہوئے دعویٰ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم تورات میں نازل فرمایا ہے۔

تفاسیر میں یہ بھی مروی ہے کہ انھوں نے نذر مانی تھی کہ اگر ان کو شفا ہو جائے تو اپنی مرغوب و محبوب کھانے والی چیز اپنے اوپر حرام کر لیں گے۔ چنانچہ جب ان کو شفا ہوئی تو انھوں نے اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ اپنے اوپر حرام کر لیا۔ یہود کا کہنا تھا کہ یہ حکم تورات میں نازل ہوا۔ حالانکہ تورات کا نزول کئی صدیاں بعد موسیٰ علیہ السلام پر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دعوے کا رد قرآن حکیم میں نازل فرمایا اور رسول اللہ ﷺ نے جب ان کو تورات لانے کو کہا تو وہ تورات نہ لائے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جو انھوں نے کہا ہے وہ جھوٹ ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ﴿فَاتُوا بِالْتَّوْرَةِ فَاتْلُوْهَا اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ﴾ کی تفسیر میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہود نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک زانی اور زانیہ کو ساتھ لائے۔ آپ نے دریافت فرمایا: تم میں سے کوئی جب زنا کرے تو تم اس کے ساتھ کیا کرتے ہو؟ انھوں نے کہا ہم دونوں کے منہ سیاہ کر کے ان کو مارتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم تورات میں رجم نہیں پاتے؟ انھوں نے کہا کہ ہم اس بارے میں تورات میں کچھ بھی نہیں پاتے۔ عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا۔ تم نے جھوٹ بولا ہے تورات لاؤ اور اس کو پڑھو اگر تم سچے ہو۔ تورات لائی گئی۔ اس کو پڑھنے والا عالم رجم والی آیت پر ہاتھ کر اس کے آگے اور پیچھے والی آیات پڑھ لیتا۔ عبد اللہ بن سلام نے اس کا ہاتھ وہاں سے ہٹا کر کہا یہ کیا ہے؟ کہنے لگے یہ تو رجم کا حکم دینے والی آیت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تورات کے حکم کے مطابق زانی زانیہ کو رجم کرنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ ان دونوں کو مسجد کے قریب جنازہ گاہ میں رجم کیا گیا۔ راوی کا بیان ہے میں نے دیکھا کہ دونوں ایک دوسرے کو بچا رہے تھے۔

جس طرح رجم کے بارے میں یہود کے جھوٹ کا پول کھل گیا اسی طرح یعقوب علیہ السلام کے واقعہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے والی بات بھی غلط ثابت ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو آگاہ کر دیا کہ وہ ظالم ہیں۔ آپ سے اعلان کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا وہی حق اور سچ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ کی اتباع کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ اور ساتھ ہی ان کے بارے میں وضاحت فرما دی کہ وہ مشرک نہیں تھے۔ اس میں یہود کو تو بیخ و بنبیہ تھی کہ مسلمانوں کو راہ حق سے ہٹانے کے جو حربے استعمال کر رہے ہو ان سے باز آ جاؤ اور ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بندگی و عبادت کا جو طریقہ اختیار کیا، اسی کو تم بھی اپناؤ۔



إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ  
مُبْرَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ﴿۹۶﴾

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَمَنْ  
دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۗ وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حُجُّ  
الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَنْ  
كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿۹۷﴾

قُلْ يَٰٓأَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ  
وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ﴿۹۸﴾  
قُلْ يَٰٓأَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ  
اللَّهِ مَنْ آمَنَ تَبْغُونَهَا عِوَجًا ۖ وَأَنْتُمْ شُهَدَآءُ  
ۚ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۹۹﴾

”بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے (اللہ کی  
بندگی کی خاطر) زمین میں بنایا گیا، وہ مکہ میں ہے جو  
بہت بابرکت اور جہانوں کے لیے ہدایت کا سبب ہے۔

اس میں واضح نشانیاں ہیں ان میں سے ایک مقام ابراہیم  
ہے، اور جو کوئی اس گھر میں داخل ہوگا وہ امن میں ہو جائے  
گا۔ اور لوگوں میں سے ان پر بیت اللہ کا حج فرض ہے جو  
اس کی ادائیگی کی استطاعت رکھتے ہوں۔ اور جو کوئی انکار  
کرے تو بے شک اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے لا پرواہ ہے۔

کہہ دیں اے اہل کتاب! تم اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیوں  
کرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہے جو تم کرتے ہو۔  
کہہ دیں اے اہل کتاب! تم اللہ کی راہ سے اس کو کیوں  
روکتے ہو جو ایمان لائے اور تم اس میں کج روی تلاش  
کرتے ہو۔ حالانکہ تم گواہ ہو، اور جو بھی تم کرتے ہو۔ اللہ  
تعالیٰ اس سے غافل نہیں۔

### تشریح:

مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ یہود اور مسلمانوں کے درمیان بیت اللہ اور بیت المقدس کے بارے میں کچھ فحریہ  
گفتگو ہوئی۔ یہود نے کہا:

”بَيِّنَاتُ الْمَقْدَسِ أَفْضَلُ وَأَعْظَمُ مِنَ الْكَعْبَةِ لِأَنَّهُ مَهَاجِرُ الْأَنْبِيَاءِ وَفِي الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ  
”بیت المقدس کعبۃ اللہ سے افضل واعظم ہے کیونکہ وہی نبیوں کی ہجرت گاہ اور ارض مقدسہ میں ہے۔“

مسلمانوں نے جواباً کہا:

”بَلِ الْكَعْبَةُ أَفْضَلُ“

”بلکہ کعبہ افضل ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے ﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ﴾ والی آیت نازل فرمادی۔ چونکہ یہود نے جان بوجھ کر اسلام کو قبول نہیں کیا تھا، اس لیے ان کی کوشش رہتی تھی کہ مسلمانوں کے دلوں میں شکوک پیدا کرتے رہیں اور کسی نہ کسی طرح سے ان کے دین کی فضیلت اسلام پر ثابت ہو جائے اور تحریف شدہ تورات کو حق تسلیم کر لیا جائے۔ اسی کے جواب میں اللہ نے محمد رسول اللہ ﷺ سے کہلویا کہ سچ تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اگر تم ابراہیم علیہ السلام کو مانتے ہو تو پھر ان کی اتباع کرو۔ بیت المقدس کو بیت اللہ پر فضیلت دیتے ہوئے تمہیں خیال نہیں آتا کہ بیت اللہ تو ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکہ میں بنایا۔ جب کہ صدیوں بعد بیت المقدس کی تکمیل حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھوں ہوئی۔ یہ حوالہ تعمیر ثانی کا ہے کیونکہ بیت اللہ کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر اتارے جانے سے پہلے ہی فرشتوں سے اللہ تعالیٰ نے بنوایا تھا۔ جیسا کہ تفسیر ابن جریر (پ: ۶، المائدہ، ص: ۱۸۸) اور تفسیر ابن کثیر (۴/۲) میں عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی لمبی روایت کا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا:

”هَلْ تَعْلَمُ أَنَّ لِي بَيْتًا فِي الْأَرْضِ؟ قَالَ: لَا. اللَّهُمَّ لَا. قَالَ: إِنَّ لِي بَيْتًا فِي مَكَّةَ قَاتِبَهُ“

”کیا تو جانتا ہے کہ زمین میں میرا ایک گھر ہے؟ آدم علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے اللہ! میں نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک میرا ایک گھر مکہ میں ہے وہاں جاؤ۔“

دوسرا قول یہ ہے کہ بیت اللہ کے بنانے والے حضرت آدم علیہ السلام خود تھے۔ فتح الباری (۴/۲۶) میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے امام بیہقی رحمہ اللہ کی دلائل النبوة کے حوالے سے عبد اللہ بن عمرو سے مرفوعاً نقل کیا ہے:

”بَعَثَ اللَّهُ جِبْرِيلَ إِلَى آدَمَ فَأَمَرَهُ بِنَاءِ الْبَيْتِ فَبَنَاهُ آدَمُ ثُمَّ أَمَرَهُ بِالطَّوْفِ بِهِ وَقِيلَ لَهُ أَنْتَ أَوَّلَ النَّاسِ وَهَذَا أَوَّلُ بَيْتٍ وَضِعَ لِلنَّاسِ“

”اللہ تعالیٰ نے جبریل کو آدم علیہ السلام کے پاس بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ وہ بیت اللہ کی تعمیر کریں۔ آدم علیہ السلام نے اس کو بنادیا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر آدم علیہ السلام کو اس گھر کا طواف کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ حکم کی تعمیل کر چکے تو ان سے کہا گیا کہ انسانوں میں سے آپ پہلے انسان ہیں اور یہ پہلا گھر ہے جو لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے کے لیے بنایا گیا۔“

فتح الباری ہی میں عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ طوفان نوح میں بیت اللہ کو اٹھالیا گیا:

”وَكَانَ الْأَنْبِيَاءُ يُحْجُونَهُ وَ لَا يَعْلَمُونَ مَكَانَهُ حَتَّى بَوَّاهُ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ وَ أَعْلَمَهُ“

مِكَانَهُ“

”اور انبیاء علیہم السلام اس کا حج کیا کرتے تھے لیکن اس کی اصل جگہ نہیں جانتے تھے۔ یہاں تک کہ ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ کی اصل جگہ کے بارے میں آگاہ کیا۔“

سورة الحج میں اس کی تائید یوں ہوتی ہے:

﴿وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ (۲۶)﴾

”جب ہم نے ابراہیم کو بیت اللہ کی اصل جگہ کی نشان دہی کر دی۔“

ابراہیم علیہ السلام بھی جانتے تھے کہ مکہ میں اللہ کا گھر تھا۔ اسی لیے انھوں نے اپنی بیوی بچے کو لا کر وہیں آباد کیا۔ سورة ابراہیم میں انہی کی دعا کو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کا حصہ بنا دیا۔

صحیح بخاری کی کتاب الانبیاء میں بڑی تفصیل سے پورا واقعہ منقول ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ اللہ میں دعا کی:

﴿رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بُوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا

الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ

يَشْكُرُونَ (۲۷)﴾

”اے ہمارے رب! بے شک میں نے اپنی ایک اولاد کو تیرے عزت والے گھر کے پاس بے آباد وادی

میں بسایا ہے۔ اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز قائم کریں۔ چل لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف جھکا دے

اور ان کو پھلوں کا رزق عطا فرما تاکہ وہ شکر کریں۔“

صحیح بخاری کی ایک لمبی روایت کا حصہ ہے: ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے پاس آ کر کہتے ہیں۔

”إِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي بِأَمْرٍ قَالَ: فَاصْنَعْ مَا أَمَرَكَ رَبُّكَ“

”بے شک اللہ نے مجھے ایک حکم دیا ہے، بیٹے نے کہا جس کام کا حکم آپ کے رب نے آپ کو دیا ہے وہ

آپ کریں۔“

ابراہیم نے کہا:

”وَتُعِينُنِي؟ قَالَ: وَأُعِينُكَ۔ قَالَ: فَإِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي أَنْ أَبْنِيَ هَهُنَا بَيْتًا وَ أَشَارَ إِلَيَّ أَكْمِيَّةَ

مُرْتَفَعَةٍ عَلَى مَا حَوْلَهَا“

”کیا تم میری مدد کرو گے؟ انھوں نے کہا: میں آپ کی مدد کروں گا۔ ابراہیم نے کہا بے شک اللہ تعالیٰ

نے مجھے حکم دیا ہے کہ یہاں ایک گھر عبادت کے لیے بناؤں۔ پھر انھوں نے ٹیلے کی طرف ایک اونچی



زمین اور اس کے آس پاس کی طرف اشارہ کیا۔“

”فَعِنْدَ ذَلِكَ رَفَعَا الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ فَجَعَلَ إِسْمَاعِيلُ يَأْتِي بِالْحِجَارَةِ وَابْرَاهِيمُ يَبْنِي حَتَّى إِذَا ارْتَفَعَ الْبِنَاءُ جَاءَ بِهَذَا الْحَجَرِ فَوَضَعَهُ لَهُ فَقَامَ عَلَيْهِ وَهُوَ يَبْنِي وَإِسْمَاعِيلُ يُنَاوِلُهُ الْحِجَارَةَ وَهُمَا يَقُولَانِ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ“

”پس اسی جگہ کے پاس انھوں نے بیت اللہ کی بنیادوں کو اٹھایا۔ اسماعیل علیہ السلام پتھر لاتے اور ابراہیم معماری کرتے یہاں تک کہ عمارت بلند ہو گئی۔ اسماعیل علیہ السلام مقام ابراہیم والا پتھر لائے اور ان کے لیے زمین پر رکھ دیا۔ ابراہیم علیہ السلام اس پر کھڑے ہو کر تعمیر کرتے رہے اور اسماعیل علیہ السلام ان کو پتھر پکڑاتے رہے۔ ساتھ دونوں دعا کرتے رہے۔ اے ہمارے رب! ہم سے یہ عمل قبول فرما۔ بے شک تو ہی بہت زیادہ سننے اور جاننے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی تعمیر کی وضاحت کرنے کے ساتھ اس سے بھی آگاہ کر دیا کہ وہ نہ صرف بابرکت ہے بلکہ تمام جہاں کے لوگوں کے لیے ہدایت کا سبب بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کو مکہ ہی میں مبعوث فرمایا۔ مکہ ہی میں شمع توحید روشن ہوئی۔ اسلام کی برکت سے بیت اللہ باطل معبودوں سے نہ صرف پاک ہوا بلکہ ان کی پرستش کرنے والے اسلام کے مبلغ اور نیک اعمال میں دنیا کے لیے بہترین نمونہ بن گئے۔

اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ میں رکھی گئی نشانیوں میں سے ایک خاص نشانی ابراہیم علیہ السلام سے منسوب اس پتھر کا ذکر کیا ہے جس پر کھڑے ہو کر وہ بیت اللہ کی دیواروں کو بلند کرتے رہے اور معجزانہ طور پر ان کے پاؤں کے نشان اس پر محفوظ ہو گئے۔ اس سے ایک لطیف سا نکتہ یہ بھی سامنے آتا ہے کہ وہ زمانہ ایسا نہیں تھا کہ چند دنوں میں عمارت مکمل ہو جاتی۔ بلکہ اسماعیل علیہ السلام ایک ایک پتھر عمارت کی مناسبت سے لاتے ہوں گے اور ہو سکتا ہے کہ اس وقت کے مطابق نامناسب کو بھی مناسب بناتے ہوں گے جس سے عمارت کی تعمیر میں خاصہ وقت لگ گیا ہوگا۔

بیت اللہ کی برکات میں سے ایک اہم برکت کا اعلان اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا کہ جو کوئی اس میں داخل ہوگا وہ دنیا میں بھی مامون ہوگا اور قیامت کے روز جہنم کی آگ سے بھی محفوظ ہوگا۔

بخاری ص: ۲۰۶، مسلم (۴۳۶۱) کی روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(( مَنْ حَجَّ لِلَّهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَانَّهُمْ يَفْسُقُ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ ))

”جس نے اللہ کے لیے حج کیا اور فسق و فجور سے بچا رہا، وہ اس دن کی طرح ہو جائے گا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنما تھا۔“

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے صاحب استطاعت لوگوں پر حج فرض کر دیا۔ تاکہ زندگی میں ایک مرتبہ گناہوں سے پاک ہونے کے ساتھ اپنے قبلہ اور بیت اللہ میں رکھی گئی نشانیوں کا مشاہدہ کر لیں۔

یہود کے حوالے سے بات ہوئی تھی لہذا اللہ تعالیٰ نے آپ سے اعلان کروادیا کہ اللہ کی آیات کا انکار کیوں کرتے ہو لوگوں کو اس کی راہ سے کیوں روکتے ہو؟ جن باتوں کے بارے میں تم شکوک پیدا کر رہے ہو۔ ان کے سچ ہونے پر تم خود بھی گواہ ہو۔ لہذا حق کو اپنا اور راہ راست پر آ جاؤ۔

اللہ تعالیٰ کج روی سے ہمیں محفوظ رکھے۔

### حل لغات:

﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ﴾ میں إِنَّ مشبہ بفعل۔ اَوَّلَ بَيْتٍ مرکب اضافی۔ وُضِعَ فعل ماضی مجہول۔ لام حرف جر اور النَّاسِ مجرور۔ لَلَّذِي کا لام تاکید اور الَّذِي موصولہ۔ بِبَكَّةَ کی باء حرف جر اور بِكَّةَ چونکہ غیر منصرف۔ اس لیے مجرور ہونے کے باوجود اس کے آخر میں زیر آئی ہے۔ اس کے غیر منصرف ہونے کی وجہ ایک شہر کا نام ہونا اور دوسرا سبب اس کے آخر میں تائے تانیث لفظی ہے۔

مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اصل میں یہ لفظ مَكَّة ہی ہے اور اس کی میم، باء سے بدل گئی ہے۔ جیسے طِنٌ لازِبٌ کو طِنٌ لازِمٌ کہا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ لفظ اَلْبَكُّ سے مشتق ہے جس کا معنی ازدحام ہے۔ چونکہ طواف کرتے ہوئے لوگوں کا ازدحام ہوتا ہے اس لیے اس کو بَكَّةَ کہا گیا۔ اَلْبَكُّ کا دوسرا معنی گردن کا ٹوٹنا ہے۔ یہاں جب ظلم کیا جائے تو بڑے بڑے جاہلوں کی گردنیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ اصحاب فیل کا جو حشر ہوا اللہ تعالیٰ نے اس کو قرآن حکیم کا حصہ بنا دیا۔ یہ بھی منقول ہے کہ بیت اللہ کی عمارت کی جگہ کو بَكَّةَ اور سارے شہر کو مَكَّةَ کہا جاتا ہے۔ جب کہ محمد بن شہاب کے مطابق مسجد بَكَّةَ اور سارا حرم مَكَّةَ ہے۔ مُبَارَكًا وَ هُدًى لِلْعَالَمِينَ حال۔ جملے کا معنی ہے: بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لیے (اللہ کی بندگی عبادت کی خاطر) بنایا گیا وہ مکہ میں ہے۔ جو بڑا ہی بابرکت اور جہانوں کے لیے ہدایت کا سبب ہے۔

﴿فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ﴾ میں فی حرف جر۔ وَ ضَمِيرٌ اَوَّلَ بَيْتٍ کی طرف راجع ہے۔ اَيْتٌ بَيِّنَةٌ۔ مرکب توصیفی۔ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ مرکب اضافی۔ جملے کا معنی ہے: اس میں واضح نشانیاں ہیں۔ ان میں سے ایک مقام ابراہیم ہے۔

﴿وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا﴾ میں وَاَوْعَاطُف۔ مَنْ شرطیہ۔ دَخَلَ فعل ماضی۔ وَ ضَمِيرٌ اَوَّلَ بَيْتٍ کی ہی طرف

لوٹ رہی ہے۔ كَانَ فعل ناقص۔ اِنَّمَا اسم فاعل اس کی خبر۔ یہ جملہ جواب شرط ہے۔ اور پورے جملے کا معنی ہے: اور جو اس میں داخل ہوگا وہ امن میں ہو جائے گا۔

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ حَيْثُ اسْتِطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ میں وَاَوْ عاطفہ اور لِلّٰهِ کا لام ایجاب والزام کا ہے۔ عَلَى وجوب کی تاکید کو ظاہر کر رہا ہے۔ عربوں میں جب کہا جائے۔ لِفُلَانٍ عَلٰی كَذَا تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ فلاں کو اتنی اتنی رقم دینی میرے اوپر واجب ہے۔ عَلَى حرف جر اور النَّاسِ اس کا مجرور۔ حِجُّ الْبَيْتِ مرکب اضافی۔ مَن شرطیہ۔ اسْتَطَاعَ فعل ماضی۔ اِلٰی حرف جر۔ وَضَمِير حِجِّ الْبَيْتِ کی طرف راجع ہے۔ سَبِيْلًا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور لوگوں میں سے اللہ کے لیے بیت اللہ کا حج کرنا ان پر فرض ہے جو وہاں جانے کی استطاعت رکھتے ہوں۔

﴿وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ﴾ میں مَن شرطیہ۔ كَفَرَ فعل ماضی۔ فَاِنَّ کی فاء جواب شرط اور اِنَّ مشبہ بفعل۔ لفظ اللہ اس کا اسم اور غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: اور جس نے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے لا پرواہ ہے۔

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِآيٰتِ اللّٰهِ وَاللّٰهِ شَهِيدٌ عَلٰی مَا تَعْمَلُوْنَ﴾ میں قُل فعل امر۔ یا حرف ندا۔ اَهْلَ الْكِتٰبِ مرکب اضافی منادی۔ لِمَ استفہامیہ۔ تَكْفُرُوْنَ فعل مضارع۔ بِآيٰتِ اللّٰهِ کی باء حرف جر۔ آيٰتِ اللّٰهِ مجرور۔ وَاللّٰهُ شَهِيدٌ عَلٰی مَا تَعْمَلُوْنَ میں لفظ اللہ مبتدا اور شَهِيدٌ ..... اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: کہہ دیں اے اہل کتاب! تم اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیوں کرتے ہو اور جو بھی تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس پر گواہ یعنی اس کی حقیقت سے آگاہ ہے۔

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنِ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبِعُوْنَهَا عَوْجًا﴾ میں تَصُدُّوْنَ اور تَبِعُوْنَ دونوں فعل مضارع۔ مَنْ موصولہ۔ اٰمَنَ فعل ماضی۔ عَوْجًا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: آپ کہہ دیں اے اہل کتاب! تم اس کو اللہ کی راہ سے کیوں روکتے ہو جو ایمان لے آئے۔ تم اس میں کج روی ڈھونڈتے ہو۔

﴿وَ اَنْتُمْ شٰهَدَآءُ﴾ میں وَاَوْ حالیہ۔ اَنْتُمْ ضمیر مرفوع منفصل۔ شٰهَدَآءُ: شہید کی جمع۔ جملے کا معنی ہے: حالانکہ تم گواہ ہو۔

﴿وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ میں مَا نافیہ۔ غَافِلٌ اسم فاعل۔ حرف جر کی وجہ سے مجرور عن حرف جر مَا موصولہ۔ تَعْمَلُوْنَ فعل مضارع۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں جو تم کرتے ہو۔

”اے ایمان والو! جن لوگوں کو کتاب دی گئی ان میں سے کسی ایک فریق کی اگر تم اطاعت کرد گے تو وہ تمہیں تمہارے ایمان لانے کے بعد کفر کی طرف لوٹا دیں گے۔

تم کفر کے کیسے مرتکب ہو سکتے ہو اس حال میں کہ تم پر اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں اور تم میں اس کا رسول موجود ہے۔ اور جو کوئی اللہ کو مضبوطی سے تھامے گا بے شک وہ سیدھی راہ کی طرف لگا دیا جائے گا۔

اے ایمان والو! اللہ سے اس طرح ڈر جاؤ جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہاری موت اس حال میں آئی چاہیے کہ تم مسلمان ہو۔

اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور گروہ بندی نہ کرنا اور اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت ڈال دی تو تم اس کی نعمت کے سبب آپس میں بھائی بھائی ہو گئے حالانکہ تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے پس اس نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اسی طرح اللہ اپنی آیات تمہارے لیے بیان کرتا ہے۔ تاکہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ أَوْتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كُفْرًا ﴿١٠٠﴾

وَ كَيْفَ تَكْفُرُونَ وَ أَنْتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَ فِيكُمْ رَسُولُهُ ط وَ مَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٠١﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَ لَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَ أَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ ﴿١٠٢﴾

وَ اعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَ لَا تَفَرَّقُوا ۖ وَ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ۚ وَ كُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُم مِّنْهَا ط كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٠٣﴾

### تشریح:

قرآن حکیم کو اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے لیے قیامت تک ضابطہ حیات بنا دیا ہے اور اس کے مطابق عمل کرنے والوں کو جنت کی نوید اور اس کی تعلیم کو ٹھکرانے والوں کو جہنم کی وعید سنا دی ہے۔ یہود و نصاریٰ کی جس مخالفت کا سامنا

قرآن حکیم کے نزول کے وقت اہل ایمان کو کرنا پڑا، آج بھی ویسی ہی مخالفت بڑی شدت کے ساتھ ہو رہی ہے۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ کی یہی چاہت تھی اور ہے کہ اہل اسلام ان کی پیروی اور اطاعت کرتے رہیں۔ اسی لیے سورة البقرہ میں اللہ تعالیٰ نے ہادی برحق پر واضح کر دیا۔

﴿وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾ (۱۲۰)

”اور یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے کہ جب تک آپ ان کے طریقہ کو اختیار نہ کر لیں۔“

آج یہود و نصاریٰ کی یہ دیرینہ خواہش اپنے عروج پر ہے۔ کیونکہ وہ برداشت نہیں کرتے کہ اہل اسلام ان کے مقابلے میں مضبوط اور طاقتور ہو جائیں۔ ان کا حسد اور بغض کبھی بھی مسلمانوں سے مخفی نہیں رہا۔ جس نبی کریم ﷺ کے وہ منتظر تھے اور ان کی کتابوں میں ان کی نبوت و رسالت کی خبر دی گئی تھی، ان کو قبول کرنے پر تیار نہ ہوئے۔ وہی حسد اور کینہ اب کھل کر سامنے آ رہا ہے اور اپنی قوت و طاقت کے زور پر مسلمانوں کو زیر کرنے کا انھوں نے آغاز کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں جب انھوں نے اپنے دلوں میں اس پروگرام کو مرتب کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے اہل ایمان کو آگاہ کر دیا۔ سورة البقرہ ہی کے الفاظ ہیں:

﴿وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِنَّا بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّ لَهُمُ الْحَقُّ﴾

”اہل کتاب کی اکثریت پسند کرتی ہے کہ تمہارے ایمان لانے کے بعد تمہیں کفر کی طرف لوٹا دیں۔ ان کی یہ خواہش ان کے دلوں میں حق کے ظاہر ہو جانے کے بعد محض حسد کی بنا پر پیدا ہوئی ہے۔“

﴿فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (۱۰۹)

”تم درگزر کرو اور ملامت ترک کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ان کا مقابلہ کرنے کا بہترین طریقہ بھی بتا دیا۔

﴿وَاقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَ مَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَحِدُّوهُ عِنْدَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ (۱۱۰)

”اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور جو بھلائی بھی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے، اس کو اللہ کے پاس پاؤ گے۔ بے شک جو بھی تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھتا ہے۔“

یعنی اپنی اجتماعیت کو نماز اور زکوٰۃ کے ذریعے قوی کرو۔ آج بھی نماز اور زکوٰۃ کا نظام حقیقی طور پر قرآن حکیم میں

بیان کردہ صورت میں نافذ کر دیا جائے تو ہماری مشکل بھی اسی طرح آسان ہو جائے گی جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ہوئی۔ مالدار لوگ اگر اندرون اور بیرون ملک اپنا سرمایہ رکھنے کی بجائے ملکی معیشت کو مضبوط کرنے کے لیے اسلامی جذبہ کے تحت ملکی منفعت میں لگائیں اور اپنے مال کی پوری پوری زکوٰۃ نکالیں تو پاکستان میں غربت کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور نماز کی برکت سے دشمن پر غلبہ حاصل ہو سکتا ہے۔

اہل ایمان کو قیامت تک آگاہ کر دیا گیا کہ اگر اہل کتاب میں سے کسی ایک فریق کی بھی اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں کفر کی طرف لوٹا دیں گے۔ یعنی اسلامی تعلیم سے دور کر کے کفار جیسے کاموں میں لگا دیں گے۔ چنانچہ آج امت محمدیہ کی اکثریت انہی کی اطاعت کر رہی ہے یا عموماً انہی کی نقالی میں لگی ہوئی ہے، اور اپنے دین سے منہ موڑ کر ایسے کاموں میں اپنی زندگی کھپا رہی ہے جو آخرت کی بربادی کا سبب بنتے ہیں۔

تفاسیر میں منقول ہے کہ یہ آیات اوس اور خزرج کے بارے میں نازل ہوئیں جب یہود نے ان کو اسلام کی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد آپس میں ایک دوسرے کے لیے ایثار و قربانی کا مجسمہ بنتے دیکھا تو وہ برداشت نہ کر سکے اور انھوں نے ان کی مجالس میں جا کر شعراء کے ذریعے ان جنگوں کا ذکر چھیڑ دیا جو ان کے درمیان ایک سو بیس سال لڑی جاتی رہی تھیں جس سے پرانی دشمنی نے جوش مارا۔ اوس اور خزرج اسلحہ لے کر لڑنے مرنے کے لیے میدان میں آ گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب معلوم ہوا تو آپ فوراً وہاں تشریف لے گئے اور ان کو یہ آیات سنائیں جس پر اوس اور خزرج دونوں نے ندامت کا اظہار کیا اور پھر سے ایک دوسرے کو گلے لگایا۔ یہ وہ وقت تھا کہ سید الانبیاء ﷺ ان میں موجود تھے اور آپ نے یہود کی خطرناک ترین سازش کو خاک میں ملا دیا۔ جب اہل اسلام کی راہنمائی کرنے والے خود ہی ان کی غلامی کا طوق گلے میں ڈالنے کو معیوب نہ سمجھیں تو پھر امت محمدیہ کو ان کے تباہ کن عزائم سے کون بچائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے تعجب کے طور پر فرمایا کہ تم کفر کے مرتکب کیسے ہو سکتے ہو جب کہ تم پر اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں اور اس کے رسول ﷺ تم میں موجود ہیں۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے قتادہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے:

”فِي هَذِهِ الْآيَةِ عِلْمَانِ بَيِّنَانِ: كِتَابُ اللَّهِ وَنَبِيُّ اللَّهِ، فَأَمَّا نَبِيُّ اللَّهِ فَقَدْ مَضَى، وَأَمَّا كِتَابُ اللَّهِ فَقَدْ أَبْقَاهُ اللَّهُ بَيْنَ أَظْهَرِهِمْ رَحْمَةً مِنْهُ وَنِعْمَةً، فِيهِ حَلَالَةٌ وَحَرَامَةٌ وَطَاعَتُهُ وَتَعْصِيَتُهُ“

”اس آیت میں دو واضح نشانیاں ہیں۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اللہ کے نبی۔ اللہ کے نبی ﷺ تو چلے گئے اور اللہ نے اپنی کتاب کو ان کے درمیان اپنی رحمت اور نعمت کے طور پر باقی رکھا جس میں حلال

وحرام اور اس کی اطاعت و نافرمانی کی وضاحت کر دی گئی ہے۔“

اب امت محمدیہ کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والا ضابطہ حیات اور اس کے نبی ﷺ کا اسوہ حسنہ موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اعلان کر دیا کہ جو اللہ تعالیٰ کے دین پر مضبوطی سے قائم رہے گا وہ سیدھی جنت کو جانے والی راہ پر گامزن کر دیا جائے گا۔ اس سے یہ وضاحت بھی ہو جاتی ہے کہ جو اللہ کو مضبوطی سے نہیں تھامے گا، اس کی ہدایت کے مطابق عمل نہیں کرے گا تو وہ سیدھی راہ پر نہیں ہوگا۔

اسی بات کو مزید واضح کرنے کے لیے اس نے حکم دے دیا کہ جس طرح اللہ سے ڈرنے کا حق ہے اسی طرح اس سے ڈرتے ہوئے قرآن و سنت کے مطابق عمل کیا جائے، ہر مسلم کو موت اس حال میں آئے کہ اللہ کا تابع دار اور فرماں بردار ہو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک لمحہ کے لیے بھی اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(( اَنْ يَطَاعَ فَلَا يُعْصَى وَ اَنْ يُذَكَّرَ فَلَا يُنْسَى وَ اَنْ يُشْكَرَ فَلَا يُكْفَرُ ))

”اس کی اطاعت کی جائے، نافرمانی نہ کی جائے۔ اس کا ذکر کیا جائے اس کو بھلایا نہ جائے، اور اس کا شکر کیا جائے ناشکری نہ کی جائے۔“

قوموں کی تباہی کا عموماً سبب ان کا باہمی افتراق و انتشار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لیے تباہی کا بنیادی سبب بیان کرنے سے پہلے ہی متنبہ کر دیا اور اہل ایمان کو حکم دے دیا کہ ہر قسم کی گروہ بندی سے بچتے ہوئے صرف اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لینا ہے اس کے سوا کسی اور کی طرف نہیں دیکھنا۔ اسی پر توکل اور بھروسہ کرنا ہے۔ اسی کی رضا کو پانے کے لیے کوشاں رہنا ہے۔ اس حکم میں عجیب نکتہ یہ ہے کہ جب ہر مسلمان اللہ کی رسی سے منسلک ہو جائے تو امت میں خود بخود اتحاد قائم ہو جائے گا۔ جب کئی جماعتیں اور کئی گروہ ہوں گے تو اتحاد کبھی بھی قائم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ انسانی فطرت ہے کہ وہ عزت و شہرت کا متنبی ہوتا ہے اور اس کے حصول کے لیے دینی اور قومی مفادات کو قربان کر دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انسان کی اسی کمزوری کو پیش نظر رکھتے ہوئے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایسی تربیت فرمائی کہ ان میں سے ہر ایک مخدوم کی بجائے خادم بننے کو ترجیح دیتا تھا۔ جماعتی تفریق کا نتیجہ کیا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو آگ کا گڑھا قرار دیا۔ اوس و خزرج اور قیامت تک امت محمدیہ پر واضح کر دیا گیا کہ اسلام ہی وہ نعمت ہے جس کے ذریعے دلوں کی دوریوں کو قرب میں بدلا جاسکتا ہے اور ہر قسم کی نفرت و کدورت بھی محبت و الفت میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ لیکن اس نعمت الہی سے وہی مستفید ہوگا جس کا ایمان مضبوط ہوگا۔



بخاری: کتاب الایمان، ص: ۷۷ و مسلم: کتاب الایمان، ص: ۴۹ میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تین باتیں جس میں ہوں گی وہی ایمان کی مٹھاس پائے گا۔ پہلی یہ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ اس کو سب سے زیادہ محبوب ہوں۔ دوسری یہ کہ جس بندے کو محبوب رکھتا ہو تو اس کی محبت محض اللہ کے لیے ہونی چاہیے۔ تیسری یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جب اُسے کفر سے بچایا ہو تو کفر کی طرف لوٹنے کو وہ اسی طرح نا پسند کرتا ہو جس طرح آگ میں ڈالے جانے کو نا پسند کرتا ہو۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ امت محمدیہ کو افتراق و انتشار سے محفوظ رکھے۔“

### حل لغات:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا فَرِيقًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ﴾ میں يَا أَيُّهَا حرف ندا۔ الَّذِينَ آمَنُوا منادی۔ جب منادی معرف باللام ہو تو حرف ندا کے ساتھ ذکر ہونے کی صورت میں آیتھا اور مؤنث ہونے کی صورت میں آیتھا لگ جاتا ہے۔ اِنْ شرطیہ۔ تَطِيعُوا فعل مضارع۔ فَرِيقًا اس کا مفعول۔ مِنْ بیانیہ۔ الَّذِينَ موصولہ۔ اُوتُوا فعل ماضی مجہول۔ الْكِتَابَ مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اے ایمان والو! جن لوگوں کو کتاب دی گئی اگر ان میں سے تم نے ایک فریق کی اطاعت کی۔ (یہ جملہ شرط ہے اور اگلہ جملہ اس کا جواب ہے۔)

﴿يُؤْذُوكُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كُفْرِينَ﴾ میں يُؤْذُو فعل مضارع۔ جواب شرط ہونے کی وجہ سے نون گری ہوئی ہے۔ کُمْ ضمیر اس کا مفعول۔ بَعْدَ ظرف مضاف۔ إِيمَانِكُمْ اس کا مضاف الیہ۔ کُفْرِينَ۔ کُمْ ضمیر کا حال۔ جملے کا معنی ہے: تو وہ تمہیں تمہارے ایمان لانے کے بعد کفر کی طرف لوٹا دیں گے۔

﴿كَيْفَ تَكْفُرُونَ وَ أَنْتُمْ تُنْفِلُ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَ فِيكُمْ رَسُولُهُ﴾ میں كَيْفَ استفہامیہ بصورت تعجب۔ تَكْفُرُونَ فعل مضارع۔ واؤ حالیہ۔ فِی حرف جر۔ کُمْ ضمیر مجرور۔ رَسُولُهُ ای ہو موجود فیکم۔ جملے کا معنی ہے: تم کیسے کفر کے مرتکب ہو سکتے ہو اس حال میں کہ تم پر اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں اور اس کے رسول تم میں موجود ہیں۔

﴿وَ مَنْ يَغْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هَدَىٰ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ میں واؤ عاطفہ۔ مَنْ شرطیہ۔ يَغْتَصِم فعل مضارع۔ ب حرف جر۔ لفظ اللہ مجرور فَقَدْ کی فاء جواب شرط۔ قَدْ حرف تحقیق۔ هَدَىٰ فعل ماضی مجہول۔ اِلٰی حرف جر۔ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ مرکب توصیلی مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اور جس نے اللہ تعالیٰ کو مضبوطی سے تھام لیا۔ یعنی اس کے دین کے مطابق عمل کیا بے شک وہ سیدھی راہ پر لگا دیا گیا۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ میں اتَّقُوا فعل امر۔ لفظ الله مفعول۔ حَقَّ تَقَاتِهِ۔ اتَّقُوا کا بیان و تاکید ہے۔ تَقَاتِهِ میں ثقافۃ اصل میں وقیہ ہے۔ واو مضمومہ تاء میں تبدل ہوئی ہے۔ واو عاطفہ لا نافیہ۔ تَمُوتُنَّ فعل مضارع اور اس کے آخر میں تاکید کے لیے لایا گیا نون ثقیلہ۔ إِلَّا حرف استثناء۔ واو حالیہ۔ أَنْتُمْ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا۔ مُسْلِمُونَ۔ مُسْلِم کی جمع سالم اسم فاعل خبر۔ جملے کا معنی ہے: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈر جاؤ جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں موت اس حال میں آنی چاہیے کہ تم مسلمان ہو۔

﴿وَاغْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ میں اغْتَصِمُوا فعل امر اور لَا تَفَرَّقُوا فعل نہی۔ جَمِيعًا حال۔ حَبْلِ اللَّهِ مرکب اضافی ب حرف جر کی وجہ سے مجرور ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور سب مل کر اللہ کی رسی کو تھام لو اور گروہ بندی نہ کرنا۔

﴿وَاذْكُرُوا اللَّهَ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً﴾ میں اذْكُرُوا فعل امر۔ يَغْمَتُ اللَّهُ مرکب اضافی مفعول۔ عَلٰی حرف جر۔ كُمْ ضمیر مخاطب کی۔ اِذْ ظرف مبنی۔ كُنْتُمْ فعل ناقص۔ اَعْدَاءُ اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ جب تم آپس میں دشمن تھے۔

﴿فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا﴾ میں أَلَّفَ فعل ماضی۔ بَيْنَ ظرف۔ قُلُوبِكُمْ بَيْنَ کا مضاف الیہ۔ أَصْبَحْتُمْ فعل ماضی جمع مذکر حاضر ناقصہ اور إِخْوَانًا اس کی خبر۔ بِنِعْمَتِهِ کی ضمیرہ اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ جملے کا معنی ہے: پس اس نے تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی۔ لہذا تم اس کی نعمت کے سبب آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔

﴿وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا﴾ میں واو حالیہ۔ كُنْتُمْ فعل ناقص۔ عَلٰی حرف جر۔ شَفَا حُفْرَةٍ مرکب اضافی۔ مِنْ بیاہیہ۔ النَّارِ مجرور۔ أَنْقَذَ فعل ماضی۔ كُمْ ضمیر مفعول۔ مِنْهَا کی ضمیرہا حُفْرَةٍ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ جملے کا معنی ہے۔ حالانکہ تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے۔ پس اس نے تمہیں اس سے بچالیا۔

﴿كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْيُسْرَىٰ﴾ میں کاف تشبیہ کا اور ذَلِك اسم اشارہ۔ يُبَيِّنُ فعل مضارع۔ لفظ الله اس کا فاعل۔ الْيُسْرَىٰ اس کا مفعول۔ لَعَلَّ حرف رجا۔ مُمْكِن الحصول آرزو کے واسطے استعمال ہوتا ہے۔ تَهْتَدُونَ فعل مضارع۔ جملے کا معنی ہے: اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیات بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ۔

۲۲

”اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائے اور اچھائی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور جنہوں نے واضح نشانیاں آجانے کے بعد آپس میں اختلاف کیا اور انہی کے لیے عذاب عظیم ہوگا۔

جس دن بعض چہرے سفید روشن ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے، پس جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟ پس تم جو کفر کیا کرتے تھے اس کے سبب عذاب کا مزا چکھو۔

اور جن کے چہرے سفید روشن ہوں گے پس وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے۔ اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں جو حق کے ساتھ ہم پڑھ کر تمہیں سناتے ہیں اور اللہ جہانوں کے ساتھ ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا۔

اور اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں اور جو زمین میں ہے، اور اللہ ہی کی طرف تمام معاملات کو لوٹایا جائے گا۔

وَلَتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٤﴾

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٥﴾

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ ۖ أَكْفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿١٠٦﴾

وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٠٧﴾

بَلْكَ آيَاتُ اللَّهِ تَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۖ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعَالَمِينَ ﴿١٠٨﴾

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَ إِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿١٠٩﴾

تشریح:

اسلام میں تعلیم و تبلیغ کا شعبہ اتنا اہم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو حکم دیا کہ اس مقصد کے لیے تم میں سے باقاعدہ طور پر ایک جماعت تیار رہنی چاہیے۔ اس کا آغاز خود محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور جب تک آپ دنیا میں

رہے، اس عظیم مقصد میں کمی یا کوتاہی واقع نہ ہونے دی۔ غیر مسلموں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور اسلام میں داخل ہونے والوں کو بھلائی کے کاموں میں لگے رہنے اور برائی سے بچنے کی تلقین فرمائی، اسلامی ریاست کے قائم ہوتے ہی مسجد نبوی میں تعلیم و تربیت کا ایسا مرکز قائم کر دیا جس میں بہترین مبلغ تیار ہوئے اور انھوں نے اسلام کی سر بلندی میں زبردست کردار ادا کیا۔ جن میں بالخصوص خلفائے راشدین اور بعض دیگر صحابہ پیش پیش تھے۔ پھر ائمہ امت نے اس سلسلہ کو آگے بڑھایا اور قرآن دست کے پیغام کو دنیا میں پھیلایا۔

دعوت الی الخیر سے مراد دین کی دعوت ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام مؤثر انداز میں وہی کر سکے گا جو دینی علوم کا ماہر یا ان کو اچھی طرح سمجھنے اور سمجھانے والا ہوگا۔ جس کا اپنا علم ہی کمزور ہوگا وہ دوسرے کو دعوت حق کیا دے گا۔ لہذا اصلاً یہ کام علمائے کرام کا ہے۔ لیکن مسلمانوں میں سے بہت سے لوگ ایسے پیدا ہو چکے ہیں جو اس اہم نکتہ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور جاہل ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو عالم سمجھتے ہیں یا علم کی ان کے ہاں کوئی قدر نہیں ہوتی۔

صحیح بخاری (ص: ۲۰ کتاب العلم)، صحیح مسلم (ج: ۲، کتاب العلم) میں عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بے شک اللہ تعالیٰ علم کو اپنے بندوں سے کھینچ کر قبض نہیں کرے گا بلکہ علماء کو قبض کرتے ہوئے علم کو قبض کرے گا یہاں تک کہ کوئی عالم باقی نہیں رہے گا اور لوگ جہلاء کو سردار بنالیں گے، پھر ان سے مسائل پوچھے جائیں گے اور وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے۔ خود گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو گمراہ کریں گے۔“

آپ کی پیش گوئی کے مطابق امت کی اکثریت اسی طرف جارہی ہے۔ علماء کی بجائے جہلاء کی بات کو اہمیت دی جاتی ہے جس سے گمراہی پھیلتی جا رہی ہے۔ برائی کو اپنایا اور اچھائی کو ترک کیا جا رہا ہے۔ یہی باتیں پہلی امتوں میں اختلاف اور گروہ بندی کا سبب بنیں اور آج امت محمدیہ پر بھی ویسے ہی حالات دکھائی دے رہے ہیں۔

جامع ترمذی (۱۰۴۲-۱۰۴۳ ابواب الایمان) میں ابو حضرت ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یہود و نصاریٰ اکہتر بہتر (۷۱-۷۲) فرقوں میں تقسیم ہوئے اور میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں تقسیم ہوگی۔“

امام ترمذی نے ساتھ ہی عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے بھی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میری امت پر وہی وقت ضرور آئے گا جو بنو اسرائیل پر آیا۔ وہ ایسا ہوگا کہ جیسے ایک پاؤں کا جوتا دوسرے پاؤں کے جوتے کے برابر ہوتا ہے۔ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں سے علانیہ زنا کہا ہوگا تو میری امت میں بھی کوئی بد بخت ایسا ہی کرے گا۔ بے شک بنو اسرائیل بہتر (۷۲) فرقوں میں تقسیم ہوئی اور میری امت تہتر (۷۳) میں تقسیم ہوگی۔“

((كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوا: مَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ مَا آنَا عَلَيْهِ وَ أَصْحَابِي -))

”ایک فرقے کے علاوہ باقی سارے جہنم میں ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ اللہ کے رسول! وہ فرقہ کونسا

ہوگا؟ آپ نے فرمایا: جو لوگ اُس دین پر ہوں گے جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔“

جبکہ سنن ابن ماجہ (کتاب الفتن) میں الجماعة، ہی الجماعة منقول ہے۔ یعنی جو جماعت کی صورت میں ایک ہوں گے اور ان میں کوئی اختلاف اور گروہ بندی نہ ہوگی۔ اس سے مراد ویسی ہی جماعت ہے جیسی کہ آپ نے ۲۳ سالوں میں تشکیل فرمائی۔ جس میں شامل تمام مسلمان آپس میں دینی بھائی تھے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو حزب اللہ کا نام دیا ہے۔ سورة المجادلہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝﴾

”آپ ایسے لوگ نہیں پائیں گے کہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہوئے ان لوگوں سے دوستی کریں جو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھتے ہوں۔ اگرچہ وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے عزیز و اقارب ہی ہوں۔ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اس (اللہ) نے ایمان لکھ دیا اور اپنی طرف سے روح کے ساتھ ان کی مدد کی اور ان کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ وہی لوگ اللہ کی جماعت ہیں، آگاہ ہو جاؤ اللہ کی جماعت ہی فلاح پانے والی ہے۔“

آج ہمیں ایسی ہی جماعت کی ضرورت ہے اور ایسی جماعت وجود میں اسی وقت آ سکتی ہے کہ جب قرآنی تعلیم کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو رائج کیا جائے گا۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو قبول کر کے حزب اللہ کی صورت اختیار کرنے والوں کا ذکر سورة التوبة میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ سِيَّامُورُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ

اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٥﴾

”سب مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ اچھائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں۔ وہی لوگ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحم کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ غلبے والا حکیم ہے۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عمل کرتے تھے۔ آپس میں ایک دوسرے کی خیر خواہی کا حق ادا کیا کرتے تھے۔ اس کے باوجود قرآن حکیم میں ارشاد ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا سلسلہ مستقل طور پر قائم ہونا چاہیے۔ کیونکہ اسی کے ذریعے معاشرہ بگاڑ سے بچتا ہے، اسی لیے مسلم حکمرانوں کے فرائض میں اس کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

سورة الحج میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّهُمُ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ لِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾

”ان کو زمین میں اگر ہم حکومت سے نوازیں تو وہ نماز اور زکوٰۃ کا نظام قائم کریں گے لوگوں کو اچھائی کا حکم دیں گے اور برائی سے ان کو روکیں گے۔ اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔“

یہ کام نہ صرف مسلم حکمرانوں کے فرائض میں شامل کیا گیا ہے بلکہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنی اپنی استطاعت کے مطابق اس پر عمل کرے۔

صحیح مسلم (۵۱/۱)، ترمذی، (۳۹/۲) نسائی، (۲۶۵/۲) میں ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا:

(( مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ ، وَ مَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ ، وَ مَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَ ذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ ))

”تم میں سے کوئی برا کام ہوتا کام دیکھے اگر وہ صاحب قوت و اختیار ہو تو اس کو استعمال کرتے ہوئے اس منکر کو روکے۔ اگر صاحب قوت و اختیار نہ ہو تو زبان استعمال کرے اور زبان بھی استعمال نہ کر سکے تو دل میں اس کو بُرا سمجھے اور یہ کمزور ترین ایمان کی علامت ہوگی۔“

اسلام نے اس پر زور اس لیے دیا کہ جن قوموں نے اس کی پروا نہ کی وہ اللہ کے عذاب میں تباہ و برباد ہو گئے۔

ترمذی (۳۹/۲) میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”تم اچھائی کو اپنانے اور برائی سے بچنے کا حکم ضرور دیتے رہنا۔ اگر ایسا نہ کیا تو قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اللہ تعالیٰ تم پر ایسا عذاب نازل فرمائے گا کہ تم دعائیں مانگو گے لیکن وہ قبول نہ ہوں گی۔“

اسی حوالے سے اللہ تعالیٰ نے اس دن سے ڈرایا ہے جس میں اطاعت کرنے والوں کے چہرے روشن ہوں گے اور نافرمانوں کے چہروں پر ان کے برے اعمال کی وجہ سے سیاہی چھائی ہوئی ہوگی۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ وہ کسی بھی بندے کے ساتھ ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا۔ بلکہ ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزا یا سزا ملے گی۔ ظاہر ہے کہ جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے برائیوں کا مقابلہ کرتے ہیں اور اس مقابلہ کی وجہ سے مختلف آزمائشوں سے ان کو گزرنا پڑتا ہے، تو رحمت الہی کی صورت میں ان کو جزاء سے نوازا جائے گا۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس میں جگہ عطا فرمائے۔

### حل لغات:

﴿وَلَتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ میں واو عاطفہ۔ لَتَكُنْ واحد مؤنث فعل امر غائب۔ اگر اس کو تکان تامہ سے لایا جائے تو اُمۃ اس کا فاعل اور يَدْعُونَ اِلَى الْخَيْرِ اس کی صفت ہوگی اور اگر كَانَ فعل ناقص سمجھا جائے تو پھر اُمۃ اس کا اسم اور يَدْعُونَ والا جملہ اس کی خبر ہوگی۔ يَدْعُونَ۔ يَأْمُرُونَ اور يَنْهَوْنَ تینوں فعل مضارع۔ الْمُفْلِحُونَ، الْمُفْلِح کی جمع سالم۔ جملے کا معنی ہے: اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے کہ جو بھلائی کی دعوت دے۔ اچھائی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ﴾ میں لَا تَكُونُوا فعل نہیں۔ كَالَّذِينَ کا کاف تشبیہ کا اور الَّذِينَ موصولہ۔ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا فعل ماضی۔ مِنْ حرف جر۔ بعد ظرف۔ مَا مصدر یہ۔ جَاءَ فعل ماضی۔ هُمْ ضمیر مفعول اور الْبَيِّنَاتُ اس کا فاعل۔ جملے کا معنی ہے: اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے آپس میں نشانیوں کے آجانے کے بعد گروہ بندی کی اور اختلاف کیا۔

﴿وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ میں واو عاطفہ۔ أُولَٰئِكَ اسم اشارہ۔ لام حرف جر اور هُمْ ضمیر مجرور متصل۔ عَذَابٌ عَظِيمٌ مرکب توصیفی۔ جملے کا معنی ہے: اور وہی لوگ ہیں کہ ان کے لیے زبردست عذاب ہوگا۔



﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ﴾ میں یوم ظرف زمان۔ تَبْيَضُّ وَ تَسْوَدُّ دونوں فعل مضارع سے واحد مؤنث غائب کے صیغے۔ وَجُوهٌ ان کے فاعل۔ جملے کا معنی ہے: جس دن چہرے روشن ہوں گے اور چہرے سیاہ ہوں گے۔

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكْفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ﴾ میں فَأَمَّا تفصیلیہ۔ الَّذِينَ موصولہ۔ اسْوَدَّتْ فعل ماضی واحد مؤنث غائب۔ وَجُوهُهُمْ اس کا فاعل۔ ہمزہ استفہامیہ توبیخ و تعجب کے طور پر۔ تَكْفُرْتُمْ فعل ماضی۔ بَعْدَ ظرف ماضی۔ إِيمَانِكُمْ اس کا مضاف الیہ۔ فَذُوقُوا کی فاء ربط کی اور ذُوقُوا فعل امر۔ الْعَذَابُ اس کا مفعول۔ بِمَا کی باء سببیہ اور مَا مصدریہ۔ تَكْفُرُونَ فعل مضارع۔ فعل مضارع پر جب كَانَ اور اس کے مشتقات آجائیں تو وہ فعل ماضی استمراری ہو جاتا ہے۔ جملے کا معنی ہے: پس وہ لوگ کہ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا تم نے اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟ پس تم جو کفر کیا کرتے تھے اس کے سبب عذاب چکھو۔

﴿وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ میں ابْيَضَّتْ فعل ماضی۔ وَجُوهُهُمْ اس کا فاعل۔ رَحْمَةِ اللَّهِ حرف جر فی کا مجرور۔ هُمْ ضمیر مرفوع متصل۔ فِيهَا کی ضمیر رَحْمَةِ اللَّهِ کی طرف راجع۔ خَالِدُونَ اسم فاعل خَالِد کی جمع۔ جملے کا معنی ہے: اور وہ لوگ جن کے چہرے سفید روشن ہوں گے، پس وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہوں گے۔ اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

﴿يَلِكْ اَيْتُ اللَّهِ تَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ﴾ میں يَلِكْ اسم اشارہ۔ اَيْتُ اللَّهِ مشار الیہ۔ تَتْلُوْا فعل مضارع سے جمع مکمل۔ هَا ضمیر اَيْتُ اللَّهِ کی طرف راجع ہے۔ عَلٰی حرف جر اور ضمیر کاف مجرور متصل۔ جملے کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی یہ آیات ہیں جو ہم تجھ پر حق کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ یعنی آپ کو سناتے ہیں۔

﴿وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظَلَمًا لِّلْعَالَمِينَ﴾ میں وَاو عاطفہ۔ مَا نافیہ۔ لفظُ اللَّهِ مبتدا۔ يُرِيدُ فعل مضارع۔ ظَلَمًا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کے لیے ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا۔

﴿وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَ اِلٰی اللَّهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ﴾ میں وَاو عاطفہ۔ لِلَّهِ جار مجرور۔ دونوں مَا موصولہ اور دونوں فِی حرف جر۔ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ان کے مجرور۔ تُرْجَعُ فعل مضارع مجہول سے واحد مؤنث غائب۔ الْاُمُوْرُ اس کا نائب فاعل۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں اور جویں میں ہے اور اللہ ہی کی طرف تمام معاملات کو لوٹایا جائے گا۔

”تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی۔ تم اچھائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو، اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو ان کے لیے اچھا ہوتا۔ ان میں سے بعض مومن ہیں لیکن اکثریت فاسقوں کی ہے۔

معمولی ستانے کے علاوہ وہ ہر گز تم کو ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور اگر تم سے قتال کریں تو تم سے اپنی پٹھیں پھیر کر بھاگیں گے، پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔

جہاں بھی وہ ہوں گے ان پر ذلت مسلط کر دی گئی ہے سوائے اس کے کہ وہ اللہ اور لوگوں کی پناہ میں ہوں اور وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے اور ان پر مسکینی لکھ دی گئی۔ یہ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا کرتے تھے اور انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کیا کرتے تھے۔ یہ اس لیے کہ انھوں نے نافرمانی کی اور وہ زیادتی کیا کرتے تھے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلْعَالَمِينَ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۚ وَتَزَاهُنَّ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ۚ مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَ أَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۱۱۰﴾

لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى ۚ وَإِنْ يُضَارُّوكُمْ يُلَوِّكُمُ الْأَذْيَارُ ۚ ثُمَّ لَا يَنْصُرُونَ ﴿۱۱۱﴾

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا تَفُتُّوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللَّهِ وَ حَبْلٍ مِنَ النَّاسِ وَ بَاءَ وَ بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۚ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَ يَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَ كَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿۱۱۲﴾

### تشریح:

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت کو مزید اجاگر کرنے کے لیے اسی پر عمل کرنے کی وجہ سے امت محمدیہ کو بہترین امت قرار دیا گیا ہے کیونکہ محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والوں کی یہ صفت بہت نمایاں تھی۔ صحابہ کرام آپس میں ایک دوسرے کے انتہائی خیر خواہ تھے، ان میں سے ہر ایک کی کوشش ہوتی تھی کہ اس سے کوئی ایسا کام نہ ہو جائے جس سے اس کی آخرت برباد ہو جائے۔ انسان ہونے کے ناطے کسی سے غیر شعوری طور پر کوئی غلطی یا خطا ہو جاتی تو اس کا کوئی دینی بھائی خیر خواہی کے تقاضوں کو ضرور پورا کرتا اور ﴿رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ کے مطابق عمل کیا جاتا۔

رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام کو اس کی تلقین فرمایا کرتے اور آپ ﷺ کے بعد خلفاء راشدین نے بھی اس کی اہمیت میں کوئی کمی واقع نہ ہونے دی۔

جامع الترمذی (ج: ۲، ص: ۴۹)، سنن ابی داؤد (ص: ۵۹۶) اور سنن ابن ماجہ (ص: ۲۸۹) کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکر الصديق رضی اللہ عنہ نے کہا، اے لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾

”اے ایمان والو! اپنے آپ کو بچاؤ، جو راہ حق سے ہٹ گیا وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا، اگر تم ہدایت پر رہو گے۔“

ترمذی و ابوداؤد کے الفاظ ہیں:

((تَصْعُونَهَا عَلَىٰ غَيْرِ مَوَاضِعِهَا۔ سَمِعْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: ((إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوْا الظَّالِمَ فَلَمْ يَأْخُذُوا عَلَىٰ يَدَيْهِ أَوْ شَكَ أَنْ يَعْمَهُمُ اللَّهُ بِعِقَابٍ))

”تم اس آیت کو اس کی غیر صحیح جگہ پر رکھ رہے ہو۔ (یعنی اس کا صحیح مطلب و مفہوم سمجھ نہیں رہے ہو) ہم نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب لوگ ظالم کو (ظلم کرتا) دیکھیں۔ پھر اس کو ظلم کرنے سے نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر عذاب نازل فرمادے۔“

سنن ابن ماجہ کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوْا مُنْكَرًا فَلَمْ يُعَيِّرُوهُ يُوشِكُ أَنْ يَعْمَهُمُ اللَّهُ بِعِقَابِهِ))

”بے شک لوگ جب (قرآن و سنت کے خلاف) ہوتا برا کام دیکھیں اور اس کو تبدیل (یعنی ختم) نہ کر دیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے عذاب میں مبتلا کر دے۔“

سنن ابی داؤد کی ایک اور روایت کے مطابق آپ نے فرمایا:

((مَا مِنْ قَوْمٍ يُعْمَلُ فِيهِمْ بِالْمَعَاصِي ثُمَّ يَقْدِرُونَ عَلَىٰ أَنْ يُعَيِّرُوا ثُمَّ لَا يُعَيِّرُونَ إِلَّا يُوشِكُ أَنْ يَعْمَهُمُ اللَّهُ بِعِقَابٍ))

”جس کسی قوم میں معصیت کے کام ہو رہے ہوں اور لوگ ان کو ختم کرنے پر قادر ہوتے ہوئے بھی ختم نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو عام عذاب میں مبتلا کر دے۔“

حضرت ابوبکر الصديق نے سورۃ المائدہ کی آیت ۱۰۵ سے متعلق پیدا ہونے والی غلط فہمی کو دور کر دیا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اور قیامت تک امت محمدیہ پر واضح کر دیا کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت

والے کام کو ختم کرنے کے لیے اپنا کردار ادا کرتا رہے۔ ایسے کاموں پر نہ خوشی کا اظہار کرے اور نہ ان کے مرتکب ہونے والوں کا ساتھ دے۔

سورة الفرقان میں عباد الرحمن کی صفات میں سے ایک صفت یہ ہے:

﴿وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ۖ﴾ (۷۲)

”جب کبھی ان کا گزر لغویات کے پاس سے ہوتا ہے تو اپنا دامن بچا کر گزر جاتے ہیں۔“

یہ بھی خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ اچھائی کا حکم دینے اور برائی سے بچنے کی تلقین کرنے والے کا اپنا عمل بھی اس کے قول کے مطابق ہونا چاہیے۔ کیونکہ سورة القف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۚ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ۚ﴾

”اے ایمان والو! وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑی ناراضی کا سبب یہ ہے کہ تم وہ کہو جو خود نہیں کرتے۔“

صحیح بخاری (ص ۳۶۲) اور صحیح مسلم (ج ۲: ص ۴۱۲) کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”قیامت کے روز ایک شخص کو لایا جائے گا اور اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا، اس کی انتڑیاں اس کے پیٹ سے باہر آ کر ڈھیر کی صورت اختیار کر لیں گی، وہ شخص اس ڈھیر کے گرد ایسے گھومے گا جس طرح گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے۔ اہل جہنم اکٹھے ہو کر اس سے پوچھیں گے ”اے فلاں تیرا یہ کیا معاملہ ہے؟ کیا تو ہمیں اچھائی کو اپنانے اور برائی سے بچنے کا حکم نہیں دیا کرتا تھا؟“

وہ کہے گا کہ ”میں تم سے تو کہا کرتا تھا کہ اچھائی کو اپناؤ لیکن خود نہیں اپناتا تھا، تم سے کہا کرتا تھا کہ برائی سے بچ جاؤ خود نہیں بچتا تھا۔“

امت محمدیہ کی اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں جو فضیلت بیان فرمائی ہے اس کو پانے کے لیے ضروری ہے کہ امت کے افراد اس کے مطابق عمل کریں۔ تفسیر جامع البیان میں ﴿مُكْنِتُمْ حَيْرَاتِ﴾ کی وضاحت کرتے ہوئے امام ابن جریر نے قتادہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو جج کیا، اس موقع پر فرمایا:

”اے لوگو! تم میں سے جو پسند کرتا ہے کہ اس امت میں سے ہو جائے تو اس کو لازم ہے کہ اللہ کی رکھی ہوئی شرط کو پورا کرے۔ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرے۔“

اگر کہا جائے کہ اچھائی تو ہر قوم میں مقبول ہے اور برائی معیوب سمجھی جاتی ہے، اس لیے اسلام کا پیغام تو خاص نہ

ہوا۔ اسی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے بہترین امت کے افراد کی یہ صفت بھی بیان کر دی کہ وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ امت کو جو ملا اس کو حق اور سچ مانتے ہیں۔ اہل کتاب کی طرح حق کا انکار نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو ان کے لیے یہ بہتر ہوتا اور اہل ایمان کو بشارت دے دی کہ معمولی ایذا رسانی کے علاوہ وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اگر ان سے جنگ ہوئی تو وہ تمہارے سامنے ٹھہر نہیں سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جب مومنوں کو یہ بشارت دی تو اس کے مطابق ہی نتیجہ سامنے آیا۔ مدینہ سے یہود کے تمام قبائل کو نکلنا پڑا۔ ۸ ہجری میں مکہ فتح ہو گیا اور سارے عرب پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔

آج امت کا حال اس لیے اچھا نہیں کہ اس میں ﴿خَيْرَ أُمَّةٍ﴾ والی صفات موجود نہیں۔ امت کی قیادت اور اس کی اکثریت قرآن حکیم کی تعلیم کو ترک کر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی بجائے یہود و نصاریٰ کی فرماں بردار بن چکی ہے، لہذا قرآنی بشارت کی مستحق کس طرح ہو سکتی ہے۔

اگر کوئی کہے کہ قرآنی اعلان ہے کہ ”یہود پر ذلت و مسکنت لکھ دی گئی اور ان پر اللہ غضب ناک ہوا۔“ لیکن آج یہود دنیا کی امیر ترین قوم ہے اور دنیا کی سپر پاور امریکہ بھی ان کی خواہشات کی تکمیل میں لگا ہوا ہے تو یاد رکھیے کہ ایسی بات وہی کہہ سکتا ہے جو قرآن حکیم کو سمجھتا نہیں۔

### پہلی بات:

تو یہ ہے کہ قرآن حکیم جب نازل ہوا اس وقت یہود کے ساتھ جو کچھ ہوا کیا وہ قرآن حکیم کے عین مطابق نہ تھا۔ آج بھی امت ویسی ہی امت بن جائے تو وہی کچھ ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے۔ پہلی قوموں کی طرف نبی آئے، ان کو بھی کتابیں دی گئیں لیکن ان کی ذلت و رسوائی اور تباہی اس لیے ہوئی کہ انھوں نے خالق حقیقی سے منہ موڑ لیا، سرکشی اور نافرمانی کو انھوں نے اپنا لیا۔ آج امت مسلمہ کا حال بھی ان سابقہ قوموں سے مختلف نہیں۔

### دوسری بات:

آج بھی یہود اپنی تمام تر قوت و طاقت کے باوجود سکون کے حصول میں ناکام ہیں۔ اللہ نے ان کی رسی دراز کر رکھی ہے اور امریکہ کی رسی سے ان کی بقا وابستہ ہے اللہ کی آیات کا انکار کرنا اور اپنے نبیوں کو قتل کرنے کا قصور ان کے کھاتے میں موجود ہے جس کی سزا ان کو ملی اور آئندہ بھی یقیناً ملے گی۔ سرکشی اور زیادتی کرنا ان کا دھیرہ ہے جس سے بچنے کا امت محمدیہ کو حکم ہے۔ اب امت محمدیہ کا کام ہے کہ وہ اپنی اصلاح کر کے قرآنی تعلیم کے مطابق اپنے آپ کو تیار کرے اور رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ کو سامنے رکھتے ہوئے عمل کرے۔ نتیجہ ان شاء اللہ قرآنی بشارت کے

مطابق ہی ہوگا۔

علماء حضرات کا بھی فرض ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر خاص توجہ دیں، بڑے لوگوں کو خوش کرنے یا خوش رکھنے کی خاطر منکرات کو برداشت کر لینا بنو اسرائیل کے علماء کا کام تھا۔

جامع الترمذی (۱۵۲/۲) اور سنن ابی داؤد (ص: ۵۹۶) میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”بنو اسرائیل میں پہلا نقص یہ واقع ہوا کہ کوئی آدمی کسی آدمی سے ملتا تو اس سے کہتا اللہ سے ڈر جا اور جو تو کر رہا ہے اس کو چھوڑ دے، وہ تیرے لیے حلال نہیں، پھر اگلے دن اس کو ملتا تو اس کو منع نہ کرتا بلکہ اس کے کھانے پینے اور بیٹھنے میں شریک ہو جاتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے بعض کے دلوں کو بعض پر دے مارا اور بنی اسرائیل کے کفار پر داؤد اور عیسیٰ علیہما السلام کی زبانی لعنت ہوئی“

سورة المائدہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَآئِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ۝ (۷۸) كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝ (۷۹)﴾

”بنو اسرائیل کے کفار پر داؤد اور عیسیٰ علیہما السلام کی زبانی لعنت کی گئی یہ اس لیے کہ وہ نافرمانی اور سرکشی کیا کرتے تھے۔ جو برے کام وہ کرتے تھے ان سے آپس میں ایک دوسرے کو نہیں روکتے تھے۔

بہت ہی برا تھا جو وہ کرتے تھے۔“

ہمارے معاشرے میں بھی یہی رجحان غالب آچکا ہے۔ علماء کی موجودگی میں کھلے طور پر منکرات کو اپنایا جاتا ہے، خاص کر شادیوں کے موقع پر تو یہ رجحان اپنے عروج پر ہوتا ہے۔ نکاح پڑھانے والے نکاح پڑھاتے ہیں اور خدمت کراتے ہیں لیکن منکرات کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشاد کو بھول جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ جیسے اعمال سے ہمیں محفوظ رکھے۔

### حل لغات:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ میں کُنْتُمْ فعل تام اور خَيْرَ أُمَّةٍ حال ہے۔ یعنی خَلَقْتُمْ وَ وَجَدْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ پیدا کی گئی اور پائی گئی تم بہترین امت ہو۔ حسن بصری کے نزدیک یہاں كَانَ زائدہ ہے اور اس کے معنی ہیں: أَنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ جب کہ یہ بھی منقول ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم یا لوح محفوظ میں تم بہترین امت تھی۔ صاحب منجد کے نزدیک یہاں کُنْتُمْ

زمانہ حال کے لیے استعمال ہوا ہے (كَانَ يَكُونُ کی بحث)۔ اُخْرِجَتْ فعل ماضی مجہول واحد مونث غائب باب افعال۔ لِلنَّاسِ جار مجرور۔ تَأْمُرُونَ، تَنْهَوْنَ اور تَوْمِنُونَ تینوں فعل مضارع۔ جملے کا معنی ہے تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی۔ تم اچھائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

﴿وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَ أَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ میں واو عاطفہ۔ لو حرف شرط آمن فعل ماضی۔ اهل الكتاب مرکب اضافی اس کا فاعل۔ لكان خبر خیرا لهم جواب شرط اور اگلہ جملہ اہل کتاب کے بارے میں خبر ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا۔ ان میں سے بعض مومن ہیں لیکن ان کی اکثریت فاسقوں (بے دینوں) کی ہے۔

﴿لَنْ يَضُرُّكُمْ إِلَّا أَذًى وَ إِنْ يَقَاتِلُواكُمْ يَوَلُّوْكُمْ إِلَّا ذَبَارٌ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ﴾ میں لن نفی مؤکد کے لیے، يَضُرُّوا فعل مضارع۔ ثم ضمیر منصوب متصل مخاطب کی (مفعول)۔ إلا حرف استثناء۔ أذى مستثنیٰ، واو عاطفہ۔ ان شرطیہ۔ يقاتلوا فعل مضارع۔ ان شرطیہ کی وجہ سے نون گری ہوئی ہے۔ ثم ضمیر مخاطب کی۔ يَوَلُّوْكُمْ إِلَّا ذَبَارٌ جواب شرط۔ ثم عاطفہ۔ لا نافیہ۔ تُنْصَرُونَ فعل مضارع مجہول۔ جملے کا معنی ہے: وہ تم کو تھوڑی سی تکلیف کے سوا کوئی نقصان ہرگز نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور اگر وہ تم سے قتال کریں گے تو تمہاری طرف پیٹھ کر کے بھاگ جائیں گے، پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔

﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا تَفْقَهُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللَّهِ وَ حَبْلٍ مِنَ النَّاسِ﴾ میں ضُرِبَتْ فعل ماضی مجہول۔ الذِّلَّةُ اس کا نائب فاعل۔ أَيْنَ مَا تَفْقَهُوا شرط۔ إلا حرف استثناء۔ بِحَبْلٍ مِنَ اللَّهِ وَ حَبْلٍ مِنَ النَّاسِ مستثنیٰ۔ جملے کا معنی ہے: جہاں بھی وہ پائے جائیں گے، ان پر ذلت لکھ دی گئی مگر یہ کہ وہ اللہ اور لوگوں کی رسی کو تھامے رکھیں (یعنی لوگوں کی پناہ میں ہوں)۔

﴿وَ بَاءٌ وَ بَغْضٍ مِنَ اللَّهِ وَ ضَرْبٌ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ﴾ میں بَاءٌ وفعل ماضی اور الْمَسْكَنَةُ، ضَرْبٌ کا نائب فاعل ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے (یعنی اللہ ان پر غضبناک ہوا) اور ان پر مسکینی مسلط کر دی گئی۔

﴿ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَ يَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقِّ﴾ میں ذَلِكَ اسم اشارہ اور بِأَنَّهُمْ (بأنهم میں) سبب، اَنْ حرف مشبہ بالفعل، هُمْ ضمیر منصوب متصل اس کا اسم، اگلا جملہ اس کی خبر۔ يَكْفُرُونَ فعل مضارع اور اس سے پہلے كَانُوا ہے جس سے معنی ماضی استمراری ہو جاتا ہے۔ آيَاتِ اللَّهِ مرکب اضافی۔ حرف جرب کے ساتھ مل کر يَكْفُرُونَ کا مفعول ہے۔ يَقْتُلُونَ بھی فعل مضارع اور الْأَنْبِيَاءَ اس کا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: یہ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا کرتے تھے اور انبیاء (علیہم السلام) کو ناحق قتل کیا کرتے تھے۔



﴿ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ﴾ میں ب حرف جر اور ما مصدریہ۔ عَصَوْا فعل ماضی معروف۔ جملے کا معنی ہے: یہ اس لیے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ زیادتی کیا کرتے تھے۔

۲۳

”وہ سب برابر نہیں۔ اہل کتاب میں سے ایک ایسی جماعت ہے جو رات کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھتی ہے اور وہ سجدے بھی کرتے ہیں۔

وہ لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اچھائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں، اور وہ لوگ نیکی کرنے والوں میں سے ہیں۔

اور وہ جو بھی بھلائی کا کام کرتے ہیں اُس کی ہرگز نافرمانی نہیں کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ متقین کو جانتا ہے۔

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ان کے مال اور ان کی اولادیں اللہ تعالیٰ سے بچانے کے لیے ان کے کچھ بھی کام نہیں آئیں گے، اور وہ لوگ جہنمی ہیں، اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

”اس دنیا کی زندگی میں جو وہ خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس ہوا جیسی ہے جس میں شدید سردی ہو اور وہ اس قوم کی کھیتی کو پہنچی جس نے اپنی جانوں پر ظلم کیا پھر اُس (ہوا) نے اُس (کھیتی) کو تباہ و برباد کر دیا، اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے ہیں۔

لَيْسُوا سَوَاءً ۚ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ﴿۱۱۳﴾

يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ يُؤْمِنُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ ۚ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۱۴﴾

وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوا ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿۱۱۵﴾

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۱۶﴾

مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ ۚ وَ مَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ أَنْفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۱۱۷﴾

## تشریح:

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ حق کو اپنانے اور حق کو ٹھکرانے والے برابر نہیں ہو سکتے اور اہل کتاب میں سے بھی ایسے صلحاء ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بندگی اور عبادت کا حق ادا کرتے ہیں، اور راتوں میں قیام کرتے اور اللہ کی طرف سے نازل ہونے والی آیات پڑھتے ہیں۔ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور ان کا ایمان ہے کہ قیامت واقع ہوگی۔ دنیا میں کئے گئے اعمال کے مطابق آخرت میں ہر نفس کو جزا یا سزا ملے گی۔ اسی کو پیش نظر رکھتے ہوئے نہ صرف خود اچھائی کو اپناتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اس کا حکم دیتے ہیں، اسی طرح برائیوں سے بچتے ہوئے دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو اچھے کام ہیں ان میں دوسروں سے سبقت لے جانے میں کوشاں رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے بشارت دی ہے کہ ان کی ہر نیکی کی قدر کی جائے گی اور ان کو پوری جزا سے نوازا جائے گا۔

کتاب تفاسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہود کے اہل علم حضرات، عبد اللہ بن سلام، ثعلبہ اور اُسید وغیرہ نے جب اسلام کو قبول کر لیا اور اس کی حقانیت پر ایمان لے آئے تو کفر پر ڈٹے رہنے والے احبار اور ان کے ساتھیوں نے کہا۔

”مَا آمَنَ بِمُحَمَّدٍ وَلَا تَبِعَهُ إِلَّا شِرَارُنَا وَلَوْ كَانُوا مِنْ خِيَارِنَا مَا تَرَكَوْا دِينَ آبَائِهِمْ وَذَهَبُوا إِلَىٰ غَيْرِهِ.“

”محمد (ﷺ) پر وہی لوگ ایمان لائے ہیں اور ان کی اتباع انھوں نے کی ہے جو ہم میں سے بُرے ہیں۔ اگر وہ ہم میں اچھے ہوتے تو اپنے آباء کا دین ترک نہ کرتے اور نہ کسی اور کی طرف جاتے۔“

تو اللہ تعالیٰ نے ﴿مِنَ الصَّالِحِينَ﴾ تک آیات نازل فرمادیں۔

سورة آل عمران کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ خَشِيعِينَ لِلَّهِ لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ؕ أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾

”اور بے شک اہل کتاب میں وہ بھی ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اُس پر بھی جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو ان کی طرف نازل کیا گیا، اللہ سے ڈرتے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کو معمولی قیمت کے بدلے فروخت بھی نہیں کرتے۔ وہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے۔ بے

شک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والا ہے۔“

اہل کتاب میں سے ان کی تعریف و توصیف بیان ہوئی جو اسلام سے پہلے اپنے نبیوں کی حقیقی تعلیم کے مطابق عمل کرتے تھے اور جیسے ہی محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا ان کو علم ہوا تو فوراً آپ پر ایمان لے آئے۔ اور جو کفر و گمراہی پر ڈٹے رہے ان کو قرآن حکیم میں جہنم کی وعید سنادی گئی اور ان کو یہ بھی بتا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات پانے کے لیے ان کے مال اور ان کی اولادیں ان کے کام نہیں آئیں گے۔ یہ بات سمجھانے کے لیے ایک مثال بھی بیان ہوئی ہے کہ جس طرح ظلم کرنے والے کسان اپنی کھیتی کو تیار کرتے ہیں یعنی دوسروں کا جو حق ہوتا ہے وہ ادا نہیں کرتے۔ زیادہ سے زیادہ اناج کے حصول کی خاطر قانونی اور اخلاقی قدروں کو پامال کرتے ہیں۔ اللہ کی طرف سے ملنے والے مال کو غیر شرعی کاموں میں ضائع کرتے ہیں اور جبر و ظلم سے اپنے علاقے میں راج کرتے ہیں اور جب ان کو ملنے والی مہلت ختم ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان پر غضبناک ہو جاتا ہے تو ان پر ایسی ہوا مسلط کر دی جاتی ہے جس سے ان کی لہلہاتی کھیتی ان کی نظروں کے سامنے تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کفر پر ڈٹے رہنے والوں کا انجام بھی ایسا ہی ہوگا۔ دنیا کو کمانے، بنانے اور سنوارنے کے لیے جو کچھ انھوں نے کیا ہوگا وہ سب کچھ ضائع ہو جائے گا۔ کیونکہ دنیا میں کمایا اور جمع کردہ مال دنیا میں ہی رہ جاتا ہے اور آخرت کو سنوارنے کے لیے جن نیک اعمال کی ضرورت ہوتی ہے وہ ان کے ساتھ نہیں ہوتے۔ لہذا جہنم ہی ان کا ٹھکانا بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ وہ تو بڑا ہی رحم کرنے اور معاف کرنے والا ہے لیکن ظالموں کا برا انجام ان کے اپنے ظلم کی وجہ سے ہوتا ہے۔

سورة فصلت میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿مَنْ عَمِلْ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ﴾ (۴۱)  
 ”جس نے نیک عمل کیا اس کا فائدہ اسی کو ہوگا اور جس نے برا کام کیا تو اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔“

سورة یونس کے الفاظ ہیں:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ (۴۴)  
 ”بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر ذرا سا بھی ظلم نہیں کرتا۔ بلکہ لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔“

سورة یسین میں قیامت یعنی جزا و سزا کے دن کے بارے میں فرمان الہی ہے:

﴿فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ (۵۴)

”پس آج کے دن کسی نفس پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا اور تم کو وہی جزادی جائے گی جو تم کیا کرتے تھے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی جزا و سزا کا دار و مدار اُس کے اپنے اعمال پر ہے۔

جب انسان اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات یا عبادت میں شرک کرتا ہے، اس کی مخلوق میں سے کسی کو اس کا شریک بناتا ہے یا کسی ایسے عمل کا مرتکب ہوتا ہے جو شرک کے زمرے میں آتا ہے تو وہ اپنے آپ پر ہی ظلم کرتا ہے، کیونکہ شرک ایسا گناہ ہے کہ مرنے سے پہلے اگر اس سے توبہ نہ کی جائے اور انسان کی موت شرک پر واقع ہو جائے تو وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ اسی طرح جو محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان نہیں رکھتا اور آپ کے لئے ہوئے دین کے مطابق عمل نہیں کرتا وہ بھی اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بھلائی اور برائی کے بارے میں آگاہ کر کے اختیار دے دیا کہ ان دونوں میں سے جس کو چاہے اپنا لے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر برائی کو اپنائے اور بھلائی کو ٹھکرائے تو وہ اپنی ہی جان پر ظلم کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے برے اعمال کا وبال اسی پر ہوگا۔

یہ قانون ایسا ہے کہ انسانوں نے بھی خود ہی اپنے معاشرے کو بگاڑ سے بچانے کے لیے نافذ کر رکھا ہے۔ جو شخص قتل کرتا ہے، ڈاکہ ڈالتا ہے، چوری کرتا ہے، یا قانون شکنی کرتا ہے تو وہ قانون کی گرفت میں آ جاتا ہے اور اپنے کیے کی سزا پاتا ہے یعنی جو انسانوں کے بنائے ہوئے قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ اپنی ہی جان پر ظلم کرتا ہے کیونکہ سزا اسی کو ملتی ہے۔ جب انسان کے بنائے ہوئے قانون کی گرفت اتنی سخت ہے تو انسانوں کے خالق و مالک کی گرفت کیسی ہوگی۔

سورة البروج میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنْ يَبْطِشْ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ﴾

”بے شک آپ کے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔“

اسلام سے پہلے تباہ ہونے والی بستیوں کے بانیوں کے بارے میں سورة صود میں بتایا گیا ہے۔

﴿وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَمَا أَغْنَتْ عَنْهُمْ آلِهَتُهُمُ الَّتِي يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ لَمَّا جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ وَ مَا زَادُوهُمْ غَيْرَ تَتْبِيبٍ﴾ (۱۰۱)

”اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ جب آپ کے رب کا حکم یعنی عذاب آیا تو ان کے وہ معبود کہ جن کو اللہ کے سوا وہ پکارا کرتے تھے، ان کے کسی کام بھی نہ آئے اور ان کو خسارے میں اور زیادہ کر دیا۔“

﴿وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرْىَ وَ هِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ﴾ (۱۰۲)

”اور اسی طرح آپ کے رب کی پکڑ تھی جب اس نے بستیوں کو پکڑا اس حال میں کہ وہ ظلم کرنے والیاں

تھیں۔ بے شک اس کی پکڑ انتہائی دردناک تھی۔“

اس کی پکڑ سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اس کے حکم کے مطابق عمل کیا جائے جن کاموں کے کرنے اور جن سے رکنے کا پیغام اُس نے قرآن حکیم میں دیا ہے، انھیں دیانت داری سے قبول کیا جائے۔ سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ نے زندگی گزارنے کا جس طرح نمونہ قائم کیا ہے اسی طرح زندگی بسر کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔ دوسرے لفظوں میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی جائے۔ اطاعت گزار بندوں کو سورة الاحزاب میں بشارت دی جاتی ہے۔

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (۷۱)

”جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی، اس نے بڑی عظیم کامیابی حاصل کی۔“

سورة النساء میں اس عظیم کامیابی کی وضاحت یوں ہوتی ہے:

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۖ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا﴾ (۶۹)

”اور جنہوں نے اللہ اور اس رسول ﷺ کی اطاعت کی، پس وہ لوگ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا، یعنی انبیاء علیہم السلام اور حق کی تصدیق کرنے والے صدیق اور اللہ کی راہ میں جانیں قربان کرنے والے شہداء اور نیک لوگوں کے ساتھ ہوں گے اور وہی بہترین رفیق ہوں گے۔“

یہ بشارت ان کے لیے ہے جو دنیا کو سنوارنے کی بجائے اپنی آخرت کو سنوارنے کی خاطر دنیا میں شیطان کی پیروی نہیں کرتے۔ دنیا کی چمک دمک جب ان پر اثر انداز ہونے لگتی ہے تو جہنم کی آگ کا تصور وہ آنکھوں کے سامنے لے آتے ہیں۔ دنیا میں اللہ کی اطاعت کرتے ہوئے جن مصائب کو برداشت کرنا پڑتا ہے، اُن میں صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سب لوگ ایک ہی جیسے نہیں۔ اس کی مخلوق میں اگرچہ نافرمانوں اور ناشکری کرنے والے فاسقوں فاجروں کی تعداد ہمیشہ زیادہ رہی ہے لیکن اطاعت گزار بھی ہر دور میں موجود رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اطاعت گزاروں میں شامل کر دے۔

### حل لغات:

﴿لَيْسُوا سَوَاءً﴾ میں لَيْسُوا فعل ناقص لَيْسَ سے جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اس سے سوائے ماضی کے اور کوئی فعل نہیں آتا۔ اس کی ضمیر مستتر ہُمْ اس کا اسم اور سَوَاءً اس کی خبر، جملے کا معنی ہے کہ ”وہ برابر نہیں۔“ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مطابق اس سے مراد اہل اسلام اور اہل کتاب ہیں کہ وہ برابر نہیں۔

﴿ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ ﴾ میں من حرف جر۔ اہل الکتاب مرکب اضافی مجرور۔ اُمَّةٌ قَائِمَةٌ مرکب توصیفی۔ يَتْلُونَ فعل مضارع۔ آيَاتِ اللہ مرکب اضافی اس کا مفعول۔ آنَاءَ اللَّيْلِ ظرف زمان۔ جملے کا معنی ہے: اہل کتاب میں سے حق پر قائم رہنے والی ایک جماعت ہے جو رات کے اوقات میں اللہ کی آیات پڑھتے ہیں۔

﴿ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ﴾ میں واو حالیہ۔ هُمْ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا يَسْجُدُونَ فعل مضارع۔ بمعنى يُصَلُّونَ آیا ہے۔ یعنی اس حال میں کہ وہ نمازیں پڑھتے ہیں۔ کیونکہ رکوع اور سجود میں قرآنی تلاوت نہیں کی جاتی۔

﴿ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ وَ يَأْتُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ ﴾ میں يُؤْمِنُونَ، يَأْتُرُونَ، يَنْهَوْنَ اور يُسَارِعُونَ چاروں فعل مضارع جمع مذكر غائب کے صیغے ہیں اور یہ چاروں جملے حالیہ ہیں ان کے معنی ہیں کہ وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اچھائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں۔

﴿ وَ أُولَئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴾ میں أُولَئِكَ اسم اشارہ مبتدا۔ مِنَ الصَّالِحِينَ جار مجرور خبر۔ جملے کا معنی ہے: اور وہ لوگ صلحاء میں سے یعنی نیک صالح لوگ ہیں۔

﴿ وَ مَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ ﴾ میں واو عاطفہ۔ مَا شرطیہ۔ يَفْعَلُوا فعل مضارع جمع مذكر غائب اس کی نون ما شرطیہ کی وجہ سے گری ہوئی ہے۔ من حرف جر۔ خَيْرٌ مجرور۔ لَنْ نفی مؤکد کے لیے اور اس پر آنے والی فاء جزائیہ۔ يُكْفَرُوهُ فعل مضارع مجہول سے متصل ضمیر ”ہ“ خیر کی طرف راجع ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور جو بھی بھلائی کا کام وہ کریں گے، اس کی ناتقدری نہیں کی جائے گی۔

﴿ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴾ میں عَلِيمٌ مفت مشبہ۔ الْمُتَّقِينَ کی جمع الْمُتَّقِينَ۔ جملے کا معنی ہے اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو جانتا ہے۔

﴿ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ﴾ میں اِنْ حرف مشبہ بفعل۔ الَّذِينَ كَفَرُوا اس کا اسم اور اگلا پورا جملہ اس کی خبر۔ الَّذِينَ موصولہ۔ كَفَرُوا فعل ماضی اس کا صلہ۔ لَنْ نفی مؤکد، تُغْنِي فعل مضارع۔ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ اس کا فاعل۔ شَيْئًا اس کا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: بے شک جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے مال اور ان کی اولادیں اللہ تعالیٰ سے بچانے کے لیے ان کے کچھ کام نہیں آئیں گے۔

﴿ وَ أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴾ میں واو عاطفہ۔ أُولَئِكَ اسم اشارہ مبتدا۔ أَصْحَابُ النَّارِ مرکب اضافی اس کی خبر۔ هُمْ ضمیر مرفوع منفصل أَصْحَابُ النَّارِ کی طرف راجع اور فِيهَا کی ضمیر ہا، النَّار کی

طرف راجع ہیں۔ خَلِیْلُوْنَ، خَالِد کی جمع سالم ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور وہ لوگ جہنمی ہیں اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ﴾ میں الَّذِينَ موصولہ، يُنْفِقُونَ فعل مضارع، كَمَثَلِ کا کاف تشبیہ کا۔ فِيهَا کی ضمیر ہا ریح کی طرف راجع۔ أَصَابَتْ فعل ماضی، پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل۔ حَرْثَ قَوْمِ اس کا مفعول۔ ظَلَمُوا فعل ماضی۔ أَنْفُسَهُمْ اس کا مفعول۔ أَهْلَكَتْ فعل ماضی۔ ہ ضمیر حَرْثَ قَوْمِ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ جملے کا معنی ہے: مثال ان لوگوں کی جو اس دنیا کی زندگی میں خرچ کرتے ہیں، اس ہوا کی مثل ہے جس میں شدید سردی ہو، وہ ایسے لوگوں کی کھیتی کو پہنچے جنھوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا، پس اس کو تباہ و برباد کر دے۔

﴿وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ أَنْفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ میں وَاو عاطفہ مَا نافیہ۔ ظَلَمَ فعل ماضی۔ هُمْ ضمیر مفعول۔ لفظ اللہ اس کا فاعل۔ لَكِنْ حرف استدراک جو سابقہ گفتگو کی وجہ سے پیدا ہونے والے وہم کو سامع کے ذہن سے دور کرتا ہے۔ يَظْلِمُونَ فعل مضارع۔ أَنْفُسُهُمْ اس کا مفعول مقدم جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے ہیں۔

۲۵

”اے ایمان والو! اپنے علاوہ اوروں کو دلی اور دوست نہ بناؤ (کیوں کہ) وہ تمہارے درمیان فتنہ انگیزی پیدا کرنے میں کوئی کسر رہنے نہیں دیتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ تم دکھ اٹھاؤ۔ یقیناً ان کے منہ سے عداوت ظاہر ہو چکی ہے اور جو کچھ ان کے سینے چھپا رہے ہیں وہ بہت ہی زیادہ ہے اگر تم عقل والے ہو تو بلاشبہ ہم نے تمہارے لیے آیات بیان کر دی ہیں۔

آگاہ ہو جاؤ! تم وہ لوگ ہو جو ان سے محبت کرتے ہو جب کہ وہ تم سے محبت نہیں کرتے حالانکہ تم ساری کتاب پر ایمان رکھتے ہو۔ اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب الگ ہوتے ہیں تو تم پر غصہ کرتے ہوئے اٹھیں گے کو چباتے ہیں۔ آپ کہہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِّنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا ۖ وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۱۱۸﴾

هَآئِهِمْ أَوْلَآءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ ؕ وَإِذَا لَقَوْكُمْ قَالُوا آمَنَّا ؕ وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ ؕ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۱۱۹﴾



دیں کہ اپنے غمے میں ہی مر جاؤ۔ بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے۔

اگر تمہیں کوئی بھلائی ملتی ہے تو ان کو برا لگتا ہے اور جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو خوش ہوتے ہیں اور اگر تم صبر کرو اور صاحب تقویٰ بن جاؤ تو ان کی کوئی تدبیر تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچائے گی۔ جو وہ کرتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔“

إِنْ تَمَسَّكُمْ حَسَنَةٌ تَسُوهُمْ وَ إِنْ تُصِيبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا ۖ وَ إِنْ تَصْبِرُوا وَ تَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿١٢٠﴾

### تشریح:

موجودہ دور میں یہود و نصاریٰ اور مشرکوں نے اہل اسلام کے ساتھ جو رویہ اختیار کر رکھا ہے اس کی خبر چودہ صدیاں پہلے ہی قرآن حکیم میں امت محمدیہ کو دے دی گئی اور اللہ تعالیٰ نے جن کاموں سے اہل ایمان کو بچنے کا حکم دیا۔ آج امت کے بڑے بڑے لوگ وہی فخریہ طور پر کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اپنے راز کو اپنے ہی لوگوں میں رکھو۔ اندرونی معاملات غیر مسلموں کے سپرد نہ کرنا۔ کیونکہ وہ تمہارے خیر خواہ نہیں بلکہ ان کو جب بھی موقع ملے گا تو تم میں فتنہ و فساد برپا کرنے میں کوئی کمی نہیں رکھیں گے ان کی چاہت ہے کہ تم کو زیادہ سے زیادہ دکھ اور تکلیف پہنچے اور تمہارا نقصان ہو۔ آج اہل اسلام کا یہ حال ہے کہ ان کا کوئی راز طاغوتی طاقتوں سے پوشیدہ نہیں۔ بلکہ اسلامی ملکوں کا سالانہ بجٹ بھی ان کے ہدایت کے مطابق بنایا جاتا ہے۔

مدینہ طیبہ میں اسلامی ریاست جب قائم ہوئی تو اس میں موجود یہود اور منافقوں سے مسلمانوں کے پرانے تعلقات تھے۔ انہی تعلقات کی بنا پر مسلمانوں میں سے بعض ایسے بھی تھے کہ جو جاہلیت کے دوستوں پر اسی طرح اعتماد کرتے تھے کہ جس طرح پہلے کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان ایمان والوں کو پرانی دلی دوستیوں سے منع کر دیا اور اہل ایمان کو حکم دے دیا کہ مومنوں کے دلی دوست مومن ہی ہونے چاہئیں۔ کیونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا انکار کرنے والے تمہارے خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔

سنن ابی داؤد (کتاب الادب، ص: ۶۶۳)، مسند احمد (۳۳۴/۲) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

(( اَلْمَرْءُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ ، فَلْيَنْظُرْ اَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ ))

”آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ پس ہر ایک کو چاہیے کہ دیکھے وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔“

سنن ابی داؤد کے اسی صفحہ پر یہ بھی منقول ہے کہ

(( لَا تَصَاحِبُ إِلَّا مُؤْمِنًا ، وَ لَا يَأْكُلُ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيًّا ))

”تو مومن کے علاوہ کسی اور کو ساتھی نہ بنا اور تیرا کھانا متقی ہی کھائے۔“

اس سے اس اسلامی معاشرے کا نقشہ سامنے آ جاتا ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے ۲۳ سالہ مسلسل جدوجہد سے قائم فرمایا اور جس کی تصدیق قرآن حکیم میں ﴿رَحْمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ کے الفاظ سے ہوتی ہے۔

صدیاں گزر گئیں لیکن اسلام دشمن قوتوں کی سوچ میں فرق نہ آیا۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ کے خلاف حد بغض اور نفرت کا اظہار ہوتا تھا۔ آج بھی اسلام کو مٹانے یا اس کو مسخ کرنے یا اس کو انتہائی کمزور کرنے کے درپے ہونے والے کھلے طور پر اپنی دشمنی کا اظہار کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو ان کے دلوں کے اندر ہے۔ وہ اس سے بہت زیادہ ہے اس کے باوجود دنیا میں کروڑوں مسلمان اللہ تعالیٰ کی دکھائی ہوئی راہ پر چلنے کیلئے تیار نہیں۔ اسلام دشمنی کا طوفان سب کو نظر آ رہا ہے۔ لیکن اکثریت اپنے بچاؤ کا کوئی بندوبست نہیں کر رہی۔ بلکہ اسلام دشمن لوگوں سے محبت اور تعلقات کر بڑھایا جا رہا ہے اور انتہائی قابلیت و صلاحیت والے مسلم افراد انہی لوگوں کے ملکوں میں منتقل ہو رہے ہیں اور انہی کی قوت و طاقت میں اضافے کا سبب رہے ہیں۔ مالداروں کے مال کا زیادہ تر حصہ بھی انہی کے بینکوں میں جمع ہے۔ جو کمزور مسلم ممالک کی معیشت کو تباہ کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو متنبہ کر دیا کہ تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا انکار کرنے والوں کو محبوب رکھتے ہو اور ان کو اپنا دلی دوست سمجھتے ہو۔ لیکن وہ تمہارے دوست نہیں۔ تم سے ان کو کوئی محبت نہیں۔ تمہارے ساتھ ان کے جو تعلقات ہیں، وہ سب دکھاوے کی باتیں ہیں۔ تمہارے سامنے تمہارے دین کی باتیں کرتے ہیں۔ لیکن ان کے دل تمہارے خلاف غصے سے بھرے ہوئے ہیں۔ تمہیں کوئی کامیابی یا بھلائی ملے تو ان کو بہت ہی برا لگتا ہے اور اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے اور کوئی نقصان ہو۔ تو بڑے خوش ہوتے ہیں۔

ان آیات کی روشنی میں اہل اسلام اپنا جائزہ لینے کی کوشش کریں تو واضح ہو گا کہ کوئی غیر مسلم ملک پسند نہیں کرتا کہ کوئی اسلامی ملک ان کے مقابلے میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جائے۔ غیر اسلامی کئی ملکوں کے پاس ایسی قوت موجود ہے۔ لیکن ایک اسلامی ملک کی ایسی قوت کو ختم کرنے کے لیے تمام غیر اسلامی ممالک اکٹھے دکھائی دیتے ہیں اگر ان میں سے کوئی ان کے ساتھ نہیں تو اس کو اپنے مفادات عزیز ہیں، اسلام اس کی وجہ ہرگز نہیں۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ اپنے علاقے کا

حساب لے کر حاضر ہوئے۔ عمر فاروق نے نہایت عمدگی کے ساتھ لکھا ہوا صاف ستھرا حساب دیکھا تو انھوں نے کہا کہ اپنے کاتب کو بلاؤ، تاکہ وہ خود ہی لوگوں کے سامنے یہ حساب پیش کرے۔

حضرت موسیٰ نے عرض کیا، وہ مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، کیوں؟ آیا وہ جہنی ہے؟

ابو موسیٰ نے وضاحت کی کہ وہ نصرانی ہے۔

عمر فاروق نے ان کی یہ بات سن کر ان کو خوب ڈانٹا اور کہا

(( لَا تُذْنِبُهُمْ وَ قَدْ أَقْصَاهُمْ اللَّهُ، وَ لَا تُكْرِمْهُمْ وَ قَدْ أَهَانَهُمُ اللَّهُ، وَ لَا تَأْمَنُهُمْ وَ قَدْ خَوَّنَهُمُ اللَّهُ ))

”ان کو قریب مت کرو جب کہ اللہ نے ان کو دور کر دیا۔ ان کو عزت و تکریم نہ دو، جب کہ اللہ نے ان کی اہانت فرمائی۔ ان کو امین نہ بناؤ، جب کہ اللہ نے انھیں خائن قرار دیا ہے۔“

عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ:

(( لَا تَسْتَعْمِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ ؛ فَإِنَّهُمْ يَسْتَحِلُّونَ الرِّشَا وَ اسْتَعِينُوا عَلَى أُمُورِكُمْ وَ عَلَى رَعِيَّتِكُمْ بِالذِّينِ يَخْشَوْنَ اللَّهَ ))

”اہل کتاب کو عامل نہ بناؤ، اس لیے کہ وہ رشوت کو حلال سمجھتے ہیں، اور اپنے معاملات اور اپنی رعایا پر ان سے مدد لوجو اللہ سے ڈرتے ہیں۔“

یہ بھی منقول ہے کہ ان سے کہا گیا کہ حیرہ کے نصاریٰ میں سے یہاں ایک ایسا آدمی ہے جس سے بڑھ کر اچھا مضمون لکھنے والا خوش خط اور کوئی نہیں۔ اس سے آپ اپنی خط و کتابت کیوں نہیں کراتے؟ انھوں نے جواب دیا:

(( لَا اخْذُ بِطَانَةٍ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ))

”رازداری اور اندرونی معاملات میں مومنوں کے علاوہ میں کسی اور کو مقرر نہیں کروں گا۔“

یعنی قرآنی حکم کو انھوں نے پیش نظر رکھا۔

سنن نسائی (۲۸۳/۲) اور مسند احمد (۹۹/۳) میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(( لَا تَسْتَضِيئُوا بِنَارِ الْمُشْرِكِينَ وَ لَا تَنْقُشُوا فِي خَوَاتِيمِكُمْ عَرَبِيًّا ))

”مشرکوں کی آگ سے روشنی حاصل نہ کرنا اور نہ اپنی انگوٹھیوں پر عربی حروف نقش کرانا۔“

انگوٹھیوں پر عربی عبارت سے ممانعت اس لیے ہوئی کہ آپ ﷺ کی انگوٹھی سے مشابہت نہ ہو جائے۔

مشروک کی آگ سے روشنی حاصل کرنے پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آج سارے پاکستان میں غیر مسلم کمپنیوں کی پیدا کردہ بجلی استعمال ہو رہی ہے جو پانی کی بجائے آگ کی مدد سے حاصل کی جاتی ہے اور جو پاکستانی قوم پر ناقابل برداشت بوجھ بن گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس سے چودہ صدیاں پہلے ہی منع فرمایا تھا۔ یہ سراسر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔

صحیح بخاری، (ص: ۱۰۶۸) میں حضرت ابوسعید الخدری سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا (( مَا بَعَثَ اللَّهُ مِنْ نَبِيٍّ وَلَا اسْتُخْلِفَ مِنْ خَلِيفَةٍ إِلَّا كَانَتْ لَهُ بَطَانَتَانِ : بَطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالْمَعْرُوفِ وَتُحْضِرُهُ عَلَيْهِ ، وَبَطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالْإِثْمِ وَتُحْضِرُهُ عَلَيْهِ فَالْمَعْصُومُ مَنْ عَصَمَ اللَّهُ تَعَالَى )) ”اللہ تعالیٰ جب کوئی نبی مبعوث فرماتا ہے یا کسی خلیفہ کو خلافت سے نوازتا ہے تو اس کے لیے دو بٹائے ہوتے ہیں ایک اس کو اچھائی کی طرف لگاتا اور رغبت دلاتا رہتا ہے جب کہ دوسرا اس کو برائی اپنانے اور اسی کی رغبت دلانے میں لگا رہتا ہے۔ پس معصوم وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بچالیا۔“

امام بخاری رحمہ اللہ نے بٹائے کا معنی دُعا کیا ہے۔ یعنی جو صاحب اختیار کا راز دان اور عموماً انتہائی اعتمادی دلی دوست ہوتا ہے۔ بادشاہوں اور سربراہوں کی بربادی کا سبب ان کے اپنے مشیر خاص ہی بنتے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حاسدوں اور دشمنوں سے بچاؤ کی ضمانت یوں دی کہ اگر تم صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے برائیوں سے اجتناب کرو اور اس کے حکم کے مطابق عمل کرو۔ تو پھر دشمن کی کوئی چال تمہیں ضرر نہیں پہنچا سکے گی۔ کیونکہ تمہارے دشمن جو کچھ کر رہے ہیں یا کریں گے۔ اللہ اس کو محیط ہے۔ کوئی بات اس کے علم سے باہر نہیں۔ اہل اسلام کو قرآنی تعلیم کے مطابق عمل کرنے کی اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

www.KitaboSunnat.com

### حل لغات:

﴿يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا﴾ میں لَا تَتَّخِذُوا فِعْلٌ نَهْيٌ - بَطَانَةٌ مفعول - مِنْ حرف جر - دُونِكُمْ مجرور - لَا نافية - يَأْلُونُ فِعْلٌ مضارع - خَبَالًا مفعول - جملے کا معنی ہے: اے ایمان والو! اپنے علاوہ کسی کو دلی دوست نہ بناؤ۔ وہ تم میں فتنہ انگیزی پیدا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔ ﴿وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ﴾ میں مَا مصدر یہ - عَنِتُّمْ فِعْلٌ ماضی - اَنْی وُدُّوا عَنِتُّكُمْ جملے کا معنی ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ تم تکلیف میں پڑے رہو۔

﴿قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَهِهِمْ﴾ میں قَدْ تَحْقِيق کا اور جب یہ فعل ماضی پر آئے۔ تو معنی کو ماضی قریب میں کر دیتا ہے۔ بَدَتِ فِعْلٌ ماضی - الْبَغْضَاءُ اس کا فاعل - مِنْ حرف جر - أَفْوَهِهِمْ مجرور - أَفْوَهِهِمْ کی ضمیر ہم

غیر مسلموں کی طرف راجع ہے اَفْوَاهُ۔ فَمَ کی جمع ہے اور اس کی اصل قُوَّة ہے۔ امام راغب اصفہانی کے نزدیک قرآن حکیم میں جہاں بھی قول کی نسبت فَمَ یعنی منہ کی طرف کی گئی ہے۔ وہاں دروغ گوئی کی طرف اشارہ ہے اور اس سے تنبیہ مقصود ہوتی ہے کہ ان کے باطن اس کے خلاف ہیں۔ فَمَ ان اسمائے ستہ مکمرہ میں سے ہے کہ یاء متکلم کے علاوہ جو کسی اور کلمہ کی طرف مضاف ہوں تو ان کا رفع واو سے۔ نصب الف سے اور جری حالت یاء سے ہوتی ہے۔ جیسے هَذَا قُوْكَ یہ تیرا منہ ہے۔ رَأَيْتُ فَاكَ میں نے تیرا منہ دیکھا۔ وَضَعْتُ الطَّعَامَ فِيْ فَيْكٍ میں نے کھانا تیرے منہ میں رکھا۔ دوسرے اسماء آب (باپ)۔ آخ (بھائی) حَم (دیور) هَن (شرمگاہ)۔ ذُو (صاحب یا والا) جیسے ذُو مَالٍ یعنی مالدار۔ جملے کا معنی ہے۔ بلاشبہ عداوت ان کے منہ سے ظاہر ہوگئی ہے۔ ﴿وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اكْبَرُ﴾ میں واو عاطفہ ما موصولہ۔ تُخْفِيْ فعل مضارع۔ صُدُوْرُهُمْ اس کا فاعل۔ اكْبَرُ فعل تفضیل۔ جملے کا معنی ہے اور جو ان کے سینے چھپا رہے ہیں۔ وہ بہت زیادہ ہے۔

﴿قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ میں قَدْ تَحْقِیْقِہ۔ بَيَّنَّا فعل ماضی جمع متکلم۔ لام حرف جر۔ كُمْ ضمیر مخاطب کی۔ الْآيَاتِ مفعول۔ اِنْ شرطیہ۔ كُنْتُمْ فعل ناقص تَعْقِلُوْنَ فعل مضارع۔ جملے کا معنی ہے۔ بے شک ہم نے تمہارے لیے آیات بیان کر دی ہے۔ اگر تم عقل والے ہو۔

﴿هَآنَتُمْ اَوْلَآءَ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ﴾ میں ہا حرف تنبیہ۔ اَنْتُمْ ضمیر مرفوع منفصل۔ اَوْلَآءِ اسم اشارہ۔ تُحِبُّوْنَ وَيُحِبُّوْنَ دونوں فعل مضارع۔ لیکن ہُمْ ضمیر غیر مسلموں کی طرف راجع ہے۔ جملے کا معنی ہے۔ آگاہ ہو جاؤ۔ تم تو ان سے محبت کرتے ہو لیکن وہ تم سے محبت نہیں رکھتے۔

﴿وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ﴾ میں واو حالیہ تُوْمِنُوْنَ فعل مضارع۔ بِالْكِتٰبِ جار مجرور۔ كُلِّهٖ ایمان کی وضاحت۔ جملے کا معنی ہے: اس حال میں کہ تم ساری کتاب پر ایمان رکھتے ہو۔ (یہود کی طرح بعض پر نہیں) ﴿وَ اِذَا لَقَوْكُمْ قَالُوْا اٰمَنَّا وَ اِذَا خَلَوْا عَصَوْا عَلَیْكُمْ الْاَنَاۡمِلَ مِنَ الْغِیْظِ﴾ میں اِذَا دونوں جگہ شرطیہ۔ لَقَوْا، خَلَوْا، قَالُوْا، اٰمَنَّا، عَصَوْا سب فعل ماضی کے صیغے ہیں۔ الْاَنَاۡمِلَ الْاَنِمَلَةُ کی جمع ہے۔ جملے کا معنی ہے اور جب تم سے ملاقات ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب الگ ہوتے ہیں تو تم پر غصے کی وجہ سے انگلیوں کو چباتے ہیں۔

﴿قُلْ مُؤْمِنُوْا بِغِیْظِکُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلَیْمٌ بِذٰتِ الصُّدُوْرِ﴾ میں قُلْ اور مُؤْمِنُوْا دونوں فعل امر۔ بِغِیْظِکُمْ میں باء سیہ۔ اِنَّ مشبہ بفعل۔ لفظ اللہ اس کا اسم اور آیت کا اگلا حصہ اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے۔ آپ کہہ دیں تم اپنے غصے کے سبب مرجاؤ، بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے۔

﴿إِنْ تَمَسَّسْكُمْ حَسَنَةً تَسْوُوهُمْ وَ إِنْ تُصِيبْكُمْ سَيِّئَةً يَفْرَحُوا بِهَا﴾ میں اِنْ دونوں جگہ شرطیہ۔ تَمَسَّسْ فعل مضارع۔ حَسَنَةً اس کا فاعل۔ تَسْوُوهُمْ فعل مضارع۔ هُمْ ضمیر غیر مسلموں کی طرف راجع ہے اور یہ جملہ جواب شرط ہے۔ تُصِيبْكُمْ سَيِّئَةً شرط اور يَفْرَحُوا بِهَا جواب شرط ہے۔ جملے کا معنی ہے۔ اگر تمہیں کوئی بھلائی ملے تو ان کو برا لگتا ہے اور اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو اس پر خوش ہوتے ہیں۔

﴿وَ إِنْ تَصْبِرُوا وَ تَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا﴾ میں وَ اَوْ عاطفہ۔ اِنْ شرطیہ۔ تَصْبِرُوا وَ تَتَّقُوا دونوں فعل مضارع لا نافیہ۔ يَضُرُّ بھی فعل مضارع۔ كَيْدُهُمْ اس کا فاعل اور شَيْئًا مفعول۔ جملے کا معنی ہے۔ اور اگر تم صبر کرو اور صاحب تقویٰ بن جاؤ تو ان کی تدبیر تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچائے گی۔

﴿إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ﴾ میں اِنْ مشبہ بفعل۔ لفظ اللہ اس کا اسم اور باقی آیت کا حصہ اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے جو تم کرتے ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ یعنی سب کچھ اس کے علم میں ہے۔

۲۶

”اور (یاد کریں) جب آ صبح ہی صبح اپنے گھر سے نکل کر مسلمانوں کو لڑائی کے لیے مورچوں پر بٹھا رہے تھے، اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

جب تم میں سے دو جماعتیں پست بہتی کا ارادہ کر چکی تھیں اور اللہ ہی ان دونوں کا مددگار (اور رفیق) تھا اور اللہ ہی پر مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہئے۔

اور یقیناً اللہ نے بدر میں تمہاری مدد فرمائی تھی جب کہ تم نہایت کمزور تھے، پس تم (کسی ظہور کی بجائے) اللہ سے ڈرو تاکہ تم شکر کرتے رہو۔“

وَ اِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٢١﴾

اِذْ هَمَّتْ طَلِيفَتَيْنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَ عَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٢٢﴾

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَنِي سُودَةَ اِذْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ قُوَّةٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُشْكُرُونَ ﴿١٢٣﴾

تشریح:

اگر تم تقویٰ اختیار کرو گے اور اللہ کے دین پر قائم رہنے کی وجہ سے تکالیف و مصائب کو برداشت کرتے ہوئے صبر کرو گے تو دشمن کی کوئی تدبیر تمہیں ضرر نہیں پہنچائے گی۔ اسی حوالے سے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ

نے نبی کریم ﷺ سے جنگ اُحد اور جنگ بدر کے واقعات کا ذکر فرمایا۔ یعنی آپ کو وہ وقت یاد کرایا کہ جب آپ اپنے اہل کے پاس سے نکلے اور دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے جان نثاروں کی صف بندی کی۔ جہاں جہاں سے دشمن کے حملے کا خطرہ تھا۔ وہاں صحابہ کو متعین فرمایا۔ جو جنگی تدبیر ہو سکتی تھی اس کو اپنایا۔

فتح الباری (۳۴۶/۷) میں مشہور روایت کے مطابق جنگ اُحد ۳ ہجری کے شوال میں جنگ بدر کے ایک سال بعد لڑی گئی۔

سیرت ابن ہشام (۶۰۲) کی روایت ہے کہ ابوسفیان جب تجارتی سامان لے کر مکہ واپس آیا تو مکہ کے وہ سردار جن کے باپ، بیٹے اور بھائی جنگ بدر میں مارے گئے تھے وہ ابوسفیان اور ان لوگوں کے پاس آئے جن کا تجارتی سامان ابوسفیان لایا تھا اور کہا کہ محمد ﷺ نے ہمارے بہترین لوگوں کو قتل کر کے ہمیں بڑی تکلیف پہنچائی ہے۔ لہذا اس تجارتی سامان کو اس سے بدلہ لینے کے لیے وقف کر کے ہماری مدد کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس سوچ کا ذکر سورة الانفال میں یوں فرمایا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ

عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ﴾ (۳۶)

”بے شک کفار اپنا مال لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ عنقریب وہ اس کو خرچ کریں گے پھر وہ ان پر حسرت کا سبب ہوگا پھر وہ مغلوب ہوں گے۔ اور کفار جہنم کی طرف اکٹھے کئے جائیں گے۔“

مکہ کے مشرکوں نے بدلہ لینے کا جو پروگرام بنایا، اس کا جو حتمی انجام ہونے والا تھا اس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے جان نثاروں کو آگاہ کر دیا۔ ان کے ذریعہ امت محمدیہ پر یہ بھی واضح کر دیا کہ جو کچھ مشرکوں نے کیا، وہی کچھ اسلام کے دشمن ہمیشہ کرتے رہیں گے اور غالب آنے کے بعد وہ ضرور مغلوب ہوں گے۔ شرط یہ ہے کہ جو طریقہ سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ نے اختیار فرمایا اسی کے مطابق عمل کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اسلام دشمن قوتیں حقیقی اسلام کو کبھی بھی برداشت نہیں کریں گے۔ ان کی کوشش ہوگی کہ اہل اسلام کو کچلا جائے۔ اب اہل اسلام کا کام ہے کہ اللہ کے دین کی سر بلندی کے لیے کوشاں رہیں، طاغوت کی ہر قسم کی یلغار کا ڈٹ کر مقابلہ کریں۔

سیرت ابن ہشام کی روایت ہے کہ مکہ میں بننے والے پروگرام کے مطابق ابوسفیان کی قیادت میں نہ صرف مکہ کے جنگجو شامل ہوئے بلکہ آس پاس کے قبائل کے حلیف بھی مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب خبر ہوئی تو



آپ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ اب ہمیں اپنے دفاع کے لیے کیا کرنا چاہئے؟ صحابہ میں سے جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے انھوں نے عرض کیا:

(( اُخْرِجْ بِنَا إِلَى اَعْدَائِنَا لَا يَرَوْنَ اَنَا حَبِئْنَا عَنْهُمْ وَضَعُفْنَا ))  
 ”اللہ کے رسول! آپ ہمیں ہمارے دشمنوں کے مقابلے کے لیے لے چلیے۔ تاکہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہم نے بزدلی اور کمزوری کا مظاہرہ کیا ہے۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ میں اسلام کے دشمنوں سے ٹکرانے کا جذبہ کس قدر موجزن تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ جنگ احد میں شہادت سے سرفراز ہونے والوں کی اکثریت انہی صحابہ کی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی اپنی رائے مدینہ طیبہ سے باہر جا کر ٹکرانے کی بجائے مدینہ کی اندر ہی رہتے ہوئے لڑنے کی تھی۔ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی بھی اسی سے اتفاق کرتا تھا۔ لیکن صحابہ کے جوش و خروش اور ان کے ایمانی جذبہ کو انتہائی عروج پر دیکھتے ہوئے آپ نے گھر کے اندر جا کر اپنے جسم مبارک پر اسلحہ سجایا پھر باہر تشریف لائے اور مدینہ سے باہر جا کر جنگ کرنے کا فیصلہ سنایا۔ صحابہ کو احساس ہوا کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی رائے کو قبول نہ کر کے غلطی کی ہے۔ اس لیے انھوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا۔

اللہ کے رسول! ہم نے آپ کو دشمن کا مقابلہ مدینہ سے باہر جا کر کرنے پر مجبور کیا ہے۔ حالاں کہ ہم ایسا نہیں چاہتے تھے۔ اگر آپ چاہیں تو یہیں مقابلہ کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

(( مَا يَنْبَغِي لِنَبِيِّ إِذَا لَبَسَ لَأَمْتَهُ أَنْ يَضَعَهَا حَتَّى يُقَاتِلَ ))  
 ”کسی بھی نبی (ﷺ) کے لائق نہیں کہ جب وہ اسلحہ اپنے بدن پر سجالے تو بغیر لڑے اس کو اتار دے۔“

اس واقعہ میں امت کے لیے بہت بڑی راہنمائی یہ ہے کہ امیر یا قائد کو اپنے ساتھیوں کی رائے کا احترام کرنا چاہیے۔ لیکن معیار دین و ایمان ہونا چاہئے۔ بے دینوں اور غیر مسلموں کی اکثریت کو اسلام رڈ کرتا ہے۔ اسلام جب ان سے دوستی کرنے اور ان کو اعتماد میں لینے سے منع کرتا ہے تو ان کی اکثریت کے فیصلے کو قبول کرنے کا پابند نہیں بنا سکتا۔ جنگ احد میں اس کا بھی نمونہ سامنے آ جاتا ہے۔

جمعہ پڑھانے سے جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو بنو نجار کے مالک بن عمرہ کا جنازہ پڑھایا پھر آپ ایک ہزار ساتھیوں کے ساتھ مدینہ طیبہ سے نکلتے ہیں۔ جب مدینہ اور احد پہاڑ کے درمیان پہنچتے ہیں تو عبد اللہ بن ابی ایک تہائی ساتھیوں کو لے کر لشکر اسلام سے الگ ہو جاتا ہے۔ اس کا عذر یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کی بات مان لی اور میری تجویز کو ٹھکرا دیا۔ ہم اپنے آپ کو یہاں کیوں ہلاک کریں۔

سیرت ابن ہشام (۱۰۵/۲) ہی کے الفاظ ہیں کہ عبد اللہ بن ابی ہر جمعہ کو جب آپ منبر پر تشریف فرما ہو جاتے

تو کھڑے ہو کر کہا کرتا تھا اے لوگو! تمہارے درمیان یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں انہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں عزت و تکریم سے نوازا ہے۔ پس ان کی عزت کرو، ان کی مدد کرو، ان کی بات سنو اور ان کی اطاعت کرو۔ لیکن جنگ احد کے موقع پر اس کے مطابق عمل کرنے کا جب وقت آیا تو اس نے رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اسی لیے جنگ احد کے بعد اگلے جمعہ کے دن انہی کلمات کو دہرانے کے لیے جب کھڑا ہوا تو صحابہ نے اس کے کپڑے پکڑ کر اس کو بٹھا دیا اور کہا، اے اللہ کے دشمن! تو اس کا اہل نہیں۔

امام الزہری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انصار نے جنگ احد کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا:

(( اَلَا نَسْتَعِيْنُ بِحُلَفَاءِنَا مِنْ يَهُودَ ؟ ))

”ہم اپنے حلیف یہود سے کیوں نہ مدد طلب کریں۔“

آپ ﷺ نے فرمایا:

(( لَا حَاجَةَ لَنَا فِيْهِمْ ))

”ان کی ہمیں کوئی حاجت نہیں۔“

انتہائی آزمائش کی گھڑی میں بھی آپ نے یہود سے مدد لینی گوارا نہ کی اور منافقوں کے الگ ہو جانے کے باوجود دشمن سے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

اللہ تعالیٰ نے جنگ احد ہی کے حوالے سے اپنے حبیب ﷺ کو یہ بھی یاد کرایا کہ جب دو جماعتوں نے بزدلی کا مظاہرہ کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے منافقوں والا رویہ اختیار کرنے سے انہیں بچالیا۔

صحیح بخاری (ص: ۵۸۰-۶۵۴) میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت ہمارے یعنی بنو سلمہ اور بنو حارثہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ اگر یہ نازل نہ ہوتی تو یہ بات مجھے محبوب نہ ہوتی اگرچہ اس میں ہماری کمزوری کا ذکر پایا جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فرمان ہے:

﴿ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ﴾

”اور اللہ تعالیٰ ان کا ولی ہے۔“

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے صحیح ایمان کی وجہ سے ان کو یکتے سے بچالیا۔ کیونکہ سورة البقرہ میں اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے:

﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ﴾

”اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لائے، وہ ان کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا

ہے۔“

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاءُ الطَّاغُوتِ يُخْرِجُونَهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَةِ ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾

”اور جنہوں نے کفر کو اپنایا، ان کے دوست طاغوت (یعنی شیطان) ہیں جو ان کو نور کی طرف سے نکال کر (گمراہی کے) اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں۔ وہی لوگ جہنمی ہیں اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔“

چوں کہ منافقوں کا ایمان دکھاوے کا تھا، ان کے دلوں میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ دین اسلام میں ان کا داخل ہونا ان کے مفاد میں تھا۔ لہذا جنگ احد کے موقع پر ان کی منافقت ظاہر ہو گئی اور اہل ایمان پر واضح ہو گیا کہ منافقوں سے خیر کی توقع رکھنا اپنے آپ کو دھوکا دینے کے مترادف ہے۔ سورۃ البقرہ کی ابتدائی آیات میں ہی واضح کر دیا گیا ہے:

﴿يُخٰدِعُونَ اللّٰهَ وَالَّذِينَ اٰمَنُوْا مَا يَخٰدِعُوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴾ (۹)

”وہ اللہ اور اہل ایمان کو دھوکا دیتے ہیں حالانکہ وہ اپنے آپ ہی کو دھوکہ دے رہے ہیں اور انہیں اس کا شعور نہیں۔“

﴿فِي قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ﴾

”ان کے دلوں میں مرض ہے پس اللہ تعالیٰ نے ان کی مرض کو اور بڑھا دیا ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا اس کے سبب کہ جو وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔“

اس کے برعکس اللہ تعالیٰ مومنوں کی راہنمائی فرماتا ہے اور ان کو بھٹکنے سے بچاتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے کہ جب بندوں کا ایمان کمزور ہوتا ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں تساہل اور تغافل کا وہ شکار ہوتے ہیں اور اوپر سے ایسی گھڑی آ جاتی ہے جس میں استقامت کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو پھر مکمل اتفاق اور اتحاد ہی بچاؤ کی صورت ہوتی ہے، ایسے وقت میں اہل اسلام جب آپس میں اختلاف کریں گے تو معاملہ خراب ہو جائے گا۔ دشمن کا حوصلہ بلند ہو جائے گا۔ سورۃ الانفال میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو آگاہ کر دیا۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاَنْبِتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (۱۰)

”اے ایمان والو! جب تمہارا مقابلہ دشمن کی کسی جماعت سے ہو جائے تو جم جاؤ اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ۔“

﴿وَ أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَ لَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَ تَهْبَطَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ (۱۶)

”اور اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو۔ ایسا کرو گے تو تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور (آزمائش میں) صبر کرو، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ آپس میں اختلاف اور جھگڑا بزدلی کا سبب بنتا ہے۔ اہل ایمان میں جب اتحاد و اتفاق ہو گا، اللہ پر ایمان اور یقین پختہ ہوگا، اسلام کی سر بلندی زندگی کا مقصود و مطلوب ہوگا، ہر قسم کی تکلیف برداشت کرنے اور اس پر صبر کرنے کا عزم ہوگا تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرنے والا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کا بھی ذکر فرمایا کہ اس میں تمہاری مدد کرنے والا کون تھا جب کہ تمہاری تعداد دشمن کی تعداد سے کم تھی، ان کے نزدیک تم حقیر و ذلیل تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کی چھوٹی سی جماعت کو کچلنا بڑا آسان ہے۔ لیکن جو نتیجہ سامنے آیا وہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ زبردست دھوم دھڑکے کے ساتھ وہ بدر کے مقام پر پہنچے حالانکہ ان کے چند سمجھ دار لوگوں نے ابو جہل اور اس کے ساتھیوں کو جنگ سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن کفار کا تکبر و غرور اپنے عروج پر تھا۔ شیطان نے ان کی عقلوں پر پردہ ڈال دیا تھا اور ان کی برائی کو ان کے لیے مزین کر دیا تھا۔ درحقیقت ان کی تباہی اور بربادی ہی کھینچ کر ان کو بدر تک لے آئی تھی جہاں اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت سے مسلمانوں کو پہلی بڑی فتح حاصل ہوئی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی صاحب تقویٰ بنادے۔

### حل لغات:

﴿وَ اِذْ عَدُوْتُ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ﴾ میں واؤ عاطفہ، اِذْ ظرف مبنی۔ عَدُوْتُ فعل ماضی واحد مذکر حاضر۔ مِنْ حرف جر۔ اَهْلِكَ مجرور۔ كاف ضمیر مخاطب کی یعنی رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے۔ تُبَوِّئُ باب تفعیل (مادہ ب و ء) سے فعل مضارع واحد مذکر حاضر الْمُؤْمِنِينَ اس کا مفعول۔ مَقَاعِدَ، مَقْعَد کی جمع مفعول ثانی۔ لِلْقِتَالِ جار مجرور فعل تَبَوَّئُ کے متعلق۔ جملے کا معنی ہے: اور جب صبح کے وقت آپ اپنے اہل کے پاس سے نکل کر مومنوں کو قتال کے لیے مناسب جگہوں میں بٹھا رہے تھے۔ ﴿وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ میں واؤ عاطفہ۔ لفظ اللہ مبتدا اور سَمِيعٌ عَلِيمٌ اس کی خبر۔ سَمِيعٌ اور عَلِيمٌ دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے۔

﴿ اِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَيْنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ﴾ میں اِذْ ظرف ماضی۔ هَمَّتْ فعل ماضی سے صیغہ واحد مؤنث غائب۔ طَائِفَتَانِ طَائِفَةٌ کی تثنیہ، فاعل۔ مِنْ حرف جر۔ کُمْ ضمیر مخاطب کی۔ اَنْ مصدریہ۔ تَفْشَلَا اصل میں تَفْشَلَانِ تھا فعل مضارع سے مؤنث غائب تثنیہ کا صیغہ ہے۔ اس کی نون اعرابی اَنْ کی وجہ سے گر گئی ہے۔ جملے کا معنی ہے جب تم میں سے دو جماعتوں نے بزدلی کا ارادہ کیا۔

﴿ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ﴾ میں وَاوِ حالیہ۔ لفظ اللہ مبتدا اور وَلِيُّهُمَا اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ ان کا ولی ہے۔

﴿ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴾ میں وَاوِ عاطفہ۔ عَلَى حرف جر۔ لفظ اللہ مجرور۔ لِيَتَوَكَّلِ امر غائب پر فاعل تلقین و رغبت ہے۔ الْمُؤْمِنُونَ فاعل۔ جملے کا معنی ہے: اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کرنا چاہئے۔

﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرِ وَ اَنْتُمْ اِذْلَةٌ ﴾ میں وَاوِ عاطفہ۔ قَدْ: تحقیق پر لام تاکید۔ نَصَرَ فعل ماضی واحد مذکر غائب۔ کُمْ ضمیر مخاطب کی مفعول۔ لفظ اللہ فاعل۔ بِبَدْرِ جار مجرور مل کر نَصَرَ کے متعلق۔ وَ اَنْتُمْ اِذْلَةٌ ضمیر کُمْ کا حال۔ جملے کا معنی ہے: اور بے شک اللہ تعالیٰ نے بدر میں تمہاری مدد کی حالاں کہ تم قلیل تھے۔ اِذْلَةٌ ذَلِيلٌ کی جمع ہے لیکن یہاں قلیل کا معنی دے رہا ہے۔ اس سے یہ بھی مراد ہے کہ دشمن کی نظر میں تم اِذْلَةٌ تھے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی۔

﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُشْكُرُونَ ﴾ میں اتَّقُوا فعل امر لفظ اللہ مفعول۔ لَعَلَّ حرف رجا۔ ممکن الحصول آرزو کے واسطے استعمال ہوتا ہے۔ کُمْ ضمیر مخاطب کی۔ تُشْكُرُونَ فعل مضارع، جمع مذکر حاضر۔ جملے کا معنی ہے: پس اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ تاکہ تم شکر کرتے رہو۔ یعنی تقویٰ کی بنا پر جن نعمتوں سے تم کو نوازا جائے اس پر اللہ کا شکر کرو۔

۱۲۷

”(وہ وقت یاد کرو) جب آپ مومنوں سے کہہ رہے تھے، کیا تم کو کافی نہ ہوگا کہ تمہارا رب تمہاری مدد تین ہزار نازل ہونے والے فرشتوں سے کرے۔

کیوں نہیں، اگر تم صبر کرو اور صاحب تقویٰ بن جاؤ اور دشمن تم پر ایک دم آدھکے تو تمہارا رب تمہاری مدد نشان لگے پانچ ہزار فرشتوں سے فرمائے گا۔

اِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَكْفِيَكُمْ اَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ اَلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزِلِيْنَ ﴿۱۲۷﴾

بَلٰى ۚ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوا وَيَاۡتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمِدِّدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اَلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۸﴾

وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلَسَطُمِثِينَ قُلُوبُكُمْ بِهِ ۖ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ

عِنْدَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿۱۲۶﴾

لَيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْبِتَهُمْ

فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ ﴿۱۲۷﴾

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ

عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۲۸﴾

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ

يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۖ

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۲۹﴾

### تشریح:

غزوہ بدر باقاعدہ کسی جنگی تدبیر یا پروگرام کا نتیجہ نہ تھا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی سر بلندی کے لیے اہل ایمان کو کفار کے سامنے لا کھڑا کیا۔

صحیح بخاری (غزوہ بدر ص: ۵۶۳) کی روایت ہے:

(( إِنَّمَا خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ يُرِيدُ عِيرَ قُرَيْشٍ حَتَّىٰ جَمَعَ اللَّهُ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ عَذُوهِمْ عَلَىٰ غَيْرِ

مِيعَادٍ ))

”بے شک رسول اللہ ﷺ قریش کے قافلے کا ارادہ رکھتے ہوئے مدینہ سے نکلے۔ یہاں تک کہ اللہ

تعالیٰ نے ان کو اور ان کے دشمن کو بغیر کسی پروگرام کے آمنے سامنے کھڑا کر دیا۔“

ظاہر ہے کہ ایک تجارتی قافلے کو روکنے کے لیے کسی بڑی جنگی تیاری کی ضرورت نہ تھی۔

سیرت ابن ہشام میں غزوہ بدر کے عنوان کے تحت منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سنا۔ ابوسفیان شام سے

قریش کا بہت سا تجارتی سامان لے کر واپس آ رہا ہے اور اس کے ساتھ تیس یا چالیس محافظ ہیں۔ آپ نے مسلمانوں

کو اس پر حملہ آور ہونے کی رغبت دی۔ صحابہ میں سے بعض نے اس کو قبول کیا اور بعض نے خیال کیا کہ لڑائی تو ہونی

نہیں۔ اس لیے جانے کی ضرورت نہیں۔ ادھر ابوسفیان کو جب معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ قافلے پر حملہ آور ہونے والے ہیں تو اس نے مضمض بن عمرو کے ذریعے قریش کو مدد کرنے اور قافلے کو بچانے کا پیغام بھجوادیا۔ مکہ کے کفار پہلے ہی مسلمانوں کے خلاف غصے سے بھرے ہوئے تھے۔ فوراً جنگی ساز و سامان کے ساتھ تیار ہو کر بدر پہنچ گئے۔ لیکن ابوسفیان نے ایسی حکمت عملی اختیار کی جس سے قافلہ مسلمانوں کے حملہ سے محفوظ ہو گیا اور اس نے قریش مکہ کو حالات سے آگاہ کرتے ہوئے واپس جانے کا مشورہ بھجوادیا۔

سیرت ابن ہشام (ج: ۱، ص: ۶۱۸) کے الفاظ ہیں:

(( اِنَّكُمْ اِنَّمَا خَرَجْتُمْ لِتَمْنَعُوا عِيْرَكُمْ وَ رِجَالَكُمْ وَ اَمْوَالَكُمْ فَقَدْ نَجَّاهَا اللّٰهُ فَاَرْجِعُوا فَقَالَ اَبُو جَهْلٍ بِنِ هِشَامٍ: وَاللّٰهِ لَا نَرْجِعُ حَتّٰى نَرِدَّ بَدْرًا ))

”بلاشبہ تم اپنے قافلے، اپنے آدمیوں اور اپنے مالوں کو بچانے کے لیے نکلے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کو بچالیا۔ پس تم واپس لوٹ جاؤ۔ لیکن ابو جہل بن ہشام نے کہا، اللہ کی قسم! ہم واپس نہیں جائیں گے یہاں تک کہ بدر تک پہنچیں۔“

سیرت ابن ہشام (ص: ۶۲۲-۶۲۳) ہی کی روایت ہے کہ حکیم بن حزام نے بھی کوشش کی کہ لڑائی نہ ہو اور قریش واپس چلے جائیں۔ اس نے عقبہ بن ربیعہ کو اس پر آمادہ بھی کر لیا لیکن جب ابو جہل سے بات کی تو اس نے کہا:

(( كَلَّا وَاللّٰهِ لَا نَرْجِعُ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ مُحَمَّدٍ ))

”ہرگز نہیں! اللہ کی قسم! ہم اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک اللہ ہمارے اور محمد ﷺ کے درمیان فیصلہ نہیں کر دیتا۔“

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد تین سو تیرہ جبکہ قریش مکہ ایک ہزار تھے اور بہترین سامان حرب ان کے پاس تھا۔ مسلمانوں نے قریش مکہ کو جنگ کے لیے یوں تیار دیکھا تو اس وقت رسول اللہ ﷺ نے مومنوں سے جو فرمایا، اللہ تعالیٰ نے وہ بھی یاد کرایا کہ ”جب تم مومنوں سے کہہ رہے تھے: کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد تین ہزار فرشتوں سے کرے۔ دشمن اپنے پورے غیظ و غضب اور جوش میں اگر تم پر حملہ آور ہوا تو اللہ تعالیٰ پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا۔“

سورة الانفال میں ارشاد ہوتا ہے:

(( اِذْ تَسْتَعِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنّٰى مُّيِّدُكُمْ بِالْاٰلِفِ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ )) (۹)

”یاد کرو! جب تم اپنے رب سے مدد چاہ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری دعا قبول فرمائی اور تمہیں یقین



دلایا کہ میں تمہاری مدد آگے پیچھے آنے والے ایک ہزار فرشتوں سے کروں گا۔  
بلکہ یقین دہانی اس سے بھی آگے جاتی ہے۔

﴿إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبَّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا سَلَفِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (۱۲)﴾

”جب آپ کے رب نے فرشتوں کی طرف وحی کی۔ بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں۔ پس تم اہل ایمان کے قدموں کو مضبوط کرو۔ میں عنقریب کفار کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈالوں گا، پس ان کی گردنوں اور ان کے پور پور پر ضربیں لگاؤ۔“

﴿ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (۱۳)﴾  
”یہ اس لیے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرے گا تو اللہ تعالیٰ بڑے سخت عذاب والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اپنی مدد کا یقین دلانے کے ساتھ یہ وضاحت بھی کر دی کہ کفار کو سزا اس لیے ملے گی کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی ہے اور جو بھی ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے سخت عذاب میں اس کو مبتلا کرے گا۔

عجیب بات یہ ہے کہ کفار مکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے منکر نہیں تھے۔ ابوسفیان جب قافلے کی سلامتی کا پیغام اہل مکہ کو بھیجتا ہے تو کہتا ہے کہ اللہ نے اس کو بچایا۔ ابو جہل جب قسم کھاتا ہے تو اللہ ہی کی کھاتا ہے غیر اللہ کا ذکر نہیں کرتا۔ درحقیقت وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے منکر تھے۔ نبیوں اور ولیوں کے بتوں کے ذریعے قرب الہی کے متلاشی رہتے تھے۔ سورۃ یونس میں اللہ تعالیٰ نے خود ان کے عقیدے کے بارے میں فرمایا کہ ان کا کہنا تھا:

﴿هُوَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ شَفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ﴾ [یونس: ۱۸]

”اللہ کے نزدیک یہ ہمارے سفارشی ہیں۔“

سورۃ الزمر میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفًا﴾ [الزمر: ۲۳]

”ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔“

اسی طرح قرآن حکیم کی اور بھی کئی آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ان کا ایمان تھا۔ لیکن ساتھ ساتھ غیر اللہ کو بھی پکارا کرتے تھے۔ یہی بات مسلمانوں اور ان کے درمیان لڑائیوں کا سبب بنی۔

مومنوں کے دلوں کو مضبوط کرنے کے لیے بشارت دی گئی کہ اگرچہ ان کی تعداد کم ہے سامانِ حرب کی کمی بھی ہے۔ لیکن فرشتوں کے نزول کی بشارت سے اس کی اور کمزوری کو دور کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو کُن سے ہر کام کر سکتا ہے۔

سورة یٰسین (آیت: ۸۲) میں واضح کر دیا گیا۔

﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾

”جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لیے کہتا ہے۔ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔“

جنگِ بدر کے موقع پر فرشتوں کا عددی ذکر بشارت ہی کی صورت تھی۔ لیکن اس کا قانون یہ رہا ہے اور رہے گا کہ بندوں نے اپنا معاملہ خود سدھارنا یا بگاڑنا ہے۔ اللہ کی دی ہوئی عقل اور اسباب کو استعمال کرتے ہوئے اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرنا ہے۔ ہر موقع پر اسی سے مدد کے طالب رہنا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی مبارک میں کر کے ہمارے لیے نمونہ قائم فرمایا آپ کے نمونہ کے مطابق عمل کرتے ہوئے کہیں کمزوری یا کوتاہی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ اپنی مدد سے اس کو پورا کر کے دشمن پر غلبہ عطا فرمائے گا۔ کیونکہ حقیقی مدد کا معاملہ اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ اسی طرح عذاب و بخشش اور ہدایت پر اختیار بھی اس نے اپنے کسی بندے کو نہیں دیا۔

صحیح بخاری ص: ۵۸۲، کی روایت ہے کہ فجر کی نماز کی آخری رکعت میں رسول اللہ ﷺ جب رکوع سے کھڑے ہو کر ((سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ)) کہنے کے بعد دعا کرتے۔ اے اللہ! فلاں اور فلاں پر لعنت فرما تو اللہ تعالیٰ نے ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ والی آیت نازل فرمادی۔

دوسری روایت کے مطابق آپ صفوان بن امیہ، سمیل بن عمرو اور حارث بن ہشام کا نام لے کر بددعا کیا کرتے تھے۔ اسی باب میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

((شَجَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ فَقَالَ: كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ شَجُّوا نَبِيَّهُمْ))  
”احد کے دن نبی کریم ﷺ زخمی ہوئے تو آپ نے فرمایا وہ قوم کیسے فلاں پائے گی جس نے اپنے نبی کو زخمی کیا۔“

اللہ تعالیٰ نے ﴿لَيْسَ لَكَ.....﴾ والی آیت نازل فرمادی۔ اللہ تعالیٰ نے سید الانبیاء ﷺ پر واضح کر دیا کہ عذاب دینا یا معاف کر دینا یا توبہ کرنے کی توفیق سے نواز دینا اس میں آپ کا کوئی عمل دخل نہیں۔

سورة الرعد میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾ (۴۰)

”لوگوں تک ہمارا پیغام پہنچانا آپ پر فرض ہے اور ان کا حساب لینا ہمارا کام ہے۔“

سورة البقرة میں مزید وضاحت ہوتی ہے:

﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ (۱۷۲)

”ان کو ہدایت دے دینا آپ کے بس کی بات نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا ہے۔“

سورة القصص میں سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ (۵۶)

”بے شک آپ اس کو ہدایت نہیں دے سکتے کہ جس کو پسند کرتے ہوں بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے،

ہدایت دے دیتا ہے اور وہی ہدایت یافتہ کو زیادہ جاننے والا ہے۔“

فتح الباری (۳/۲۶۶) میں مروی ہے:

((وَالثَّلَاثَةُ الَّذِينَ سَمَّاهُمْ قَدْ أَسْلَمُوا يَوْمَ الْفَتْحِ))

”رسول اللہ جن تین شخصوں کے بارے میں بددعا کیا کرتے تھے، فتح مکہ کے موقع پر وہ مسلمان ہو گئے۔“

اسی لیے غفور رحیم نے یہ معاملہ اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی ہدایت سے نواز کر اس پر

قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

### حل لغات:

﴿إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُبْعِدَ كُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ﴾ میں لَنْ نئی

تاکید۔ اس سے پہلے ہمزہ استفہامیہ۔ یُكْفِيكُمْ اور يُبْعِدُكُمْ کی ضمیر کُم مفعول۔ اور دونوں فعل مضارع واحد

مذکر غائب کے صیغے۔ پہلے کے آخر میں زبر حرف لن اور دوسرے کے آخرے میں اَنْ ناصبہ کی وجہ سے آئی

ہے۔ ان دونوں کا فاعل مرکب اضافی رَبُّكُمْ ہے۔ بِثَلَاثَةِ آلَافٍ عدد ذاتی حرف جر کی وجہ سے مجرور۔ مِنْ حرف

جر بیانہ۔ الْمَلَائِكَةِ الْمَلَک کی جمع۔ مُنْزَلِينَ اسم مفعول۔ جملے کا معنی ہے: جب تم مومنوں سے کہہ رہے

تھے۔ کیا تمہیں کافی نہ ہوگا کہ تمہاری مدد تمہارا رب تین ہزار نازل ہونے والے فرشتوں کے ساتھ کرے۔

﴿بَلَىٰ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ مِنْ فُورِهِمْ هَذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ

مُسَوِّمِينَ﴾ میں بَلَىٰ حرف جواب استفہامی۔ اِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا شرط۔ وَيَأْتُوكُمْ مِنْ فُورِهِمْ هَذَا حملہ آور

ہونے والوں کی کیفیت کو واضح کرنے والا جملہ۔ يُمْدِدْكُمْ سے آخر تک جواب شرط۔ مُسَوِّمِينَ اسم فاعل۔

جملے کا معنی ہے: کیوں نہیں، اگر تم صبر کرو اور متقی بن جاؤ اور دشمن تم پر اپنے جوش میں حملہ کرے تو تمہارا رب

نشان لگے پانچ ہزار فرشتوں کی مدد کرے گا۔

﴿وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ﴾ میں جَعَلَ فعل ماضی کی ہ ضمیر اللہ کی مدد کی طرف راجع ہے۔ اور لفظ اللہ اس کا فاعل ہے۔ اور اس سے پہلے ما تانیہ ہے۔ إِلَّا حرف استثنیٰ اور بُشْرَىٰ لَكُمْ مشقی۔ جملے کا معنی ہے: اور نہیں کیا اس کو اللہ تعالیٰ نے مگر تمہارے لیے بشارت۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے بشارت ہے۔ ﴿وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُم بِهِ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ﴾ میں واو عاطفہ تَطْمَئِنَّ فعل مضارع واحد مؤنث غائب۔ قُلُوبُكُمْ اس کا فاعل۔ ب حرف جرہ ضمیر بُشْرَىٰ کی طرف راجع۔ النَّصْر مصدر۔ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ اللہ تعالیٰ کی صفات۔ جملے کے معنی ہیں: اور تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن ہو جائیں اور مدد اللہ تعالیٰ عزیز و حکیم ہی کے پاس سے ہوتی ہے۔ عربی لغہ کے اعتبار سے تَطْمَئِنَّ کا مادہ ط م ن ہے۔ لیکن ثلاثی مجرد کی صورت میں عربی کلام یہ فعل استعمال نہیں ہوتا۔ بلکہ ہمزہ کا اضافہ کر کے رباعی (یعنی ط م ن ن کے طور پر) لایا جاتا ہے۔ لیکن قرآن حکیم میں اس سے مزید فیہ کا باب اِطْمَئِنَّ يَطْمَئِنُّ اِطْمَئِنَّا یعنی اِفْعَلُّ يَفْعَلُّ کے وزن پر استعمال ہوا ہے۔

﴿لَيَقْطَعَ طَرَفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْتَبُهُمْ لِيُقَاتِلُوا خَائِبِينَ﴾ میں يَقْطَعَ فعل مضارع کے آخر میں زبر لام کئی کی وجہ سے آئی ہے۔ طَرَفًا اس کا مفعول۔ يَكْتَبُهُمْ پر بھی لام کئی کا عمل ہوا ہے۔ خَائِبِينَ خَائِب کی جمع ہے۔ جملے کا معنی ہے: تاکہ نصرت الہی سے کفار کی ایک جماعت کو قتل یا غم زدہ کیا جائے تاکہ وہ نامراد واپس جائیں۔

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبُهُمْ فَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ میں لَيْسَ فعل ناقص۔ أَوْ یہاں حَتَّىٰ یا إِلَّا یا أَنْ کے معنی میں ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبُهُمْ کا عطف لَيَقْطَعَ طَرَفًا پر ہے۔ جملے کے معنی ہیں: اور یہ نبی کریم ﷺ سے خطاب ہے کہ اس معاملے میں آپ کو کوئی اختیار نہیں۔ وہ چاہے تو ان کی توبہ قبول کر لے اور چاہے تو ان کو عذاب میں مبتلا کرے۔ بے شک وہ ظالم نہیں۔

﴿وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ میں واو عاطفہ۔ لفظ اللہ لام حرف جر کی وجہ سے مجرور۔ مَا موصولہ۔ فی بھی حرف جر۔ اسی کے سبب السَّمٰوٰتِ اور الْأَرْضِ مجرور۔ يَغْفِرُ اور يَشَاءُ فعل مضارع واحد مذکر غائب کے صیغے۔ غَفُورٌ رَّحِيمٌ اللہ تعالیٰ کی صفات۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں اور جو زمین میں ہے۔ جس کو چاہے وہ بخش دے اور جس کو چاہے عذاب دے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

”اے ایمان والو! سود در سود نہ کھانا، اور اللہ سے ڈرتے رہنا تاکہ تم فلاح پاؤ۔  
اور اس آگ سے ڈر جاؤ جو کفار کے لیے تیار کی گئی ہے۔  
اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اور اپنے رب کی بخشش اور جنت کی طرف جلدی کرو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ وہ متقی لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

جو آسانی اور ہنگامی میں خرچ کرتے ہیں۔ غصے کو دباتے اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ایسے احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اور وہ لوگ جن سے فحاشی کا کوئی کام ہو جائے یا اپنی جانوں پر ظلم کر لیں تو اللہ کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا گناہوں کو کون بخش سکتا ہے؟ اور وہ اس پر مصر نہیں ہوتے جو انھوں نے کیا اس حال میں کہ وہ جانتے ہیں۔

وہی لوگ ہیں کہ جن کی جزا ان کے رب کی طرف سے بخشش اور وہ باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور عمل کرنے والوں کا اجر بہت ہی اچھا ہوگا۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بَعْضٌ مِّنْكُمْ يَكْفُرُ بِاللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٣٠﴾  
وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿١٣١﴾  
وَاطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٣٢﴾

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٣﴾

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ ۖ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٣٤﴾

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ ۖ وَمَن يَغْفِرِ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٣٥﴾

أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۗ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَمِلِينَ ﴿١٣٦﴾

### تشریح:

یہاں سود در سود کھانے کی ممانعت سے کسی کے دل میں یہ خیال نہیں آنا چاہئے کہ ممانعت سود در سود کی ہے لہذا مروجہ عام سودی لین دین کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

ایسی کوئی بات نہیں بلکہ یہاں سودی لین دین کی ہی وضاحت کی گئی ہے جو عربوں کے ہاں عام معمول تھا۔ تفسیر القرطبی میں مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے۔

”كَانُوا يَبِيعُونَ إِلَىٰ أَجَلٍ فَلَإِذَا حُلَّ الْأَجَلُ زَادُوا فِي الثَّمَنِ عَلَىٰ أَنْ يُؤْخَرُوا“  
 ”وہ ایک مقررہ مدت تک ادھار خرید و فروخت کرتے اور جب ادائیگی کا وقت آ جاتا اور ادائیگی نہ ہو پاتی تو وہ قیمت میں اضافہ کر دیتے اور ادائیگی کی مدت بڑھا دیتے۔“  
 امام ابن جریر رحمہ اللہ کے مطابق اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا:

”لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا فِي إِسْلَامِكُمْ بَعْدَ إِذْ هَدَاكُمْ لَهُ كَمَا كُنْتُمْ تَأْكُلُونَهُ فِي جَاهِلِيَّتِكُمْ“  
 ”اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والو! جس طرح تم جاہلیت میں سود کھایا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت پانے کے بعد اپنے اسلام میں سود نہ کھانا۔ یعنی مسلمان ہونے کے بعد سودی لین دین نہ کرنا۔“

جس طرح سورة البقرة میں ذکر ہو چکا ہے کہ سودی لین دین اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کھلی جنگ ہے۔ یہاں بتایا گیا ہے کہ ایسے لوگ جہنم میں ہوں گے۔ ساتھ ہی اہل اسلام کو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسلام کی اصل بنیاد یہی ہے۔ انگریزی قانون کے دلدادہ لوگ اکثر کہتے رہتے ہیں کہ قانون میں جس چیز کی ممانعت نہ کی گئی ہو، اس کی اجازت ہوتی ہے۔ اسلام میں ایسی ہیرا پھیری کی کوئی گنجائش نہیں۔ بلکہ سیدھی سادی سی بات یہ ہے کہ اہل ایمان نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنی ہے۔ اطاعت کرنے والوں کے لیے بشارت ہے کہ ان پر رحم کیا جائے گا۔ اگر حکم کی نافرمانی ہوئی تو رحم نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ نافرمانوں کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

سودی لین دین اور نافرمانی کے دوسرے کاموں سے بچنے کے ساتھ اہل ایمان کو یہ حکم بھی ملا کہ اپنے رب کی بخشش کو پانے اور اس جنت میں جانے کے لئے جلدی کرو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین جتنی ہے۔ وہ جنت ان خوش نصیبوں کو حاصل ہوگی جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے نیکی کے کاموں کو اپنائیں گے۔ یہاں آسمانوں کی چوڑائی کا ذکر ہوا ہے لمبائی کی بات نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں جنت اور دوزخ کا بہت مرتبہ ذکر فرمایا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی جنت اور جہنم دونوں موجود ہیں۔ وہ کہاں ہیں اور کیسے ہیں؟ اس بحث میں ہمیں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ زمین و آسمان میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن تک انسان کی ابھی رسائی نہیں ہوئی۔ آج کے سائنسدانوں کا دعویٰ ہے کہ فضا میں کئی زمینیں، کئی سورج اور چاند ہیں۔ انسان کو آج تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس

کے اپنے جسم میں روح کا مقام کہاں ہے۔ لہذا کوئی جاہل اس بناء پر جنت دوزخ کا انکار کر دے کہ وہ انسان کے مشاہدہ میں نہیں اور جس کو دنیا میں نعمتیں میسر ہیں اس کے لیے دنیا جنت ہے اور جو ان سے محروم ہیں ان کے لیے جہنم ہے۔ تو یہ بات کسی بھی طرح درست نہیں ہو سکتی۔ یہی بات کفار مکہ اور ان سے پہلے انبیاء علیہم السلام کا انکار کرنے والے کہا کرتے تھے۔ یعنی حیات بعد الممات کے منکر تھے۔

سورة سبائ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَذِلُّكُمْ عَلَى رَجُلٍ يُبَيِّنُكُمْ إِذَا مَرَّكُمْ كُلُّ مَرَّزٍ إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ (۷)﴾

”کفار نے کہا کیا ہم تمہیں اس شخص کے بارے میں نہ بتائیں جو کہتا ہے کہ جب تم ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو تمہاری نئی تخلیق ہوگی۔“

یعنی ان کا خیال تھا کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کا معاملہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا ہے قیامت، حشر، حساب و کتاب اور جنت و جہنم کا ان کے ہاں کوئی تصور نہ تھا۔ سورة التغابن میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا:

﴿رَعِمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ (۸)﴾

”کافروں کا گمان ہے کہ ان کو ہرگز قبروں سے اٹھایا نہیں جائے گا۔ آپ کہہ دیں کیوں نہیں میرے رب کی قسم تم کو ضرور اٹھایا جائے گا۔ پھر تمہیں وہ ضرور بتایا جائے گا جو تم نے کیا۔ اور یہ، اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہے۔“

لہذا ہماری سلامتی اسی میں ہے کہ قرآن حکیم پر پورا پورا ایمان اور یقین رکھتے ہوئے اللہ کی بخشش کے حصول اور اس کی جنت میں دخول کے لیے کوشاں رہیں۔

جس جنت کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا اس کے بارے میں یہ ارشاد ہوا کہ وہ متقین کے لیے تیار کی گئی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے خود ہی متقین کی چند صفات کا ذکر ساتھ ہی فرما دیا۔ درحقیقت اس میں سودی لین دین میں ملوث ہو کر جہنم کا ایندھن بننے کے برعکس اہل ایمان کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ اللہ کا دیا ہوا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہیں۔ تنگی اور فراخی کا خیال دل میں نہ آنے دیں۔ یعنی فراخی کا انتظار کرتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو بند نہ رکھیں۔ معاشرے کے ضرورت مند افراد کی حاجات پوری کرنے سے کنارہ کش نہ رہیں۔ بلکہ اپنی تنگی کے باوجود بھی اپنے بھائیوں کی حاجات کو اپنی حاجتوں پر ترجیح دیں۔ جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا معمول تھا۔



سورة الحشر میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (۹)

”وہ دوسروں کو اپنے نفسوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ خواہ خود محتاج ہوں۔ اور جو حرص و لالچ سے بچایا گیا پس وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔“

یعنی متقی وہ ہیں کہ جو تنگی اور فراخی میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔

متقین کی بیان کردہ دوسری صفت یہاں غصے کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھنا ہے۔ صحیح بخاری کے باب ”الحذر من الغضب“ (ص: ۹۰۳) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”پہلوان وہ نہیں جو کسی کو پچھاڑ دے۔ بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصے کی حالت میں اپنے نفس پر قابو رکھے۔“ کیونکہ غصے کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے اور اس میں انسان سے وہ کام ہو جاتے ہیں جن پر اس کو کچھ تانا پڑتا ہے۔

اسی باب میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت کے مطابق نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک شخص نے عرض کیا۔ مجھے کوئی وصیت فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (( لَا تَغْضَبْ )) غصے میں نہ آنا۔ اس نے متعدد بار اپنی درخواست دہرائی، آپ ﷺ نے وہی فرمایا۔ اسی باب میں آپ نے اس کا علاج بھی بتا دیا کہ جب غصہ آئے تو انسان اُخُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ (یعنی میں اللہ کے ساتھ شیطان رجیم سے پناہ مانگتا ہوں) پڑھے، اس سے اس کا غصہ جاتا رہے گا۔

تیسری صفت لوگوں کی زیادتی اور ان کے برے سلوک پر بدلہ لینے کی بجائے درگزر کرنا ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح میں باب ”الغضب والكبر“ (ص: ۴۳۲) کے تحت بیہقی کے حوالے سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے بارگاہ اللہ میں عرض کیا۔ اے میرے رب! تیرے نزدیک تیرے بندوں میں سے سب سے زیادہ عزت والا کون ہے؟ ارشاد ہوا:

(( مَنْ إِذَا قَدَّرَ غَفَرَ ))

”جو بدلہ لینے پر قادر ہونے کے باوجود معاف کر دے۔“

سورة الشوریٰ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ﴾ (۳۷)

”اور ان کو جب غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔“

تفسیر القرطبی (۲۰۷/۳) میں میمون بن مہران سے مروی ہے کہ ان کی ایک لونڈی گرم شور بے کا پیالہ لیے

ہوئے مہمانوں کی موجودگی میں آئی۔ اس کو ٹھوکر لگی اور گرم شور بہان پر گر گیا۔ انھوں نے اس کو جب مارنے کا ارادہ کیا تو لوٹڈی نے کہا۔ آپ قرآن کے مطابق عمل کریں۔ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿وَالْكَافِرِينَ الْعَظِيمِينَ﴾ میمون نے کہا میں نے غصہ کو دبایا۔ لوٹڈی نے اگلا حصہ ﴿وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ﴾ بھی سنایا، انھوں نے کہا میں نے تمہیں معاف کیا۔ لوٹڈی نے آیت کا آخری ٹکڑا ﴿وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ بھی سنا دیا۔ میمون نے کہا میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر تجھے آزاد کر دیا۔

متقین کی چوتھی صفت یہ بیان ہوئی کہ فحاشی یا گناہ کا کوئی کام ان سے ہو جائے تو فوراً اللہ کو یاد کر کے گناہوں کی معافی کے طلبگار ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بھی واضح کر دیا کہ اس کے سوا کوئی گناہوں کو بخشے والا نہیں۔ لیکن معافی مانگنے اور توبہ کرنے والے پر لازم ہے کہ جس برائی کا وہ مرتکب ہوا اس پر وہ اصرار نہ کرتا رہے۔ بلکہ تائب ہو کر اس سے بچنے میں کوشاں ہو جائے اور نیکی پر قائم رہنے کی توفیق اللہ تعالیٰ سے طلب کرتا رہے۔

جامع الترمذی (۱۳۶/۲) ابواب التفسیر میں ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا۔

”جب کوئی آدمی گناہ کا کوئی کام کر لیتا ہے تو وضو کر کے نماز پڑھتا ہے اور اپنے گناہ کی اللہ تعالیٰ نے بخشش چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے۔“

صحیح مسلم (۳۵۷/۲) کے مطابق حدیث قدسی ہے: اللہ عزوجل نے فرمایا کہ ایک بندے نے گناہ کیا اور اس نے دعا کی۔ اے اللہ! میرا گناہ بخش دے۔ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے نے گناہ کیا اور اس نے جان لیا کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ معاف کرتا ہے اور اس پر مواخذہ بھی کرتا ہے اس نے پھر گناہ کیا اور کہا۔ اے میرے رب! مجھے بخش دے۔ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے نے گناہ کیا اور اس نے جانا کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ معاف کرتا ہے اور اس پر گرفت بھی کرتا ہے۔ اس نے ایک اور گناہ کیا اور پھر بارگاہ الہ میں عرض کیا اے میرے رب! میرے گناہ کو معاف فرما۔ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے نے گناہ کیا اور جان لیا کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ کو معاف کرتا ہے اور گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((إِعْمَلْ مَا شِئْتَ فَقَدْ عَفَرْتُ لَكَ))

”تو جو چاہے عمل کر۔ میں نے تجھے بخش دیا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بندے کے گناہوں کو نہیں دیکھتا۔ بلکہ وہ یہ دیکھتا ہے کہ اس کا بندہ اس کو رب سمجھتے ہوئے اس کی طرف رجوع کرتا ہے کہ نہیں۔ جو رجوع کرتے ہیں ان کے بارے میں بشارت دی گئی کہ ان کی

جزا ان کے رب کے پاس بخشش اور وہ باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی بخشش پانے والوں میں کر دے۔

### حل لغات:

﴿يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً﴾ میں لَا تَأْكُلُوا فعل نہیں۔ الرِّبَا مفعول۔ أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً حال۔ جملے کا معنی ہے: اے ایمان والو، سود در سود نہ کھانا۔

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ میں اتَّقُوا فعل امر۔ لَعَلَّ حرف رجا یا بمعنی کئی۔ کُم ضمیر مخاطب کی۔ تُفْلِحُونَ فعل مضارع جمع مذکر حاضر۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ تاکہ تم فلاح پاؤ۔

﴿هُوَ اتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ﴾ میں اتَّقُوا فعل امر۔ النَّار مفعول۔ الَّتِي موصول۔ أُعِدَّتْ فعل ماضی مجہول واحد مؤنث غائب۔ ل حرف جر۔ کَافِرِينَ مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اور اس آگ سے ڈر جاؤ جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

﴿وَ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ میں أَطِيعُوا فعل امر۔ لفظ الله وَالرَّسُول مفعول۔ تُرْحَمُونَ فعل مضارع مجہول جمع مذکر حاضر۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

﴿وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ﴾ میں سَارِعُوا فعل امر۔ جملے کا معنی ہے: اور اپنے رب کی بخشش کی طرف جلدی کرو۔

﴿وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ﴾ میں جَنَّةٍ کا عطف مغفیرۃ پر ہے۔ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ سے مراد کَعَرْضِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور اس جنت کی طرف جلدی کرو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین جتنی ہے۔ جو متقین کے لیے تیار کی گئی ہے۔

﴿الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ﴾ میں الَّذِينَ اسم موصول۔ يُنْفِقُونَ فعل مضارع۔ فِي حرف جر السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ مجرور۔ جملے کا معنی ہے: متقین وہ ہیں جو آسانی اور تنگی میں کچ کر رہے ہیں۔

﴿وَالْكَاطِمِينَ الْغَيْظِ﴾ میں الْكَاطِمِينَ اسم فاعل۔ الْغَيْظُ مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور غمے کو دباتے ہیں۔

﴿وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ﴾ میں الْعَافِينَ بھی اسم فاعل۔ جملے کا معنی ہے: اور جو لوگوں کو معاف کرتے ہیں۔

تینوں جملے چونکہ متقین کی صفات ہیں اور متقین جری حالت میں ہے۔ اس لیے صفات، بھی جری حالت میں آئی ہیں۔

﴿وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ﴾ میں اِذَا ظَرْف شرطیہ۔ فَعَلُوا فَعْل ماضی۔ فَاحِشَةً مفعول۔ اَوْ عاطفہ ظَلَمُوا فَعْل ماضی۔ اَنْفُسَهُمْ مفعول ذَكَرُوا بھی فعل ماضی۔ لفظ اللہ اس کا مفعول۔ اِسْتَغْفَرُوا کی فاء عاطفہ اور اِسْتَغْفَرُوا بھی فعل ماضی۔ لِذُنُوبِهِمْ کی لام حرف جر۔ ذُنُوبِهِمْ مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اور وہ لوگ جب ان سے فاحشی کا کوئی کام ہو جائے یا وہ اپنی جانوں پر ظلم کر لیں تو وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی بخشش چاہتے ہیں۔

﴿وَمَنْ يَغْفِرِ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ میں مَنْ استفہامیہ۔ يَغْفِرُ فعل مضارع۔ الذُّنُوبُ مفعول۔ إِلَّا حرف استثناء۔ لفظ اللہ متشبی۔ یہ جملہ معترضہ ہے اور اس کے معنی ہیں: اور اللہ تعالیٰ کے سوا گناہوں کو کون بخشتا ہے؟ ﴿وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ میں لَمْ تَمَّ تَجِد۔ اسی کی وجہ سے يُصِرُّوا فعل مضارع کی نون اعرابی گری ہوئی ہے۔ عَلَىٰ حرف جر۔ مَا موصول۔ فَعَلُوا فعل ماضی۔ واوِ حالِیہ هُمْ ضمیر فاحشی کے مرکب ہونے والوں اور اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والوں کی طرف لوثی ہے۔ يَعْلَمُونَ فعل مضارع جمع مذکر غائب۔ جملے کا معنی ہے: اس حال میں کہ وہ جانتے ہیں۔

﴿أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ مَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَ جَنَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا﴾ میں أُولَٰئِكَ اسم اشارہ۔ تَجْرِي فعل مضارع۔ الْأَنْهَارُ اس کا فاعل۔ خَالِدِينَ فِيهَا حال۔ جملے کا معنی ہے: وہی لوگ ہیں کہ ان کی جزا ان کے رب کی طرف سے بخشش اور وہ باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ﴿وَيَنعَمُ أَجْرُ الْعَمَلِينَ﴾ میں يَنعَمُ فعل مدح و توصیف۔ أَجْرُ الْعَمَلِينَ مرکب اضافی اس کا فاعل۔ جملے کا معنی ہے: اور عمل کرنے والوں کا اجر بہت ہی اچھا ہوگا۔

۲۹

”تم سے پہلے کئی امتیں گزر چکی ہیں۔ پس تم زمین میں چلو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔“

یہ سب لوگوں کے لیے بیان ہے لیکن ہدایت اور نصیحت (صرف) متقین کے لیے ہے۔

اور تم نہ سستی کرو اور نہ غم کرو اور تم ہی غالب آؤ گے اگر تم

﴿قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَاسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ﴾

هَذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ

مومن ہو گے۔

اگر تم کو زخم لگا ہے تو اس کی مثل اس سے پہلے دشمنوں کو بھی زخم لگ چکا ہے، اور یہ ایام لوگوں کے درمیان ہم پھیرتے رہتے ہیں۔ اور تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو جان لے جو ایمان لائے اور تم میں سے بعض کو شہادت سے نوازے۔ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔

اور تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو خالص کر دے جو ایمان لائے اور کافروں کو مٹا دے۔

کیا تم نے گمان کیا کہ تم جنت میں (یوں ہی بغیر کسی امتحان کے) داخل ہو جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ نے ابھی تک ان لوگوں کو نہیں جانا کہ جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور ان کو بھی جنہوں نے صبر کیا۔

اور موت سے آنا سامنا ہونے سے پہلے تم موت کی تمنا کیا کرتے تھے اب تم نے اس کو اپنے سامنے پا لیا اس حال میں کہ تم دیکھ رہے ہو۔

إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾

إِنْ يُمَسِّسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿١٤٠﴾

وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ ﴿١٤١﴾

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ﴿١٤٢﴾

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ ۖ فَقَدْ رَآيْتُمُوهُ وَ أَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿١٤٣﴾

**تشریح:**

قرآن حکیم کے ایک تہائی حصے میں سابقہ امتوں کے حالات و واقعات بڑی تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ پہلی امتوں کی بربادی کا آغاز حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے ہوا۔ جب انھوں نے اپنے نبی علیہ السلام کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ ساڑھے نو سو سال دن رات وہ قوم کو اللہ کا پیغام سناتے رہے۔ نبی علیہ السلام کی خواہش تھی کہ اللہ ان کو معاف فرمائے لیکن وہ بد بخت قوم اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر چادریں اوڑھ لیتی۔ سرکشی اور نافرمانی پر ڈٹی رہتی۔ بت پرستی ترک کرنے پر تیار نہ ہوتی۔ اللہ کے حکم سے بننے والی کشتی کو دیکھ کر مذاق کرتی۔ جب ان کو طے والی مہلت ختم ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کی اتباع کرنے والوں کے علاوہ ساری قوم کو طوفان میں غرق کر دیا۔ سورۃ نوح کے الفاظ ہیں:

﴿مِمَّا خَطِطْتُمْهُمُ اغْرَقُوا فَأُذِلُّوا نَارًا ۚ فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْصَارًا ۚ﴾

”ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے غرق کر کے جہنم کی آگ میں داخل کر دیا گیا۔ پھر اللہ کے سوا مدد کرنے والے انھوں نے کوئی نہ پائے۔“ یعنی ان کی مدد کو کوئی نہ آیا۔

عادیوں کی طرف مبعوث ہونے والے ہود علیہ السلام نے جب ان سے کہا کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں تو قوم کے سرداروں نے حق کو ٹھکراتے ہوئے اپنے نبی (علیہ السلام) کو جو جواب دیا اللہ تعالیٰ نے اس کو سورة الاعراف کا حصہ بنا دیا:

﴿إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنُظُنُّكَ مِنَ الْكَذِبِينَ﴾ (۱۱۶)

”بے شک ہم تمہیں کم عقلی میں دیکھتے ہیں اور تجھے جھوٹوں میں سے خیال کرتے ہیں۔“

کس قدر غلام قوم تھی کہ نہ صرف اللہ کے بھیجے ہوئے نبی (علیہ السلام) کو جھٹلاتی تھی بلکہ ان کو بے وقوف، کم عقل اور جھوٹا سمجھتی تھی۔ پھر جب ان کی تباہی کا وقت آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسی شدت والی ہوا مسلط کی جو سات راتیں اور آٹھ دن ان کی ہلاکت کا سبب بنی رہی۔ سورة الحاقة میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَى كَأَنَّهُمْ أُغِجَوْنَ نَخْلًا يَخْوَىٰ﴾ (۱۱۷)

”پس آپ قوم کو اس میں گرا ہوا اس طرح دیکھتے ہیں گویا کہ وہ جڑ سے اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں۔“ سورة الاحقاف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿تَذُمُّرُ كُلِّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَىٰ إِلَّا مَسَكِنُهُمْ كَذَلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ﴾ (۱۲۰)

”وہ ہوا ہر شے کو اپنے رب کے حکم سے تہس نہس کر رہی تھی۔ صبح انھوں نے اس حال میں کی کہ ان کے گھروں کے علاوہ کچھ دکھائی نہ دیتا تھا اسی طرح ہم مجرموں کو سزا دیتے ہیں۔“

یہ اس قوم کا حال ہوا کہ جس کے بارے میں سورة الفجر میں اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرمایا:

﴿الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ﴾ (۸)

”یہ وہ قوم تھی جس کی مثل شہروں میں کوئی پیدا ہی نہ کی گئی۔“

یعنی وہ بہت ہی طاقتور لوگ تھے۔ اللہ اور اس کے بھیجے ہوئے نبی (علیہ السلام) کی تعلیم کو ٹھکراتے کی وجہ سے تیز و تند ہوا کے ذریعہ فنا کر دیے گئے اور ان کی طاقت ان کو اللہ کے عذاب پہنچانہ سکی۔

شودیوں کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا گیا ان کی قوم نے نشانی کے طور پر ایک ایسی اونٹنی کا مطالبہ کر دیا جو پہاڑ کی چٹان میں سے معجزانہ طور پر نکلے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنے رب سمیع و بصیر، علی کل شیء قدیر کی بارگاہ میں اپنی

قوم کا مطالبہ پیش کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے ثمودیوں کے جاہلانہ مطالبہ کو پورا کر دیا لیکن ان کی قوم نے پھر بھی سرکشی کو ترک نہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت کے طور پر ملنے والی اونٹنی کو مار دیا۔ سورة الشمس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا (۱۱) إِذِ انْبَعَثَ أَشْقَاهَا (۱۲) فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيَاهَا (۱۳) فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا (۱۴) فَذَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنبِهِمْ فَسَوَّاهَا (۱۵)﴾

”ثمود نے اپنی سرکشی کے سبب جھٹلایا۔ جب ان کا ایک بد بخت اٹھا۔ اللہ کے رسول نے ان سے کہا کہ اللہ کی اونٹنی (کا خیال رکھنا) اور اس کو پانی پلانا ہے۔ پس انھوں نے جھٹلایا اور اونٹنی کی کوچیں کاٹ دی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو ہلاک کر کے برابر کر دیا۔“

لوط علیہ السلام کی قوم شرک کے ساتھ ساتھ غیر فطرتی عمل کی مرتکب ہوتی تھی۔ اللہ کے نبی ﷺ نے ان کو بہت سمجھایا لیکن ان کا سمجھانا کام نہ آیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے دو فرشتوں سے اُن کو آزمایا۔ جب اپنی سرکشی میں مزید آگے بڑھ گئے تو قہر الہی جوش میں آیا۔ سورة ہود کے الفاظ ہیں:

﴿فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا (۸۱) وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سَاجِجٍ مَّنصُودٍ (۸۲)﴾

”جب ہمارا عذاب آیا تو ہم نے ان کی بستی کی ٹخلی جانب کو اوپر اور اوپر والی کو نیچے کر دیا۔ یعنی اُس گناہ آلودہ بستی کو الٹ دیا اور اس پر تہہ بہ تہہ نوکیلے پتھروں کی بارش برسائی۔“

شعیب علیہ السلام کی قوم کو ناپ تول میں ہیرا پھیری کرنے اور زمین میں فتنہ برپا کرنے کی عادت تھی۔ اپنے سے پہلی قوموں کی طرح شرک کے مرتکب بھی ہوتے تھے۔ شعیب علیہ السلام نے ان کو نوح، ہود، صالح اور لوط علیہم السلام کی قوموں کی بربادی کا حوالہ دے کر حق کو اپنانے اور برائی سے بچ جانے کی بڑی تلقین کی۔ ان کو یقین دلایا کہ میرا رب بڑا ہی محبت و رحم والا ہے اس لیے اس سے توبہ کرو اور اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔ ان کی قوم نے ان کی خیر خواہی کی قدر نہ کی۔ لہذا ان کا انجام بھی وہی ہوا جو ان سے پہلی قوموں کا ہوا۔ سورة ہود کے الفاظ ہیں:

﴿وَ أَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جُثَثٍ (۱۱۶)﴾

”اور ظالموں کو ایک چیخ نے پکڑ لیا اور وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل ہو گئے۔“

فرعون جو اپنے آپ کو رب اعلیٰ کہلوا کرتا تھا، جس کو اپنی طاقت و قوت پر بڑا ناز تھا، جس نے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے لگنے والے جھکوں کو اچھی طرح محسوس کرنے کے بعد بھی اپنی متکبرانہ روش کو ترک نہ کیا۔ حقیقی رب اعلیٰ کو تسلیم کرنے اور اس کے سامنے جھکنے کو تیار نہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے دنیا کے لیے اس کو عبرت



بنادیا۔ سورة الاعراف میں اللہ تعالیٰ نے فرعونوں کے انجام کا ذکر یوں فرمایا:

﴿فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ﴾ (۱۲۷)  
 ”پھر ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان کو دریا میں غرق کر دیا۔ کیونکہ انھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے غافل رہا کرتے تھے۔“

مذکورہ واقعات سے عیاں ہوتا ہے کہ جب کسی قوم میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اپنے عروج پر پہنچ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ خود ہی اس قوم سے انتقام لیتا ہے اور انتقام لینے میں اس کو دنیوی اسباب کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کی کائنات میں جو کچھ بھی ہے اس کا خالق و مالک ہونے کے ناطے ان میں سے کسی ایک کو حرکت میں لا کر مغضوب قوم کو تباہ و برباد کر سکتا ہے۔

اسی نکتہ کو ایک ہی آیت میں اجاگر کرتے ہوئے رب العالمین نے جنگ احد میں اہل ایمان کا جو نقصان ہوا اس پر تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اس سے بدل ہونے کی ضرورت نہیں۔ جنگوں میں ہار جیت ہوتی ہی رہتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے اس قانون کے تحت اہل ایمان کو دوسروں سے ممتاز کرتا ہے اور دنیا کو دکھانا چاہتا ہے کہ اس کے کون سے بندے اس کی راہ میں جہاد کرنے اور تکالیف پر صبر کرنے والے ہیں۔ حالانکہ وہ انسانوں کے ظاہر و باطن سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے۔ اس نے اپنے بندوں پر یہ بھی واضح کر دیا کہ جنت میں داخل ہونے کے لیے ویسا ہی عمل کرنا ہوگا جیسا اس نے اُس کے حصول کے لیے مقرر کر رکھا ہے۔ یعنی سبمانہ و تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کے تقاضوں کو پورا کیا جائے اور نیتیں شیطانی وسوسوں سے پاک ہوں۔ جہاد خالصتاً کلمہ اللہ کی سر بلندی کے لیے ہو۔

شہادت کی تمنا رکھنے والوں پر لازم ہے کہ سستی اور کاہلی کو نزدیک نہ آنے دیں۔ راہ حق میں پہنچنے والے نقصان کا کوئی غم نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو یہ بشارت بھی دے دی کہ اگر تمہارا ایمان مضبوط ہوگا تو غلبہ بھی تم ہی کو نصیب ہوگا۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے جہاد کے بارے میں عملی راہنمائی بھی امت کو مہیا فرمادی ہے۔

صحیح بخاری (کتاب الجہاد، باب "لا تَمْنُوا لِقَاءَ الْعَدُوِّ") اور صحیح مسلم (کتاب الجہاد، باب كراهية التمني لقاء العدو) کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا بعض ایام میں دشمن سے امن سامنا ہوا۔ آپ نے لڑائی شروع کرنے میں سورج کے ڈھلنے کا انتظار کیا۔ پھر آپ نے کھڑے ہو کر صحابہ سے ارشاد فرمایا:

(( لَا تَمْنُوا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَ سَلُّوا اللَّهَ الْعَاقِبَةَ ، فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاصْبِرُوا وَاعْلَمُوا أَنَّ الْحَنَّةَ

تَحْتَ ظِلِّ السَّيْفِ ))

”دشمن سے ٹکراؤ کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے رہو، البتہ جب دشمن سے ٹکراؤ ہو

جائے تو صبر کرتے ہوئے ڈٹ جاؤ اور جان لو کہ بے شک جنت تلواروں کے سایہ میں ہے۔“  
پھر آپ نے دعا کی:

(( اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ وَمُجْرِيَ السَّحَابِ وَهَازِمَ الْاَحْزَابِ اِهْزِمْنَاهُمْ وَاَنْصُرْنَا عَلَيْهِمْ ))  
”اے کتاب نازل کرنے والے، بادلوں کو چلانے والے اور دشمن کے لشکروں کو شکست دینے والے، اللہ!  
ان کو شکست دے، اور ان کے خلاف ہماری مدد فرما۔“

سورة الانفال میں ہے کہ جب دشمن سے مقابلہ ہو جائے۔

﴿ فَانْصُرُوا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۰۰ ﴾

”تو ڈٹ جاؤ اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔“

معلوم ہوا کہ کامیابی کا راز دشمن کے مقابلے میں ڈٹ جانا اور تکالیف پر صبر کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی ہمیں  
توفیق عطا فرمائے۔ آمین

### حل لغات:

﴿ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ﴾ میں قَدْ تحقیق کا۔ خَلَتْ فعل ماضی۔ مِنْ حرف جر اور قَبْلِكُمْ مجرور۔ کُمْ ضمیر  
مخاطب کی۔ سُنَنٌ (سُنَّة کی جمع) اس کا فاعل۔ اور اس سے مراد الطريق المستقیم یعنی سیدھا راستہ۔ اس سے  
مراد وہ امام بھی ہوتا ہے جس کی اتباع کی جائے اور اس سے مراد امت بھی ہوتی ہے۔ یہاں سُنَن سے مراد  
امتیں ہی ہیں۔ جملے کا معنی ہے: کہ تم سے پہلے کئی امتیں گزر چکی ہیں۔

﴿ فَسِيرُوا فِي الْاَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِيْنَ ﴾ میں سِيرُوا اور اَنْظُرُوا دونوں فعل  
امر حاضر۔ كَيْفَ استفہامیہ۔ كَانَ تامہ۔ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِيْنَ مرکب اضافی اس کا فاعل۔ جملے کا معنی ہے: پس  
زمین میں چلو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔

﴿ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾ میں هٰذَا اسم اشارہ، مبتدا۔ بَيَانٌ خبر۔ جملے کا معنی ہے: کہ یہ  
قرآن لوگوں کے لیے بیان ہے لیکن متقی لوگوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔

﴿ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمْ الْاَغْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ ﴾ میں لَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا دونوں فعل  
نہی۔ الْاَغْلَوْنَ الْاَعْلٰی کی جمع ہے۔ اِنْ شرطیہ۔ جملے کا معنی ہے: اور نہ سستی کرو اور نہ غم کرو۔ اگر تم مومن ہو گے  
تو تم ہی غالب آؤ گے۔

﴿ اِنْ يُّمَسِّسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ﴾ میں اِنْ شرطیہ۔ يُّمَسِّسُ فعل مضارع۔ کُمْ ضمیر مخاطب کی

مفعول۔ قَرَحَ فاعل۔ فَقَدْ کی فاء جواب شرط۔ مَسَّ فعل ماضی۔ الْقَوْمَ مفعول۔ قَرَحَ فاعل۔ جملے کا معنی ہے: اگر تمہیں زخم لگا ہے تو بے شک تمہاری مخالف قوم کو بھی اسی طرح کا زخم لگ چکا ہے۔

﴿وَبَلَدِكَ الْآيَاتُ نُنَادُوا لَهَا بَيْنَ النَّاسِ﴾ میں واو عاطفہ بَلَدِكَ اسم اشارہ۔ الْآيَاتُ الْيَوْمَ کی جمع۔ نُنَادُوا لَهَا کی ضمیر الْآيَاتُ کی طرف راجع ہے اور نُنَادُوا فعل مضارع جمع متکلم۔ جملے کا معنی ہے: اور یہ ایام ہم لوگوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں۔

﴿وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ﴾ میں لِيَعْلَمَ کی لام کئی کی۔ يَعْلَمَ کے آخر میں زبر اسی کی وجہ سے آئی ہے۔ لَفْظُ اللَّهِ فاعل۔ الَّذِينَ موصولہ۔ آمَنُوا فعل ماضی صلہ۔ يَتَّخِذَ پر بھی عمل لام کئی کا ہوا ہے۔ مِنْكُمْ میں ضمیر مخاطب کی اور مِنْ تبعیضیہ۔ شُهَدَاءَ شہید کی جمع يَتَّخِذَ کا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور تاکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جان لے جو ایمان لائے اور تم میں سے بعض کو شہادت سے نوازے۔

﴿وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ﴾ میں يُحِبُّ فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ لَفْظُ اللَّهِ اس کا فاعل۔ الظَّالِمِينَ مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔

﴿وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ﴾ میں يُمَحِّصَ اور يَمْحَقُ دونوں فعل مضارع واحد مذکر غائب کے صیغے اور دونوں پر لام گئی کا عمل ہو رہا ہے۔ جس کی وجہ سے دونوں منصوب ہیں۔ جملے کا معنی ہے: اور تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو خالص کر دے جو ایمان لائے اور کافروں کو مٹا دے۔

﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَلُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ﴾ میں اَمْ حرف عطف شرطیہ۔ حَسِبْتُمْ فعل ماضی۔ اَنْ ناصبہ۔ تُدْخِلُوا کی نون اسی کی وجہ سے گری ہوئی ہے۔ الْجَنَّةَ مفعول فیہ۔ واو عاطفہ۔ لَمَّا بمعنی لَمْ نَفِی جہد۔ لَفْظُ اللَّهِ فاعل۔ الَّذِينَ موصولہ۔ جَاهَلُوا فعل ماضی۔ مِنْ حرف جر۔ ثُمَّ ضمیر مخاطب کی۔ واو عاطفہ۔ يَعْلَمَ پر بھی اَنْ ناصبہ کا عمل ہوا ہے۔ الصَّابِرِينَ مفعول۔ جملے کا معنی ہے: کیا تم نے گمان کیا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ان کو نہیں جانا جنہوں نے جہاد کیا اور اس نے صبر کرنے والوں کو نہیں جانا۔

﴿وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ﴾ میں واو عاطفہ۔ قَدْ حرف تحقیق پر لام تاکید کا۔ كُنْتُمْ فعل ماضی ناقص۔ تَمَنَّوْنَ فعل مضارع جمع مذکر حاضر۔ الْمَوْتَ اس کا مفعول۔ مِنْ حرف جر۔ قَبْلِ اسم جہت مجرور اَنْ ناصبہ۔ تَلْقَوْا فعل مضارع، ضمیر الْمَوْتَ کی طرف راجع ہے۔ واو حالیہ۔ اَنْتُمْ ضمیر مرفوع منفصل تَنْظُرُونَ فعل مضارع۔ جملے کا معنی ہے: شہادت سے سامنا ہونے سے پہلے بے شک تم شہادت پانے کی تمنا کرتے تھے۔ اب تم نے اس کو سامنے پالیا ہے اس حال میں کہ تم اس کو دیکھ رہے۔

۳۰

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۖ قَدْ خَلَتْ  
مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَأَنْتُ مَاتَ أَوْ قُتِلَ  
انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَ مَنْ يَنْقَلِبْ  
عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۚ  
وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّكِرِينَ ﴿۱۴۴﴾

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ  
كَتَبْنَا مُوَدَّلًا ۚ وَ مَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا  
نُؤْتِهِ مِنْهَا ۚ وَ مَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ  
مِنْهَا ۚ وَسَنَجْزِي الشَّكِرِينَ ﴿۱۴۵﴾

وَكَانَ مِنْ نَبِيِّ قَتَلَ مَعَهُ رِيبُونَ كَثِيرٌ  
فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
وَمَا ضَعُفُوا وَ مَا اسْتَكَانُوا ۚ وَاللَّهُ يُحِبُّ  
الصَّابِرِينَ ﴿۱۴۶﴾

وَ مَا كَانَ قَوْلُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا  
ذُنُوبَنَا وَ إِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ أَقْدَامَنَا  
وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۱۴۷﴾

”حضرت محمد (ﷺ) ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے  
بہت سے رسول ہو چکے ہیں، اگر وہ فوت ہو جائیں یا شہید  
کر دیے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑھیوں پر پھر جاؤ گے۔ اور  
جو اپنی ایڑھیوں پر پھرے گا وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز کوئی نقصان  
نہیں پہنچا سکے گا۔ اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو  
جزا دے گا۔

اور کوئی بھی جان دار اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر مر نہیں  
سکتا (کیونکہ اللہ کی طرف سے) وقت مقرر رکھا جا چکا ہے،  
اور جو کوئی دنیا کے ثواب کی چاہت رکھتا ہے تو ہم اس کو  
اس میں سے دے دیتے ہیں اور جو آخرت کے ثواب کا  
ارادہ رکھتا ہے تو ہم اس کو وہی دے دیتے ہیں۔ اور  
عنقریب ہم شکر کرنے والوں کو جزا دیں گے۔

اور کتنے ہی نبی ہوئے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے  
رب والوں نے قتال کیا اور اللہ کی راہ میں ان کو جو تکلیف  
پہنچی اس کی وجہ سے ہمت نہ ہاری اور نہ کمزوری دکھائی اور  
نہ مغلوب ہونے کے بعد ذلت کو قبول کیا۔ اور اللہ تعالیٰ  
صابروں کو دوست رکھتا ہے۔

اور ان کا صرف یہ کہنا تھا کہ اے ہمارے رب! ہمارے  
گناہ اور ہمارے معاملے میں ہماری زیادتیاں معاف فرما  
اور ہمیں ثابت قدمی عطا کر دے اور کافروں کے خلاف

ہماری مدد فرما۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کے ثواب اور آخرت کے بہترین ثواب سے نواز دیا۔ اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔“

فَاتَّهَمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَ حُسْنَ ثَوَابِ  
الْآخِرَةِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٤٨﴾

### تشریح:

تفاسیر میں منقول ہے کہ جنگ احد میں ابن قمریہ نے کفار مکہ سے یہ بات کہہ دی کہ وہ (نعوذ باللہ) رسول اللہ ﷺ کو شہید کر کے آیا ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ زخمی ہوئے تھے۔ شیطان نے بھی یہ افواہ مسلمانوں میں پھیلا دی۔ جس سے اہل اسلام میں بددلی پیدا ہوئی اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ﴾ والی آیت نازل فرمادی۔

تفسیر ابن کثیر میں مروی ہے کہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کو زخموں سے چور خاک و خون میں تڑپتے ہوئے دیکھا تو ان سے کہا۔ آپ کو معلوم ہے (( اَنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ )) کہ محمد ﷺ شہید کر دیے گئے ہیں۔ تو انصاری نے کہا:

(( اِنْ كَانَ مُحَمَّدٌ قُتِلَ فَقَدْ بَلَغَ فَقَاتِلُوا عَنْ دِينِكُمْ ))

”اگر محمد ﷺ شہید کر دیے گئے ہیں تو انھوں نے (تم تک اللہ کا دین) پہنچا دیا۔ (یعنی انھوں نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی) اب تم اپنے دین کی خاطر قتال کرو۔ تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔ یوں اس آیت مبارکہ کے ذریعہ مسلمانوں پر واضح کر دیا کہ جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ سے پہلے مبعوث ہونے والے رسولوں نے اللہ تعالیٰ کے حقیقی دین کو اس کی مخلوق تک پہنچانے میں کردار ادا کیا۔ اسی طرح سید الرسل کو بھی دین حق کی تبلیغ اور اس کی سربلندی کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔

سورة الصف میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ١٩١ ﴾

”وہی ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا۔ تاکہ وہ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دیں۔ اگرچہ یہ بات مشرکوں کو پسند نہ آئے۔“

سورة النجم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ (۲) إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (۱)﴾

”(دین کے بارے میں) وہ (نبی ﷺ) اپنی مرضی سے کوئی بات نہیں کرتا۔ بلکہ وہی کچھ کہتا ہے جو اس کی طرف وحی کیا جاتا ہے۔“

سورة المائدة کے الفاظ ہیں:

﴿يَلْغُ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ (۱۲)﴾

”اے رسول! آپ پر جو آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا اس کو آگے پہنچا دیں۔ آپ نے اگر یہ نہ کیا تو سمجھ لیں کہ آپ نے اس کا پیغام اس کی مخلوق تک نہیں پہنچایا۔“

سورة المائدة ہی میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ (۱۱)﴾

”(اللہ کی طرف سے مبعوث ہونے والے) رسول پر (اللہ کی مخلوق تک اس کا) پیغام پہنچانا ہی فرض ہوتا ہے۔“

پیغام سننے والے اس کو قبول کرتے ہیں یا ٹھکرا دیتے ہیں اس بارے میں رسول مسئول نہیں ہوتے۔

سورة البقرة میں اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت یوں فرمائی۔ سید المرسلین ﷺ سے ہی خطاب ہے:

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْحَجِجِ (۱۱۹)﴾

”ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ آپ سے جہنمیوں کے بارے میں کوئی سوال نہ ہوگا۔“

سورة الغاشیہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ (۲۱) لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ (۲۲)﴾

”آپ وعظ و نصیحت کریں بے شک آپ وعظ و نصیحت کرنے والے ہیں۔ آپ ان پر داروغہ نہیں ہیں۔“

سورة الرعد میں اس کو مزید واضح کر دیا گیا:

﴿فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (۱۰)﴾

”بے شک آپ پر لوگوں تک پیغام پہنچانا فرض ہے اور اس کا حساب لینا ہمارا کام ہے۔“

یوں جنگ احد میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پھیلنے والی افواہ کا رد اللہ تعالیٰ نے ایسے انداز میں فرمایا جس

سے عیاں ہو گیا کہ اصل بات دین کی بقاء اور سلامتی ہے۔ کیونکہ اسی کے ذریعہ انسان اپنے رب کو پہچانتا ہے۔ دنیا اور آخرت کی زندگی کو خوبصورت بنانے کا طریقہ و سلیقہ اسی کے ذریعہ سمجھ میں آتا ہے۔ لہذا صحابہ کو بتا دیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی شہادت یا طبعی موت پر جو کوئی دین حق سے پھر جائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں کرے گا۔ بلکہ اپنی ہی آخرت تباہ کرے گا۔ لیکن جو دین پر قائم رہیں گے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی دکھائی ہوئی راہ دکھائی پر عزم و استقلال کے ساتھ گامزن رہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو بہترین جزا سے نوازے گا۔

اسی بنیادی نکتہ کو حضرت ابوبکر الصديق رضی اللہ عنہ نے نہ صرف خود سمجھا بلکہ انتہائی آزمائش کی گھڑی میں امت محمدیہ کو بھی سمجھا دیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے "كتاب الجنائز، باب فضل ابی بکرؓ" اور "باب مرض النبی ﷺ وفاته" میں نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی روح اقدس جب قبض ہوئی تو اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی رہائش گاہ السنح میں تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

(( أَقْبَلَ أَبُو بَكْرٍ عَلَى فَرَسِهِ مِنْ مَسْكِنِهِ بِالسُّنْحِ حَتَّى نَزَلَ فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ فَلَمْ يُكَلِّمِ النَّاسَ حَتَّى دَخَلَ عَلَى عَائِشَةَ ))

”حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا السنح میں ان کا جو گھر تھا اپنے گھوڑے پر وہاں سے آئے اور مسجد میں داخل ہوئے اور لوگوں سے انھوں نے کوئی بات نہ کی یہاں تک کہ وہ عائشہ کے حجرے میں چلے آئے۔“

(( فَتَيَمَّمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُسْحِي بِبُرْدٍ حَبْرَةٍ فَكَشَفَ عَنْ وَجْهِهِ ثُمَّ أَكَبَّ عَلَيْهِ فَقَبَّلَهُ ثُمَّ بَكَى فَقَالَ: يَا أَبِى أَنْتَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ لَا يَجْمَعُ اللَّهُ عَلَيْكَ مَوْتَيْنِ ))

”پھر وہ نبی کریم ﷺ کے پاس گئے اور آپ ایک وھاری دار چادر سے ڈھانپے ہوئے تھے۔ انھوں نے آپ کے چہرہ مبارک سے چادر کو ہٹایا اور آپ پر جھک کر آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا پھر ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور انھوں نے کہا۔ میرے باپ آپ پر قربان۔ اے اللہ کے نبی اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا۔“

(( أَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْكَ فَقَدْ مَتَّهَا ))



”جو موت اللہ تعالیٰ نے آپ پر لکھ رکھی تھی اس کو آپ نے پالیا۔“

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابو بکر حجرے سے نکلے تو اس وقت عمر فاروق رضی اللہ عنہ لوگوں سے بات کر رہے تھے۔ انھوں نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا، بیٹھ جاؤ۔ لیکن وہ نہ بیٹھے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حمد و ثنا کے بعد گفتگو کا آغاز کیا تو لوگ ان کی طرف مائل ہو گئے اور عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہٹ گئے۔ اما بعد کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

((فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ))

”تم میں سے جو محمد ﷺ کی عبادت کیا کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد ﷺ فوت ہو گئے اور جو اللہ عزوجل کی عبادت کیا کرتا تھا وہ جان لے کہ بے شک اللہ زندہ ہے اس نے کبھی مرنا نہیں۔“

پھر انھوں نے ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ﴾ والی آیت پڑھ دی۔

بخاری ہی کی دوسری روایت میں ہے کہ ((إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ)) ”بے شک تجھے بھی موت پالے گی اور بے شک وہ بھی مرنے والے ہیں۔“ اس کا بھی حوالہ دے دیا۔ لوگوں کو ایسے ہی معلوم ہوا کہ یہ آیت ابھی ابھی نازل ہوئی ہے۔

”باب مرض النبی ﷺ و وفاته“ (ص: ۶۴۰) میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ.....﴾ والی آیت میں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو پڑھتے سنا تو میری ٹانگوں نے جواب دے دیا اور میں زمین پر بیٹھ گیا۔

اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام پر یہ بھی واضح کر دیا کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے جو آگے پیچھے نہیں ہو سکتا اور اللہ کے حکم کے بغیر کوئی نفس مر ہی نہیں سکتا۔ مرنے کا وقت آجائے تو دنیا کی کوئی قوت اس کو بچا نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قانون بھی بیان کر دیا کہ وہ دینے والا ہے اور جو کوئی دنیا کا طلب گار ہوتا ہے تو اس کو دنیا دے دیتا ہے اور جو آخرت سنوارنے میں کوشاں رہتا ہے تو آخرت کی بھلائوں سے اسے نواز دیتا ہے۔

جنگ احد میں مسلمانوں کو جو شکست دیکھنی پڑی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے تسلی دی اور بتایا کہ محمد ﷺ سے پہلے کتنے ہی نبی ہو چکے ہیں جن کے ساتھ مل کر اہل ایمان نے دشمنوں سے قتال کیا اور انھوں نے ہار جیت سے بے نیاز ہو کر اپنی استقامت میں ضعف نہ آنے دیا اور وہ اپنے گناہوں اور زیادتیوں کی اپنے رب سے بخشش طلب کرتے رہے۔ دشمن کے خلاف ثابت قدمی اور اللہ کی مدد کے لیے اس کو پکارتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی کوششوں اور دعاؤں کو

قبول فرمایا اور ان کو نہ صرف دنیا کے ثواب سے بلکہ آخرت کے بھی بہترین ثواب سے نواز دیا۔ کیونکہ ایسا کرنے والوں کو وہ پسند کرتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصل بات دین حق کو اپنانا اور اس کی تعلیم کے مطابق عمل کرتے ہوئے رب حقیقی کو راضی کرنا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

### حل لغات:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۖ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ میں مَا نافیہ۔ اِلَّا حرف استثناء۔ قَدْ تحقیق کا۔ خَلَتْ فعل ماضی اور الرُّسُلُ اس فاعل۔ جملے کا معنی ہے: اور نہیں ہیں محمد ﷺ مگر رسول یعنی محمد ﷺ رسول ہیں۔ ان سے پہلے کئی رسول گزر چکے ہیں۔

﴿أَفَأَنْتُمْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ﴾ میں ہمزہ استفہامیہ۔ اِنْ شرطیہ۔ مَاتَ فعل ماضی معروف اور قُتِلَ ماضی مجہول۔ انْقَلَبْتُمْ فعل ماضی جمع مذکر حاضر۔ عَلٰی حرف جر۔ اَعْقَابِكُمْ مجرور۔ اپنے فعل کے متعلق ہو کر جملہ فعلیہ کی صورت میں جواب شرط۔ جملے کا معنی ہے: اگر وہ فوت ہو جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو کیا تم اپنی اڑھیوں پر پھر جاؤ گے؟

﴿وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا﴾ میں مَنْ شرطیہ۔ يَنْقَلِبْ فعل مضارع۔ يَضُرُّ بھی فعل مضارع لیکن لَنْ کی وجہ سے منصوب۔ يَضُرُّ پر فاء جواب شرط۔ جملے کا معنی ہے: اور جو اپنی اڑھیوں پر پھرے گا وہ اللہ تعالیٰ کا ہرگز کوئی نقصان نہیں کرے گا۔

﴿وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّكِرِينَ﴾ میں يَجْزِي فعل مضارع۔ معنی کو مستقبل قریب میں کرنے کے لیے اس پر حرف سین لایا گیا ہے۔ لَفْظُ اللَّهِ فاعل اور الشَّكِرِينَ مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ عنقریب شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔

﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُّؤَجَّلًا﴾ میں مَا نافیہ۔ كَانَ فعل ناقص۔ اَنْ ناصبہ۔ تَمُوتَ فعل مضارع کے آخر میں زیر اسی کی وجہ سے آئی ہے۔ اِلَّا حرف استثناء اِذْنِ اللّٰهِ مرکب اضافی حرف جر (ب) کی وجہ سے مجرور۔ كِتَابًا مُّؤَجَّلًا اِنّی كَتَبَ اللّٰهُ كِتَابًا مُّؤَجَّلًا جملے کا معنی ہے: کہ کوئی نفس اللہ کے حکم کے بغیر مر نہیں سکتا۔ اللہ نے مقررہ وقت لکھ دیا ہے۔

﴿وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا ۖ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا ۖ وَسَنَجْزِي الشَّكِرِينَ﴾ میں مَنْ شرطیہ۔ نُؤْتِهِ جواب شرط ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور جو کوئی دنیا کے ثواب کا ارادہ رکھتا ہے تو ہم اس کو اس میں سے دے دیتے ہیں اور جو آخرت کے ثواب کی چاہت رکھتا ہے تو ہم اس کو وہی دے دیتے ہیں اور عنقریب ہم شکر کرنے والوں کو جزا دیں گے۔

﴿وَكَايْنٍ مِّنْ نَّبِيٍّ قَتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ﴾ میں كَايْنٍ اصل میں اَبَی پر کاف تشبیہ کا ہے۔ تنوین کی نون کو کتابت میں ظاہر کر دیا گیا اور یہ بمعنی کَم کے آیا ہے۔ رِبِّيُّونَ رَبِّی (کسرہ یا ضمہ کے ساتھ) کی جمع ہے۔ اس سے مراد جماعتیں ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اتباع کرنے والے اور صبر کرنے والے علماء ہیں۔ اگر راء پر زبر آجائے تو پھر اس سے مراد اللہ والے ہوں گے۔ جملے کا معنی ہے: کتنے ہی نبی ہوئے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سی جماعتوں نے قتال کیا۔

﴿فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا ۖ وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ﴾ میں وَهَنُوا ضَعُفُوا اور اسْتَكَانُوا فعل ماضی جمع مذکر غائب کے صیغے ہیں۔ يُحِبُّ فعل مضارع اور لفظ اللہ اس کا فاعل اور الصَّابِرِينَ مفعول ہے۔ جملے کا معنی ہے: اللہ کی راہ میں جو تکلیف ان کو پہنچی۔ اس کی وجہ سے انھوں نے ہمت نہ ہاری اور نہ کمزوری کا مظاہرہ کیا اور نہ مغلوب ہو کر ذلت ہی کو قبول کیا۔ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

﴿وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَبَثِّ الْقَدَمَانَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾ میں مَا نَافِي۔ إِلَّا حرف استثناء۔ كَانَ ناقصہ۔ اَنْ مصدر یہ۔ رَبَّنَا مَنَافِي۔ اغْفِرْ۔ بَثِّ اور اَنْصُرْ فعل امر کے صیغے ہیں۔ ذُنُوبَنَا ، اِسْرَافَنَا اور اَقْدَامَنَا مفعول واقع ہوئے ہیں۔ جملے کا معنی ہے: اور ان کا کہنا تھا: اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں کو اور ہمارے معاملات میں ہم سے جو زیادتیاں ہوئیں۔ ان کو معاف فرما اور ہمارے قدموں کو مضبوط کر دے اور کافروں کے خلاف ہماری مدد فرما۔

﴿فَاتَّهَمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ ۖ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ میں اتَّهَمُ فعل ماضی پر فاء جوابِ ندا و دعا ہے۔ هُمْ ضمیر مفعول دعا کرنے والوں کی طرف راجع ہے۔ لفظ اللہ اتَّهَمُ کا فاعل۔ ثَوَابِ الدُّنْيَا وَ حُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ مفعول ثانی۔ جملے کا معنی ہے: پس اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کا ثواب اور آخرت کا بہترین ثواب عطا فرمایا اور اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرْدُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَقْلِبُوا خِيسِرِينَ ﴿۱۴۹﴾﴾

بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ ۖ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ ﴿۱۵۰﴾

سَنَلْقَىٰ فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانٌ ۖ وَ مَا لَهُمُ النَّارُ ۖ وَ بِئْسَ مَوْتَى الظَّالِمِينَ ﴿۱۵۱﴾

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُمْ بِإِذْنِهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا فَشِلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَ عَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا أَرَاكُمْ مَا تُحِبُّونَ ۖ مِّنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَ مِّنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۖ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۖ وَ لَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۖ وَ اللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۵۲﴾

”اے ایمان والو! اگر تم کفار کی اطاعت کرو گے تو وہ تم کو تمہاری ایڑیوں پر پھیر دیں گے، پھر تم گھائے میں ہو جاؤ گے۔“

بلکہ اللہ تعالیٰ ہی تمہارا مولیٰ ہے اور وہی بہترین مدد کرنے والا ہے۔

عنقریب ہم کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے اس کے سبب جو انھوں نے اللہ کے ساتھ شرک کیا جس پر اس نے کوئی دلیل نازل نہ فرمائی، اور ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور وہ ظالموں کے لیے بہت ہی بُری جگہ ہوگی۔

اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنے وعدے کو سچا کر دیا جب تم ان کو اس کے حکم سے قتل کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ جب تم نے بزدلی کا مظاہرہ کیا اور آپس میں معاملے کے بارے میں اختلاف کیا اور تم نے نافرمانی کی بعد ازاں کہ اس نے تم کو وہ دکھا دیا جو تم پسند کرتے تھے۔ تم میں سے وہ بھی ہے جو دنیا (کی منفعت) کا ارادہ رکھتا ہے اور وہ بھی ہے جو آخرت (کے اجر) کا ارادہ رکھتا ہے، پھر اس نے تم کو ان سے پھیر دیا تاکہ تم کو آزمائے، اور اس نے تمہاری لغزش سے درگزر کر دیا اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر فضل والا ہے۔“

### تشریح:

اسلام میں اطاعت صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہوتی ہے۔ اہل ایمان کو بار بار قرآن حکیم میں اسی کا حکم دیا گیا۔ اولی الامر کی اطاعت کا جب حکم دیا گیا تو ساتھ ہی یہ وضاحت بھی کر دی گئی کہ اگر ان کے ساتھ کسی بات

میں اختلاف ہو جائے تو معاملے کو اللہ اور رسول ﷺ کی طرف لوٹانا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان پر واجب ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے رہیں اور ادھر ادھر نہ دیکھیں کیونکہ اسی میں اہل ایمان کی فلاح و نجات ہے۔

سورة الاحزاب میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿مَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (۷۱)

”جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے عظیم کامیابی حاصل کر لی۔“

سورة النساء میں رب العالمین نے فرمایا:

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ

وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۖ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا﴾ (۹۹)

”اور جو اللہ اور اس رسول کی اطاعت کریں گے پس وہ لوگ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صلحاء ہوں گے اور وہی بہترین ساتھی ہوں گے۔“

سورة الفتح میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَمَنْ يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ

عَذَابًا أَلِيمًا﴾ (۱۷)

”اور جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ایسے باغات میں داخل

فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اور جو منہ پھیرے گا (یعنی نافرمانی کو اپنائے گا) تو اللہ تعالیٰ

اس کو دردناک عذاب دے گا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان کی کامیابی اور کامرانی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں ہے۔ جب

اطاعت نہ کی جائے گی تو اس کا انجام دردناک عذاب ہو گا۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ مومنوں پر رحم کرنے والا اور انتہائی

مہربان ہے اس لیے اس نے مومنوں کو آگاہ کر دیا کہ کفار تمہارے دشمن ہیں اور تمہارا دین ان کو پسند نہیں لہذا ان کی بھر

پور کوشش ہوگی کہ تم کو کسی نہ کسی طرح تمہارے دین سے دور کر دیں۔ انھوں نے ہر حربہ استعمال کرنا ہے اور شیطان

بھی انہی کے ساتھ ہے۔ تمہاری بقاء اور سلامتی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں ہی ہے۔ اگر تم نے ان

کی اطاعت کی تو وہ تمہیں مرتد کر دیں گے اور اس میں سراسر تمہارا نقصان ہوگا۔ دنیا اور آخرت برباد ہو جائے گی۔

اللہ کے سوا کوئی تمہاری مدد کرنے والا نہیں۔ وہی تمہارا مولیٰ اور بہترین مددگار ہے۔

سورة الحج میں اسی کا حکم ہے:

﴿فَاقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ﴾

”پس نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کو مضبوطی سے تھام لو۔“

ساتھ ہی بشارت دے دی:

﴿هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ﴾ (۷۸)

”وہی تمہارا مولیٰ ہے، پس وہ بہترین مولیٰ اور بہترین مددگار ہے۔“

مومنوں کو یہ بھی تسلی دے دی کہ عنقریب وہ کفار کے دلوں میں ان کے شرک کرنے کی وجہ سے اہل ایمان کا رعب ڈالے گا اور ان کے انجام سے بھی آگاہ کر دیا کہ جہنم کی آگ ان کا ٹھکانا اور رہنے کی جگہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ اس نے مشرکوں پر جنت کو حرام کر دیا ہے۔

رہی بات یہ کہ دنیا میں ان کو کامیابی اور کامرانی سے کیوں نوازا جاتا ہے۔ تو اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے سورة ہود میں ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُخْسِرُونَ﴾ (۱۰)

”جو دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کا ارادہ رکھتا ہے، ہم دنیا ہی میں ان کے اعمال کی جزا ان کو دیے

دیتے ہیں اور ان کے لیے اس میں کوئی کمی نہیں کی جاتی۔“

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا

يَعْمَلُونَ﴾ (۱۱)

”وہی لوگ ہیں کہ آخرت میں ان کے لیے جہنم کی آگ ہوگی اور جو انھوں نے دنیا میں کیا ہوگا وہ ضائع

ہو جائے گا اور وہ جو کیا کرتے تھے وہ باطل ہوگا۔“

ویسے بھی اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جو اس سے دنیا مانگتا ہے وہ اس کو دنیا دے دیتا ہے اور جو آخرت کا طلب گار ہوتا ہے وہ اس کی آخرت سنوار دیتا ہے۔

تفسیر القرطبی میں محمد بن کعب القرظی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنگ اُحد کے بعد مدینہ واپس آئے۔ مسلمانوں کو جو شکست ہوئی اور جو نقصان اٹھانا پڑا، اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے بعض نے بعض سے کہا۔ ہمیں یہ تکلیف کیوں پہنچی؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مدد کا وعدہ کیا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے بارے میں آیت نازل فرمادی کہ اللہ نے جو وعدہ کیا تھا اس کو اس نے سچا کر دیا۔ جب کہ تم نے لڑائی کے آغاز میں ہی کفار کو قتل کرنا شروع کر دیا

تھا اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے تھے۔

سیرت ابن ہشام (۷۷/۲) میں زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مسلمانوں کے پہلے ہی حملہ میں کفار بھاگنے لگے۔ یہاں تک کہ ان کی عورتیں (ہندہ وغیرہ) اپنی پنڈلیوں سے کپڑے اٹھائے بھاگ رہی تھیں۔ لیکن جب تیر اندازوں نے اپنا مرکز چھوڑا تو کفار نے پیچھے کی جانب سے حملہ کر دیا۔

صحیح بخاری میں باب غزوۃ اُحد کے تحت (ص: ۵۷۹) حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوہ اُحد کے دن ہمارا ٹکراؤ مشرکوں سے ہوا۔ نبی کریم ﷺ نے تیر اندازوں کا لشکر ایک جگہ پر متعین فرمایا اور عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو اس کا امیر بنایا۔ (ان کی تعداد پچاس تھی) آپ نے ان کو حکم دیا کہ تم اگر دیکھو کہ ہم ان پر غالب آ گئے ہیں تو تم نے اپنی جگہ پر قائم رہنا ہے۔ اور اگر تم دیکھو کہ وہ یعنی دشمن ہم پر غالب آ گیا ہے تو بھی تم نے اپنی جگہ نہیں چھوڑنی اور ہماری مدد کو نہیں آنا لیکن جب لڑائی شروع ہوئی اور ہمارا ان سے مقابلہ ہوا تو وہ بھاگ نکلے۔ میں نے عورتوں کو دیکھا کہ وہ پہاڑ کی طرف دوڑ رہی ہیں اور اپنی پنڈلیوں سے انھوں نے کپڑے اٹھا رکھے ہیں اور ان کی جھانچھوئیں نظر آ رہی ہیں۔ جن سے کہا گیا تھا کہ تم نے ہر حال میں اپنی جگہ میں ہی رہنا ہے، انھوں نے کہنا شروع کر دیا: ((الْغَنِيْمَةُ الْغَنِيْمَةُ)) ان کے امیر عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ نبی کریم ﷺ کا مجھے حکم ہے کہ ہم نے اپنی جگہ میں ہی رہنا ہے۔ یہاں سے آ گئے پیچھے نہیں ہونا۔ ساتھیوں نے ان کی بات نہ سنی اور انھوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی پروا نہ کی تو اللہ نے ان کے چہروں کو پھیر دیا اور ستر صحابہ (رضی اللہ عنہم) شہید ہو گئے۔

ابوسفیان نے ایک اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر آواز لگائی۔ قوم میں محمد (ﷺ) ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس کو جواب نہ دو۔“ اس نے کہا کیا قوم میں ابو قحافہ (یعنی ابوبکر) ہیں؟ آپ نے پھر جواب دینے سے روک دیا۔ اس نے کہا: کیا قوم میں ابن الخطاب ہیں؟ اس نے خود ہی کہا۔ اگر زندہ ہوتے تو جواب دیتے۔ بلاشبہ وہ قتل کر دیے گئے ہیں۔ اب کی مرتبہ عمر فاروق اپنے نفس پر قابو نہ رکھ پائے اور انھوں نے جواب دیا۔ اے اللہ کے دشمن! تم نے جھوٹ کہا۔ اللہ تعالیٰ نے وہ باقی رکھا ہے جو تجھے ذلیل کرے گا۔ ابوسفیان نے نعرہ لگایا: ہُمْلُ بِلْنْدٍ وَ غَالِبٌ هُوَا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس کو جواب دو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، ہم کیا کہیں؟ آپ نے فرمایا: کہو ((اللَّهُ أَغْلَىٰ وَ أَجَلُّ)) ابوسفیان نے کہا: ہمارے لیے غُڑی اور تمہارے لیے غُڑی نہیں۔ آپ نے پھر جواب دینے کا حکم دیا۔ صحابہ نے عرض کیا، ہم کیا جواب دیں؟ آپ نے فرمایا: کہو ((اللَّهُ مَوْلَانَا وَ لَا مَوْلَىٰ لَكُمْ)) ابوسفیان نے کہا۔ یہ بدر کے دن کا بدلہ ہے۔ لڑائی ڈول ہے، کبھی ادھر کبھی ادھر۔ تم چند لوگوں کو مثلہ شدہ پاؤ گے۔ میں نے اس کا حکم نہ دیا تھا لیکن مجھے یہ بُرا بھی لگا۔



فتح الباری (۳۵۰/۷) کی روایت کے مطابق تیر اندازوں کے امیر عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم بھول گئے کہ رسول اللہ ﷺ نے تم سے کیا فرمایا تھا؟ انھوں نے کہا ہم لوگوں کے ساتھ مل کر مال غنیمت میں سے حصہ پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اسی بات کو اجاگر فرمایا کہ تم میں سے بعض دنیا کے حصول اور بعض آخرت کو سنوارنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لڑائی کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا۔ لیکن بعض کی غلطی کی بنا پر جیتی ہوئی جنگ شکست میں تبدیل ہو گئی۔ بعض صحابہ کی نافرمانی اور باہمی اختلاف اور جھگڑے کا نتیجہ سامنے یہ آیا کہ رسول اللہ ﷺ زخمی ہوئے اور ستر صحابہ شہید ہوئے۔ اسی لیے سورة الانفال میں ارشاد فرمایا:

”اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ آپس میں جھگڑا نہ کرو۔ جھگڑا کرو گے تو بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔“

یہ تو اللہ کا خاص فضل تھا کہ اس نے مومنوں کی لغزش کو معاف فرمایا اور ابوسفیان کے دل میں رعب ڈال دیا۔ فتح یاب ہونے کے باوجود وہ مکہ واپس چلا گیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ امت کو باہمی جھگڑوں اور اختلاف سے محفوظ رکھے۔

### حلی لغات:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يُرْذُوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خِيسِينَ﴾ میں ان شرطیہ۔ تَطِيعُوا فعل مضارع۔ الَّذِينَ موصول۔ كَفَرُوا فعل ماضی اس کا صلہ۔ موصول اور صلہ مل کر تَطِيعُوا کا مفعول۔ يُرْذُوكُمْ میں فعل یُرْذُونَ کی نون جواب شرط ہونے کی وجہ سے گری ہوئی ہے اور کُمْ ضمیر مخاطب کی اس کا مفعول ہے۔ عَلَى حرف جر۔ أَعْقَابِكُمْ مجرور۔ جار مجرور مل کر یُرْذُونَ کے متعلق۔ تَنْقَلِبُوا فعل مضارع پر فاء جزائیہ۔ خِيسِينَ حال۔ جملے کا معنی ہے: اے ایمان والو! اگر تم نے کفار کی اطاعت کی تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں پر پھیر دیں گے۔ پھر تم گھائے میں ہو جاؤ گے۔

﴿بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ ۖ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ﴾ میں بَل حرف اضراب ہے جو پہلی چیز سے اعراض اور دوسری کے اثبات کے لیے لایا جاتا ہے۔ لفظ اللہ مبتدا۔ مَوْلَاكُمْ اس کی خبر۔ لَوْ اَوْ عاطفہ یا حالہ ہو ضمیر مرفوع منفصل بھی مبتدا اور خَيْرُ النَّاصِرِينَ مرکب اضافی اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا مولیٰ ہے اور وہ بہترین مدد کرنے والا ہے۔

﴿سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانٌ﴾ میں نُلْقِي فعل مضارع صیغہ جمع مکمل پر سین معنی کو مستقبل قریب میں کرنے کے لیے آئی ہے۔ الرُّعْبَ فعل مضارع کا مفعول

ہے۔ اَشْرَكُوا فعل ماضی۔ يُنْزِلُ فعل مضارع جس کے آخر میں لَمْ حرفِ محمد ثانی کی وجہ سے جزم آئی ہے۔ سُلْطَنًا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: عنقریب ہم کفار کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے، اس کے سبب جو انھوں نے اللہ کے ساتھ شرک کیا جس پر اس نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔

﴿وَمَا لَهُمْ النَّارُ وَبَشَرِ مَثْوًى الظَّالِمِينَ﴾ میں مَا لَہُی سے مراد ہر وہ جگہ ہے جہاں کوئی شی دن رات لوثی رہتی ہے اور مَثْوًی سے مراد وہ جگہ ہے جہاں قیام کیا جاتا ہے اور بَشَرِ مَثْوًی فعل ذم ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور ظالموں کے لیے وہ بہت بُری جگہ ہوگی۔

﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُمْ بِإِذْنِهِ﴾ میں لَقَدْ تحقیق کا۔ صَدَقَ فعل ماضی۔ کُمْ ضمیر مخاطب کی مفعول اول۔ لفظ اللہ فاعل۔ وَعْدَهُ مفعول ثانی۔ إِذْ ظرفِ مَبْنِی تَحُسُّونَ فعل مضارع جمع مذکر حاضر۔ هُمْ ضمیر کفار کی طرف راجع۔ بِ حرف جر۔ إِذْنِهِ مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جب تم ان کو اس کے حکم سے قتل کرنے لگے تھے۔

﴿حَتَّىٰ إِذَا فُشِلْتُمْ وَتَنَزَّعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَغَصِبْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا أَرَكُم مَّا تُحِبُّونَ﴾ میں حَتَّىٰ بمعنی اِلٰی۔ إِذَا ظرف۔ فُشِلْتُمْ۔ تَنَزَّعْتُمْ اور غَصِبْتُمْ فعل ماضی سے جمع مذکر حاضر کے صیغے۔ مَا موصولہ۔ اَرٰہِی بھی فعل ماضی۔ کُمْ ضمیر مخاطب مفعول۔ تُحِبُّونَ فعل مضارع۔ جملے کا معنی ہے: یہاں تک کہ جب تم نے بزدلی کا مظاہرہ کیا اور آپس میں فرمان (نبوی) کے بارے میں اختلاف کیا اور تم نے نافرمانی کی بعد ازاں کہ اس نے تم کو وہ دکھا دیا جو تم پسند کرتے تھے۔

﴿مِّنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ﴾ میں مِّنْ حرف جر۔ کُمْ ضمیر مخاطب مجرور۔ مِّنْ موصولہ۔ يُرِيدُ فعل مضارع۔ الدُّنْيَا اور الْآخِرَةُ مفعول۔ جملے کا معنی ہے: تم میں وہ بھی ہے جو دنیوی منفعت کا ارادہ رکھتا ہے اور وہ بھی ہے جو آخرت کو سنوارنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

﴿ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ﴾ میں ثُمَّ عاطفہ۔ صَرَفَ فعل ماضی۔ کُمْ ضمیر مخاطب کی۔ عَنْ حرف جر۔ هُمْ ضمیر کفار کی طرف راجع۔ لِيَبْتَلِيْكُمْ فعل مضارع کے آخر پر زبر لام کی وجہ سے آئی ہے۔ عَفَا فعل ماضی۔ جملے کا معنی ہے: پھر اس نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے) تم کو ان سے پھیر دیا۔ تاکہ تمہیں آزمائے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری لغزش سے درگزر فرمایا۔

﴿وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ میں ذُو فَضْلٍ مرکب اضافی اور یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں خبر ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر فضل والا ہے۔

۳۳

”جب تم چڑھے جا رہے تھے اور تم کسی طرف توجہ نہیں کرتے تھے اور رسول (ﷺ) تمہارے پیچھے تمہیں پکار رہے تھے۔ پس اس نے تم کو غم پر غم پہنچایا تاکہ تم اس پر غم نہ کرو جو تم سے فوت ہوا اور جو تمہیں مل نہ سکا اور اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔

پھر اس نے غم کے بعد امن طاری کرنے کے لیے تم پر نیند نازل فرمائی جو تم میں سے ایک جماعت پر چھاری تھی اور ایک جماعت وہ تھی جسے بس اپنی ہی فکر تھی، وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جاہلیت والا ناحق گمان کر رہے تھے۔ کہتے تھے کیا ہمیں بھی کسی معاملے میں کوئی اختیار ہے۔ آپ کہہ دیں کہ بے شک سارا معاملہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ وہ اپنے دلوں میں وہ چھپاتے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ اگر معاملے میں ہمیں کوئی اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے۔ آپ کہہ دیں کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کے لیے قتل ہونا مقدر ہو چکا تھا وہ اپنے قتل کی طرف ضرور نکل آتے۔ (اور یہ سب اس لیے ہوا) تاکہ اللہ تعالیٰ اسے آزمائے جو تمہارے سینوں میں ہے اور جو تمہارے دلوں میں ہے اسے خالص کر دے، اور اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے۔“

﴿إِذْ تَصْعَدُونَ وَلَا تَلَوْنَ عَلَى أَحَدٍ وَ  
الرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أَخْرَاجِكُمْ فَاتَّابِكُمْ  
عَمَّا بَعِمَ لِكَيْلًا تَحْزَنُوا عَلَى مَا فَاتَكُمْ  
وَلَا مَا أَصَابَكُمْ ۖ وَاللَّهُ خَبِيرٌ ۚ  
تَعْمَلُونَ﴾

ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمْنَةً  
نُعَاسًا يَغْشَى طَائِفَةً مِنْكُمْ ۚ وَطَائِفَةٌ قَدْ  
أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ  
ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۚ يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ  
الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۚ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ ۚ  
يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ ۚ  
يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا  
قُتِلْنَا ههنا ۚ قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ  
لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى  
مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَسْتَخَيَّرَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ  
وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ  
بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١٥٤﴾

## تشریح:

جنگ اُحد میں مسلمانوں کی شکست کی اصل وجہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اس حال کا بھی ذکر فرما دیا جو کفار سے ہزیمت اٹھانے کے بعد ہوا۔ افراتفری کا یہ عالم تھا کہ کوئی کسی کی طرف توجہ نہ کر رہا تھا۔ بلکہ ہر شخص اپنے بچاؤ کے لیے کوشاں تھا اور اس کو جہاں عافیت دکھائی دیتی اسی طرف بھاگا جا رہا تھا۔ امام بخاری (ص: ۶۵۴) نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا:

((وَلَمْ يَبْقَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرَ اثْنَيْ عَشَرَ رَجُلًا))

”اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ صرف بارہ آدمی رہ گئے۔“

مسلمانوں کے ایسے پاؤں اکھڑے کہ وہ سنبھلنے نہ پائے جب کہ رسول اللہ ﷺ بھاگنے والوں کو آوازیں دے رہے تھے اور آپ کہہ رہے تھے:

((أَيُّ عِبَادَ اللَّهِ إِرْجِعُوا))

”اے اللہ کے بندو! واپس آ جاؤ۔“

مسلمانوں کو جنگ اُحد میں شکست کا سامنا اس لیے کرنا پڑا کہ عبد اللہ بن جبیر کے ساتھیوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق عمل نہ کیا اور کفار مکہ نے اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ جس کی مسلمانوں کو بالکل توقع نہ تھی۔ ایسی صورت میں گھبراہٹ اور پریشانی کا شکار ہو جانا لازمی امر تھا۔ اوپر سے شیطان نے یہ آواز لگا دی کہ:

”نبی کریم ﷺ (نعوذ باللہ) شہید کر دیے گئے۔“

ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور غم کیا ہو سکتا تھا۔ مسلمانوں کو اس کا بھی رنج تھا کہ فقیاب ہوتے ہوتے مغلوب ہو گئے اور حاصل ہونے والا مال غنیمت بھی ہاتھ سے نکل گیا۔ ستر ساتھیوں کی شہادت کا مسئلہ اپنی جگہ تکلیف کا سبب تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ حکیم و علیم کی اپنی حکمت تھی اور بہت ہی اہم سبق اس میں یہ تھا کہ جب بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی ہوگی تو اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا۔ اہل ایمان کی سلامتی اور بقا اتباع رسول ﷺ میں ہی ہوگی۔

سورة آل عمران میں ہی ارشاد ہوا:

﴿وَ أَطِيعُوا اللَّهَ وَ الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾

”اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“

امت محمدیہ پر واضح کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم اسی صورت میں کرے گا کہ تم اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو پہنچنے والے غم و دکھ کی شدت کو کم کرنے کے لیے ان پر جنگ اُحد میں پیدا ہونے والی تمام افراتفری کے باوجود نیند غالب کر دی۔

صحیح بخاری (ص: ۲۵۵) میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جنگ اُحد کے دن جب ہم میدان میں تھے تو نیند نے ہمیں ایسا ڈھانپ لیا کہ میری تلوار میرے ہاتھ سے گرتی تھی اور میں اس کو اٹھاتا تھا وہ پھر گر جاتی اور میں اس کو پھر اٹھا لیتا۔ یہ اس جماعت کے ساتھ ہوا جن کا ایمان مضبوط تھا جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حق ادا کر دیا۔

صحیح بخاری (ص: ۵۸۱) ہی کے الفاظ ہیں۔ راوی بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں اور وہ اپنے باپ ابو طلحہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ جنگ اُحد میں مسلمانوں کے پاؤں جب اکٹھے ہو گئے اور نبی کریم ﷺ کے پاس سے بکھر گئے تو ابو طلحہ اپنی ڈھال لیے ہوئے نبی کریم ﷺ کے آگے سپر بنے رہے اور ابو طلحہ بڑے زبردست تیر انداز تھے۔ انہوں نے تیر اندازی کرتے ہوئے جنگ اُحد میں دو یا تین کمانیں توڑیں۔ ان کے پاس سے جب کوئی شخص تیر لیے ہوئے گزرتا تو رسول اللہ ﷺ اس سے فرماتے۔ ان کو ابو طلحہ کے لیے رکھ دو۔ رسول اللہ ﷺ جب بھی جنگ کا جائزہ لینے کے لیے آگے بڑھتے تو ابو طلحہ عرض کرتے میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ یوں آگے نہ بڑھیں ہو سکتا ہے کہ دشمن کے تیروں میں سے کوئی تیر آپ کو لگ جائے۔ ((نَحْرِي ذُوْنُ نَحْرِكَ)) ”میرا سینہ آپ کے سینے سے آگے ہے۔“ یعنی میں آپ کے لیے ڈھال ہوں۔ جب تک ڈھال قائم ہے۔ کوئی آپ تک پہنچ نہیں سکتا۔

صحیح بخاری (ص: ۵۷۹) میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ ان کے چچا انس بن نضر جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اور وہ کہا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کی کفار سے جو لڑائی ہوئی اس میں حصہ لینے کا مجھے موقع نہ ملا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے آئندہ کسی لڑائی میں شریک ہونے کا مجھے موقع دیا تو اللہ دیکھے گا کہ میں کیا کرتا ہوں۔ چنانچہ جنگ اُحد میں جب اہل اسلام ہزیمت کا شکار ہو گئے تو انہوں نے بارگاہِ الہ میں عرض کیا:

(( اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعْتَذِرُ اِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ هٰؤُلَاءِ یَعْنِی الْمُسْلِمِیْنَ وَ اَبْرَأُ اِلَيْكَ مِمَّا جَاءَ بِهِ الْمُشْرِکُوْنَ فَتَقَدَّمَ بِسَیْفِهِ فَلَقِیْ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ فَقَالَ: اَیْنَ یَا سَعْدُ اِنِّیْ اَجِدُ رِیْحَ الْحَنْتَةِ ذُوْنَ اُحَدٍ فَمَضٰی فَقَتِلَ فَمَا عُرِفَ حَتّٰی عَرَفَتْهُ اُخْتُهُ بِشَامَةِ اَوْ یَتَانِهٍ فِیْهِ بَضْعٌ وَ لَمَّا نُوْنَ مِنْ طَعْنَةٍ وَ ضَرْبَةٍ وَ رَمِیَ بِهِمْ ))

”اے اللہ! جو کچھ ان مسلمانوں نے کیا اس پر میں تجھ سے معذرت خواہ ہوں اور اس سے بھی بری ہوں

کہ جو مشرک لے کر آئے پھر اپنی تلوار لے کر دشمن کی طرف بڑھے۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہو گئی ان سے کہا اے سعد! کہاں جا رہے ہو۔ میں تو احد پہاڑ کی طرف سے جنت کی خوشبو پا رہا ہوں۔ پھر دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ ان کو لگے ہوئے زخموں کی وجہ سے ان کی پہچان نہیں ہو رہی تھی ان کی بہن نے ان کی انگلیوں کی پور یا تل سے ان کی شناخت کی۔ ان کے جسم پر تلواروں اور نیزوں اور تیروں سے لگے ہوئے زخموں کی تعداد اسی (۸۰) سے اوپر تھی۔“

یہ وہ لوگ تھے کہ جنہوں نے اہل ایمان ہونے کا حق ادا کر دیا اور ایسی بھی جماعت تھی جو بہت زیادہ خائف تھی ان کو اپنی جانوں کی فکر کھائے جا رہی تھی اور اللہ کے ساتھ ان کا گمان جاہلیت والی پستی کو چھو رہا تھا۔ اپنے دلوں میں وہ جو کچھ چھپا رہے تھے کہ اللہ کے نبی پر ظاہر نہیں کر رہے تھے۔ ان کا کہنا تھا: کہ اگر ہمیں بھی کوئی اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی ان کو جواب دیا کہ حقیقی اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اس نے تمام معاملہ اپنی حکمت و علم کے تحت طے کرنا ہوتا ہے۔ رہی بات قتل ہونے کی تو جس کی موت کا وقت آ جاتا ہے۔ وہ اپنی جائے موت پر پہنچ جاتا ہے۔

سورة النساء میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِِرْكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ﴾ (۷۸)

”جہاں بھی تم ہو گے۔ موت تم کو پالے گی۔ اگرچہ تم مضبوط برجوں ہی میں کیوں نہ ہو۔“

سورة المنافقون میں اللہ تعالیٰ نے موت کے مقررہ وقت کے بارے میں فرمایا:

﴿وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ (۱۱)

”جب کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہرگز موخر نہیں کرتا اور جو تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ

اس سے باخبر ہے۔“

سورة الجمعہ میں یہود سے خطاب رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ہوتا ہے:

﴿قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ (۸)

”آپ کہہ دیں، بے شک جس موت سے تم بھاگ رہے ہو۔ وہ تمہیں ملنے والی ہے پھر تم غیب و حاضر

کے جاننے والے کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پس وہ تمہیں اس کے بارے میں خبر دے گا کہ تم جو کیا

کرتے تھے۔“

اللہ تعالیٰ نے جنگ احد میں شہادت کے حوالے سے واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مغلوب اس لیا کیا۔ تاکہ ان کے سینوں میں جو کچھ ہے۔ اس کی آزمائش ہو جائے اور ان کا ایمان مضبوط اور خالص ہو جائے۔ ان کے دل اخلاص کی دولت سے مال مال ہو جائیں اور نفاق کا ان سے کوئی تعلق نہ رہے۔

جہاں تک شہادت پانے والوں کا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں حکم دے دیا کہ ان کو نہ مردہ کہا جائے اور نہ ہی ان کو مردہ گمان کیا جائے۔ بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے ہاں رزق پارہے ہیں لیکن ہمیں ان کی جنت والی زندگی کا کوئی شعور نہیں۔

سورة البقرہ میں اس کا تفصیلاً ذکر ہو چکا ہے اور ان شاء اللہ آل عمران میں آنے والا ہے۔ جنگ احد میں جو کچھ ہوا وہ اللہ کے حکم ہی سے ہوا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ بعد میں آنے والے وقت میں صحابہ کی استقامت اپنے عروج پر پہنچ گئی اور چند ہی سالوں میں سارا عرب اسلامی پرچم تلے جمع ہو گیا۔ خلفائے راشدین کے دور خلافت میں اسلام کی روشنی دنیا میں پھیل گئی۔ اللہ تعالیٰ ویسی ہی استقامت ہمیں بھی عطا فرمائے۔

### حل لغات:

﴿ اِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلَوْنَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَ الرُّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِيْ اٰخِرَتِكُمْ ﴾ میں اِذْ ظرف۔ تُصْعِدُونَ اور تَلَوْنَ فعل مضارع سے جمع مذكر حاضر، جب کہ يَدْعُوْا واحد مذكر غائب۔ الرُّسُولُ اس کا فاعل اور تُمْ ضمیر مفعول۔ اٰخِرَتِكُمْ سے مراد تمہارے پیچھے سے۔ جملے کا معنی ہے: جب تم دوڑے چلے جا رہے تھے اور تم کسی کی طرف مڑ کر دیکھتے نہیں تھے اور رسول (ﷺ) تمہیں پیچھے سے پکار رہے تھے۔

﴿ فَاتَّابِكُمْ غَمًّا بُعِثَ لِكَيْلًا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ ﴾ میں اَتَّابَ ، فَاتٌ اور اَصَابَ تینوں فعل ماضی واحد مذكر غائب۔ تینوں کے ساتھ تُمْ ضمیر (منصوب متصل) مخاطب کی مفعول۔ غَمًّا بُعِثَ میں باء بمعنی علیٰ اور یہ اَتَّابَكُمْ کا مفعول۔ لِكَيْلًا میں لَا نافیہ۔ لام کی کے لام کے ساتھ گئی تائید آیا ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ لام زائدہ ہے۔ مَا دونوں جگہ موصولہ۔ تَحْزَنُوا فعل مضارع کی نون کی وجہ سے گری ہوئی ہے۔ جملے کا معنی ہے: پس اللہ نے تم کو غم پر غم پہنچایا تاکہ تم کو اس پر غم نہ ہو کہ جو تم سے فوت ہو گیا اور جو ملنے والا تھا نہ مل سکا۔

﴿ وَاللّٰهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴾ میں خَبِيرٌ صفت مشبہ اور جملے کا معنی ہے: اور اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے کہ جو تم کرتے ہو۔

﴿ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُم مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمْنًا نُّعَاسًا ﴾ میں ثُمَّ حرف عطف۔ اَنْزَلَ فعل ماضی۔ نُّعَاسًا مفعول اور اَمْنًا



حال۔ جملے کا معنی ہے: پھر اس نے یعنی اللہ نے تمہارے غمزدہ ہونے کے بعد تم پر نیند نازل فرمائی جو اس و سکون کا ذریعہ بنی۔

﴿يَغْشَىٰ طَائِفَةٌ مِّنْكُمْ﴾ میں يغشى فعل مضارع اور طَائِفَةٌ اس کا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اس نیند نے تم میں سے ایک جماعت کو ڈھانپ لیا یعنی ان پر غالب آگئی۔

﴿وَ طَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ﴾ میں أَهَمَّتْ فعل ماضی واحد مونث غائب۔ اس کی ہم ضمیر مفعول۔ قَدْ تحقیق کا۔ أَنفُسُهُمْ فاعل۔ جملے کا معنی ہے: اور ایک جماعت کو اپنی ہی جانوں کی فکر تھی۔

﴿يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ﴾ میں ظَنُّ فعل قلب۔ يَظُنُّونَ فعل مضارع۔ غَيْرَ الْحَقِّ اس کا مفعول اور ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ۔ جملے کا معنی ہے: انہوں نے اللہ کے ساتھ ناحق جاہلیت والا گمان کیا۔

﴿يَقُولُونَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ﴾ میں هَلْ استفہامیہ اور جملے کا معنی ہے: وہ کہتے تھے کہ معاملے میں ہمیں بھی کسی چیز کا اختیار ہے۔

﴿قُلْ إِنْ الْأَمْرُ كُلُّهُ لِلَّهِ﴾ میں قُل فعل امر۔ إِنْ مشبہ بفعل۔ الْأَمْرُ اس کا اسم کُلُّهُ لِلَّهِ اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: آپ کہہ دیں کہ بے شک معاملہ سارے کا سارا اللہ ہی کے لیے ہے۔

﴿يُخْفُونَ فِي أَنفُسِهِمْ مَا لَا يُتْلُونَ لَكَ﴾ میں يُخْفُونَ اور يُتْلُونَ دونوں فعل مضارع۔ اور جملے کا معنی ہے: وہ اپنے دلوں میں وہ چھپاتے ہیں جو آپ کے لیے ظاہر نہیں کرتے۔

﴿يَقُولُونَ لَوْ كُنَّا لَأَنَّا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قُتِلْنَا ههنا﴾ میں لَوْ حرف تنہا۔ قُتِلْنَا فعل ماضی مجہول جمع متکلم۔ ههنا اسم اشارہ۔ جملے کا معنی ہے: اگر معاملے میں ہمیں کوئی اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے۔

﴿قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ﴾ میں لَوْ شرطیہ۔ بَرَزَ فعل ماضی پر لام تاکید کا۔ مَضَاجِعُ مَضَجْع کی جمع۔ جملے کا معنی ہے: آپ کہہ دیں کہ اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تو جن کی قسمت میں قتل ہونا ہوتا تو وہ قتل کی طرف ضرور نکلتے۔

﴿وَلَيَبْتَغِي اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلَيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ﴾ میں يَبْتَغِي اور يُمَحِّصُ دونوں فعل مضارع کے صیغوں کے آخر میں زبر لام کی وجہ سے آئی ہے دونوں کا فاعل لفظ اللہ ہے جملے کا معنی ہے: اور تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں آزمائے جو تمہارے سینوں میں ہے اور جو تمہارے دلوں میں ہے اس کو خالص کر دے۔

﴿وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں خبر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے۔

۳۳

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ  
إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا  
كَسَبُوا ۖ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ  
غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۱۵۵﴾

بے شک جو لوگ تم میں سے اس دن بھاگ گئے جس دن  
دونوں جماعتوں کا ٹکراؤ ہوا، اصل میں شیطان نے ان کو  
ان کے بعض عملوں کی وجہ سے پھسلا دیا، اور تحقیق اللہ تعالیٰ  
نے ان کو معاف کر دیا، اور بے شک اللہ تعالیٰ بہت زیادہ  
بخشنے والا تحمل والا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ  
كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي  
الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًى لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا  
مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا ۖ لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكَ  
حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ۚ وَاللَّهُ يُخَيِّ  
وَيُمِيتُ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۵۶﴾

اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا  
جنہوں نے کفر کیا اور اپنے بھائیوں کے متعلق کہا جب کہ  
وہ سفر کے لیے نکلتے ہیں یا وہ جہاد کرتے ہیں، کہ اگر وہ  
ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ قتل ہی کیے جاتے۔  
تاکہ اس (خیال) کو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں باعث  
حسرت بنا دے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی زندہ کرتا ہے اور مارتا  
ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کو دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو۔

وَلَيْنُ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّم  
لِمَغْفِرَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَ رَحْمَةٍ خَيْرٌ مِّمَّا  
يَجْمَعُونَ ﴿۱۵۷﴾

قسم ہے کہ اگر تم اللہ کی راہ میں شہید کیے جاؤ یا (طبعی  
موت) مر جاؤ، تو اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت یقیناً اس  
سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

وَلَيْنُ مُتُّم أَوْ قُتِلْتُمْ لَا إِلَى اللَّهِ  
تُخْشَرُونَ ﴿۱۵۸﴾

قسم ہے اگر تم (طبعی موت) مر جاؤ یا شہید ہو جاؤ تو تم  
ضرور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف اسٹھے کیے جاؤ گے۔

### تشریح:

جنگ اُحد میں اہل اسلام کی شکست کی وجہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی نافرمانی اور ان کے باہمی اختلاف و  
جھگڑا بیان فرمائی۔ لیکن مومنوں پر فضل والا ہونے کے ناطے ان کی لغزش کی نسبت شیطان کی طرف کردی کہ اسی نے  
مومنوں کے دلوں میں ایسے دوسے ڈالے کہ جن کو انھوں نے قبول کر لیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو بھی ممنوعہ شجرہ کے پاس

جا کر اس کا پھل کھانے پر اسی نے آمادہ کیا تھا۔ پہاڑی پر متعین کیے گئے تیر اندازوں کے دلوں میں مال غنیمت کا حصول بھی شیطان ہی نے مزین کیا تھا اور ان سے وہ کام ہو گیا کہ جو اہل اسلام کی شکست کا سبب بن گیا اور مسلمانوں کا بہت سا جانی نقصان ہوا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشش و کرم والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اس لیے اس نے غلطی کے مرتکب ہونے والوں کو معاف کر دیا۔ معاف کرنے کا ذکر اللہ تعالیٰ نے دو مرتبہ اس لیے فرمایا تاکہ کسی کے ذہن میں کوئی شک و شبہ نہ رہے۔

صحیح البخاری (۵۸۱/۲-۵۸۲) میں عثمان بن مہب سے مروی ہے کہ ایک آدمی حج بیت اللہ کے لیے آیا اور اس نے ایک جگہ لوگوں کو بیٹھے دیکھا۔ اس نے کسی سے پوچھا یہ کون ہیں؟ اس کو بتایا گیا کہ یہ قریشی ہیں۔ اس نے پوچھا ان میں (بیٹھا ہوا) یہ بزرگ کون ہے؟ اس کو بتایا گیا: ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہا میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ بیت اللہ کی حرمت کی قسم ہے آپ کو، آپ مجھے اس کا جواب دیں۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ جنگ اُحد میں بھاگ گئے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا۔ ہاں اس نے کہا: آپ جانتے ہیں کہ وہ جنگ بدر میں شریک نہ ہوئے اور اس سے غائب رہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا ہاں۔ اس نے کہا آپ جانتے ہیں کہ وہ بیعت رضوان میں بھی پیچھے رہے۔ اس میں شریک نہ ہوئے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ہاں۔ اس شخص نے جواب سن کر اللہ اکبر کہا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: آ میں تجھے صحیح خبر دیتا ہوں اور جو تو نے سوال کیے، ان کی وضاحت کرتا ہوں۔ جہاں تک جنگ اُحد سے بھاگنے والی بات ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا تھا، میں اس کی گواہی دیتا ہوں، اور جو وہ بدر کے غزوے سے غیر حاضر تھے تو اُس کی وجہ یہ تھی کہ اُن کے عقد میں رسول اللہ ﷺ کی بیٹی (رقیہ رضی اللہ عنہا) تھیں، وہ اس وقت بیمار تھیں۔ لہذا نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: تیرے لیے اتنا ہی اجر اور مال غنیمت میں اتنا حصہ ہو گا جتنا جنگ میں حاضر ہونے والے کے لیے ہو گا۔ رہی بات بیعت رضوان کی۔ اگر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر مکہ کی وادی میں کوئی اور عزت والا ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ضرور اسی کو اہل مکہ سے گفتگو کرنے کے لیے بھیجتے۔ اس لیے آپ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجا اور بیعت ان کے بعد ہوئی اور نبی کریم ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ بلند کر کے فرمایا یہ ہاتھ عثمان رضی اللہ عنہ کا ہے۔ پھر آپ نے اس کو دوسرے ہاتھ پر مار کر فرمایا۔ ”هٰذِهِ لِعُثْمَانَ“ (یہ بیعت عثمان کی ہے) ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سوال کرنے والے سے فرمایا: ان جوابوں کے ساتھ اب تو جا۔

اس روایت میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار کے خلاف جنگ اُحد میں اہل اسلام سے جو غلطی ہوئی اس کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو دوسرے ادیان پر غالب کرنا تھا اور یہ کام صحابہ ہی سے لینا تھا۔ صحابہ کو یہ بھی سمجھانا تھا کہ تم نے کسی بھی موقع پر مبعوث ہونے والے رسول اللہ ﷺ کی نہ مخالفت کرنی

ہے اور نہ ہی ان کے کسی حکم کی خلاف ورزی کرنی ہے۔ بلکہ اطاعت کا حق ادا کرنا ہے۔ دنیا کے متاع و مال کے حصول کی بجائے اپنی آخرت کو سنوارنے اور جنت میں جگہ پانے کے لیے کوشاں رہنا ہے۔

سورة التوبة میں اہل ایمان پر واضح کر دیا گیا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْحَنَّةَ ۖ يَفْتَكُلُون فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُكَلِّلُونَ وَيُعْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ ۖ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾

”بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے کہ اس کے بدلے ان کے لیے یقینی طور پر جنت ہوگی۔ وہ اللہ کی راہ میں قتال کریں گے پس وہ قتل کریں گے اور قتل کیے جائیں گے۔ یہ وہ وعدہ ہے کہ جس کے حق ہونے کا ذکر تورات، انجیل اور قرآن میں ہوا ہے اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا کون ہے۔ پس اپنی بیچ پر جو معاملہ تم نے طے کیا اس پر خوش ہو جاؤ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔“

سورة التوبة ہی میں ارشاد ہے:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ ۖ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ۖ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ (۷۲)

”اہل ایمان مردوں اور عورتوں سے اللہ تعالیٰ نے ایسے باغوں کا وعدہ کر رکھا ہے کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ان کو بھیگلی والی جنتوں میں پاک صاف ستھرے گھر دے گا اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی سب سے بڑی چیز ہوگی اور یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی۔“

سورة البقرة میں اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا:

﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ (۲۵۷)

”اللہ تعالیٰ ان کا دوست ہے کہ جو ایمان لائے۔ وہ ان کو اندھیروں سے نکال کر اجالے کی طرف لے جاتا ہے۔“

جب اللہ تعالیٰ ہی مومنوں کا دوست اور مولیٰ ہے اور مومنوں کی جانوں اور ان کے مالوں کا اس نے سودا کر رکھا ہے۔ انہی کے لیے جنتی محل تیار کیے ہوئے ہیں۔ تو پھر ان سے ہونے والی خطا کیوں معاف نہ کرتا۔ اس نے بار بار فرمایا کہ وہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اسی لیے جب اس کے بندوں سے کوئی غلطی یا گناہ کا کام ہو جاتا ہے تو وہ ان کو اپنی رحمت سے ڈھانپ لیتا ہے۔

سورة الزمر میں اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾

”بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ اس لیے کہ وہ بڑا ہی بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے جنگ احد میں اہل ایمان سے ہونے والی غلطی کو معاف کرتے ہوئے ان کو حکم دے دیا کہ تم نے کفار جیسی سوچ کو نہیں اپنانا اور نہ ہی ویسی بات کہنی ہے کہ جو انھوں نے جنگ میں شہید ہونے والے اپنے مسلمان بھائیوں کے بارے میں کہی کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے یا رہتے اور جنگ میں شریک نہ ہوتے تو قتل نہ کیے جاتے۔ یہ بات کہنے والے عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھی تھے۔ جو جنگ احد میں شریک نہ ہوئے تھے۔ درحقیقت یہ اسلام دشمنی کا اظہار تھا اور اسلام میں داخل ہونے والے انصار کے دلوں میں موت کا خوف ڈال کر جہاد سے باز رکھنے والی ایک چال تھی۔

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ زندگی اور موت کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جس کو اس نے مارنا ہوتا ہے تو موت اس تک اس کے گھر کے اندر ہی پہنچ جاتی ہے اور اس سے بچنے کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ اور جس کو زندہ رکھنا ہوتا ہے اور عین جنگ کے میدان میں بھی اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

أُسْدُ الْغَابَةِ (۱۱۱/۲) اور الْأَسْتِغَابَ (۱۵۴/۱) کی روایت کے مطابق حضرت خالد بن ولید کی موت کا جب وقت آ گیا تو انھوں نے کہا: ”میں ایک سویا سو کے قریب لڑائیوں میں شریک ہوا اور میرے جسم پر ایک بالشت حصہ بھی ایسا نہیں کہ جس پر کسی تیر، تلوار یا نیزے کا زخم نہ لگا ہو۔ لیکن آج میں گورخر (جنگلی گدھے) کی موت مر رہا ہوں۔“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زندگی کا مقصود و مطلوب اللہ کی راہ میں شہادت پانا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو تقریباً ایک سو لڑائیوں میں شرکت کے باوجود بچائے رکھا اور ان کی طبعی موت ان کے بستر پر ہوئی۔

اسی طرح کوئی خیال کرے کہ اگر وہ سفر پر روانہ ہوا تو واپس گھر نہیں آئے گا اور اس کی موت اس کے گھر سے دور پر ولس میں واقع ہو جائے گی۔ تو ایسی سوچ سے اہل ایمان کو منع کر دیا گیا۔ کیونکہ موت کا ایک وقت مقرر ہے اور جہاں انسان نے مرنا یا شہید ہونا ہوتا ہے اس کی اجل اس کو وہاں پہنچا دیتی ہے۔

کفار کا مسلمانوں کو جہاد سے روکنا یا سفر کرنے سے ڈرانا۔ قیامت کے روز ایسا کہنا۔ خود ان کے لیے باعث حسرت ہوگا۔ جب شہداء کو ملنے والا مقام وہ دیکھیں گے تو تمنا کریں گے کاش کہ انھوں نے بھی اسلام میں خلوص کے ساتھ داخل ہو کر اس کی سر بلندی کے لیے جہاد کیا ہوتا اور مسلمانوں کے دلوں میں شکوک پیدا کرنے کی کوشش نہ کی ہوتی۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جنگ احد کے بعد میں ہونے والی جنگوں میں اہل ایمان کی کامیابیاں دیکھ کر ان کے دلوں میں پشیمانی اور حسرت پیدا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا وہ سچ ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی راہ میں شہید ہونے والوں اور اس کے دین کی سر بلندی کے لیے سفر میں طبعی موت مرنے والوں کو بشارت دے دی کہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے رحمت و بخشش اس سے بہت بہتر ہے کہ جو اہل کفر جمع کر رہے ہیں۔ وہ تو سارا دھوکے کا سامان ہے۔ قبر اور حشر میں اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اصل کام آنے والی چیز انسان کے نیک اعمال ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ وضاحت بھی فرمادی کہ تم طبعی موت مرو یا اللہ کی راہ میں شہادت پاؤ انجام کار تم سب اسی کے پاس اکٹھے کیے جاؤ گے اور ہر شخص کا معاملہ اس کے اعمال کے مطابق طے پائے گا۔ یہاں گرائمر کے اعتبار سے ایک اہم نکتہ یہ آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَا إِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ﴾

قرآن حکیم میں کئی جگہ لایا گیا آیا ہے کہ جس کے لام پر زبر اور الف کے اوپر چھوٹا سا گول دائرہ لگا ہوتا ہے اور دائرہ کے بغیر بھی ہوتا ہے۔ درحقیقت الف پر دائرہ لگا کر سمجھایا جاتا ہے کہ اس الف کو پڑھنا نہیں۔ کیونکہ اگر عام لا کی طرح اس کو پڑھا جائے تو اس کا معنی نعوذ باللہ یہ ہوگا کہ ”تم اللہ کی طرف اکٹھے نہیں کیے جاؤ گے۔“ جب کہ لام تاکید کے ساتھ بتایا یہ گیا ہے کہ تم ضرور اللہ کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے۔ اس سے عیاں ہوتا ہے کہ عربی گرائمر کو سمجھنا قرآن نبی کے لیے نہایت ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کی ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

### حل لغات:

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ﴾ میں اِنَّ حرف مشبہ بالفعل۔ الَّذِينَ اسم موصول۔ تَوَلَّوْا اور التَقَى دونوں فعل ماضی۔ پہلا جمع مذكر غائب اور دوسرا واحد مذكر غائب۔ يَوْمَ ظرف الجمع مثنیہ۔ التَقَى کا فاعل۔ جملے کا معنی ہے: بے شک تم میں سے جو لوگ اس دن بھاگ نکلے جب دونوں جماعتوں کا ٹکراؤ ہوا۔

﴿إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا﴾ میں اِنَّمَا کلمہ حصر۔ اسْتَزَلَّ باب استفعال سے فعل ماضی۔ هُمْ ضمیر مفعول کی۔ الشَّيْطَانُ فاعل۔ بِبَعْضِ کی باء (حرف جر) سببیہ۔ مَا موصولہ۔ كَسَبُوا فعل ماضی۔ جملے کا معنی ہے: درحقیقت شیطان نے ان کو ان کے بعض (نا فرمانی والے) کاموں کے سبب پھسلا دیا۔

﴿وَلَقَدْ غَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ﴾ میں لَقَدْ تحقیق کا اور جب یہ ماضی پر آئے تو معنی ماضی قریب میں کر دیتا ہے اور یہاں اس پر لام تاکید کا بھی ہے۔ غَفَا فعل ماضی، لفظ اللہ اس کا فاعل۔ عَنْهُمْ میں عَنْ حرف جر اور هُمْ ضمیر۔ میدان سے بھڑکنے والوں کی طرف راجع ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِأَنْفُسِهِمْ﴾ میں لا تَكُونُوا فعل نہی۔ كَالَّذِينَ میں کاف تشبیہ کا۔ آمَنُوا، كَفَرُوا اور قَالُوا تینوں فعل ماضی جمع مذکر غائب کے صیغے۔ جملے کا معنی ہے: اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے کفر کیا اور اپنے بھائیوں سے کہا۔

﴿إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غَزًى لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا﴾ میں إِذَا ظرفیہ۔ ضَرَبُوا، كَانُوا اور مَاتُوا فعل ماضی معروف کے جمع مذکر غائب کے صیغے ہیں جب کہ قُتِلُوا ماضی مجہول۔ لَوْ شرطیہ۔ مَا دونوں جگہ نافیہ ہے۔ غَزًى غَارِ کی جمع مکسر۔ جملے کا معنی ہے: جب کہ وہ سفر میں نکلتے ہیں یا جہاد میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اگر یہ ہمارے پاس ہی رہتے تو نہ (طبعی موت) مرتے اور نہ قتل ہی کیے جاتے۔

﴿لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ﴾ میں يَجْعَلَ فعل مضارع کے آخر میں لام عاقبت کی وجہ سے زبر آئی۔ لفظ اللہ اس کا فاعل۔ ذَلِكَ اسم اشارہ حَسْرَةً مفعول۔ فِي حرف جر اور قُلُوبِهِمْ مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ ان کا یہ قول انجام کار ان کے دلوں میں باعثِ حسرت کرے گا۔

﴿وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ میں يُحْيِي اور يُمِيتُ فعل مضارع واحد مذکر غائب جب کہ تَعْمَلُونَ مضارع جمع مذکر حاضر۔ بَصِيرٌ صفت مشبہ۔ جملے کا معنی ہے: حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اور جو تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو دیکھنے والا ہے۔

﴿وَلَيْنَ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ﴾ میں وَاوِ قسمیہ۔ اِنْ شرطیہ پر لام تاکید کا قُتِلْتُمْ فعل ماضی مجہول حاضر۔ فِي حرف جر۔ سَبِيلِ اللہ مرکب اضافی مجرور۔ اَوْ عاطفہ۔ مُتُّمْ مَا تَ يَمُوتُ سے ماضی معروف جمع مذکر حاضر۔ جملے کا معنی ہے: قسم ہے کہ اگر تم اللہ کی راہ میں شہید کیے جاؤ یا تم طبعی موت مر جاؤ۔

﴿لَمَغْفِرَةٍ مِنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٍ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ﴾ میں مَغْفِرَةٌ پر لام تاکید کا جواب قسم۔ مِمَّا اصل میں مِنْ مَا ہے۔ یعنی مِنْ حرف جر اور مَا موصولہ۔ يَجْمَعُونَ فعل مضارع جمع مذکر غائب۔ جملے کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی مغفرت اور رحمت بے شک اس سے بہتر ہے کہ جو وہ جمع کرتے ہیں۔

﴿وَلَيْنَ مُتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَا إِلَى اللَّهِ تُخْشَرُونَ﴾ میں وَاوِ قسمیہ (یا عاطفہ)۔ اِنْ شرطیہ پر لام تاکید کا۔ لَا کا لام تاکید کا۔ اور الف پر پڑا ہوا چھوٹا سا دائرہ اس کی علامت ہے کہ یہ زائدہ ہے اور اس کو پڑھا نہیں جائے گا۔ اگر پڑھا جائے تو لا نافیہ بن کر معنی بالکل الٹ کر دے گا۔ تُخْشَرُونَ فعل مضارع مجہول جمع مذکر حاضر۔ جملے کا معنی ہے: (اور) قسم ہے اگر تم طبعی موت مرے یا شہید کیے گئے تو تم ضرور اللہ کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے۔ یعنی انجام کار تم نے اللہ کے پاس آنا ہے۔



۳۳

پس اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی سے آپ ان کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر آپ بد زبان سخت دل ہوتے تو وہ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے، پس آپ ان سے درگزر کریں اور ان کے لیے استغفار کریں اور (دنیادی) معاملات میں ان سے مشورہ کیا کریں اور جب عزم کر لیا کریں تو پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کیا کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ آپ کو چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے گا۔ مومنوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر توکل کریں۔

اور کسی نبی کے لیے ممکن نہیں کہ وہ خیانت کا مرتکب ہو اور جو خیانت کرے گا قیامت کے روز وہی چیز لائے گا کہ جس میں اس نے خیانت کی ہوگی۔ پھر ہر نفس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کیا ہوگا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

فِيمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لَنْتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنْتَ  
فَطَا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَأَنفَضُوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ  
فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي  
الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ  
اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿١٥٩﴾

إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَ  
إِنْ يَخْذَلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرْكُمُ  
مِنْ بَعْدِهِ ۚ وَ عَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ  
الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٦٠﴾

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ ۚ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ  
بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ  
مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦١﴾

### تشریح:

انسانی فطرت ہے کہ جب کسی کا کوئی جانی مالی نقصان ہوتا ہے تو اس کو نہ صرف اس کا دکھ ہوتا ہے بلکہ نقصان کے ذمہ دار شخص یا اشخاص پر اپنی بھرپور ناراضی کا اظہار بھی کرتا ہے اور نقصان پہنچانے والوں سے بدلہ لینے کے لیے کوشاں ہو جاتا ہے۔

جنگ اُحد میں کفار مکہ نے اہل ایمان کو میدان سے بھاگنے پر مجبور کر دیا لیکن ایسی صورت پیدا کرنے کی ذمہ

داری پہاڑی پر متعین کیے گئے تیر اندازوں پر عائد ہوتی تھی۔ اگرچہ میدان سے بھاگنے اور اللہ کے رسول ﷺ کو چھوڑنے والے بھی بعد میں اسی زمرے میں آگئے تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے اپنے صحابہ میں سے نہ کسی کو ڈانٹا اور نہ کسی کے لیے بُرے الفاظ استعمال کیے۔ آپ کے اسی صبر و تحمل اور استقلال کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے تعبیر فرمایا۔ آپ کی شفقت و محبت اور بردباری کا نتیجہ تھا کہ شکست خوردہ صحابہ میں جب اگلے دن آپ کی طرف سے اعلان ہوا کہ دشمن کا پیچھا کرنے کے لیے نکل آؤ، تو کوئی بھی پیچھے نہ رہا۔

سیرت ابن ہشام (۱۰۱/۲) کی روایت کے مطابق آپ کا حکم تھا کہ ہمارے ساتھ وہی نکلیں جو کل جنگ میں شریک تھے۔ چنانچہ آپ کے حکم کی تعمیل ہوئی اور زخموں سے چور صحابہ بھی جمع ہونے والی جگہ پر پہنچ گئے۔ آپ ﷺ نے حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم کو مدینہ طیبہ کا عامل بنایا اور خود صحابہ کے ساتھ مدینہ سے آٹھ میل باہر آ کر حراء الاسد کے مقام پر دو تین یا چار دن قیام فرمایا۔ یہ بھی مروی ہے کہ ابوسفیان نے پلٹ کر مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن جب اس کو معلوم ہوا کہ آپ پوری تیاری کے ساتھ مدینہ سے باہر آ کر مقابلے کا عزم کیے ہوئے ہیں تو اس نے اپنا ارادہ ترک کر کے مکہ واپس جانے میں ہی عافیت سمجھی۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو صرف اپنے صحابہ ہی کے لیے رحمت نہ بنایا۔ بلکہ سورة الانبیاء میں خود ہی ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (۱۰۷)﴾

”اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہونے والی اسی بے مثال نعمت کی برکت تھی کہ جو بھی آپ کے قریب آتا، آپ کی باتیں سنتا تو آپ کا اطاعت گزار بن جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان کا ذکر کرتے ہوئے واضح کر دیا کہ اگر آپ سخت دل اور سخت گفتگو کرنے والے ہوتے تو کوئی بھی آپ کے قریب نہ آتا۔ لہذا اللہ کی رحمت کی بنا پر جو آپ کے قریب آچکے ہیں۔ ان سے جنگ میں جو غلطی ہوئی ہے، اس پر گرفت کرنے کی بجائے درگزر کریں اور ان کی بخشش کی دعا کریں۔ بلکہ ان کو مشاورت میں شامل کریں تاکہ ان کے حوصلے پست نہ ہونے پائیں اور وہ آپ کے جان نثار بنے رہیں۔

یہاں اسلامی ریاست کے امیر کو بڑی خوب صورت رہنمائی سے نوازا گیا ہے کہ جب اس کے ساتھیوں سے غیر ارادی طور پر خطا ہو جائے۔ نیت اور خلوص میں کوئی فتور نہ ہو تو ان کو معاف کرنے میں ہی برکت ہوگی۔ اگر ان پر سختی کی جائے گی تو ان میں بددلی پھیلے گی۔ انتشار و افتراق کی راہ کھلے گی۔ اتحاد و اتفاق پر زد پڑے گی اور دشمن کی اس

سے ہمت بڑھے گی۔ لہذا امت کو متحد اور متفق رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ قرآن حکیم میں بیان کردہ اس سنہری اصول کے مطابق عمل کیا جائے۔

آپ ﷺ کو اللہ کے نبی اور رسول ہونے کے ناطے کسی مشاورت کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے دنیاوی کاموں میں اس کا حکم آپ کو اور آپ کے ذریعہ آپ کی امت کو دیا ہے۔ چنانچہ آپ نے حکم الہی کے مطابق اپنی زندگی مبارک میں اس پر عمل کیا۔ جنگ بدر، جنگ احد اور جنگ خندق میں صحابہ کے مشورہ کو آپ نے قبول فرمایا اور آپ کے بعد خلفائے راشدین بھی آپ کی دکھائی ہوئی راہ پر گامزن رہے۔ سورة الشوریٰ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ (۳۸)﴾

”اور وہ باہم مشورے کے ذریعے معاملے طے کرتے ہیں۔“

صحیح بخاری کتاب الاعتصام میں باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ کا حصہ ہے:

”وَكَانَتِ الْاِيْمَةُ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَشِيْرُوْنَ الْاَمَنَاءَ مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ فِي الْاُمُوْرِ الْمُبَاحَةِ لِيَتَاَخَذُوْا بِاَسْهَلِهَا فَاِذَا وَضَعَ الْكِتٰبُ وَالسَّنَةُ لَمْ يَتَعَدَّوْهُ اِلٰى غَيْرِهِ“

”نبی کریم ﷺ کے بعد ائمہ مباح کاموں میں امین اہل علم سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ تاکہ ان میں سے آسان کے مطابق عمل کریں۔ جب قرآن و سنت سے بات واضح ہو جاتی تو پھر اس کے علاوہ کسی اور طرف توجہ نہ کرتے۔“

یہاں بھی امت کو بہترین راہنمائی مہیا کر دی گئی ہے کہ جب قرآن و سنت سے کوئی بات واضح ہو جائے تو اسی کو اپنایا جائے گا، ادھر ادھر دیکھنے کی ضرورت نہ ہوگی اور مشاورت بھی ان کاموں میں کی جائے گی جن کی شریعت میں اجازت ہوگی، غیر شرعی کاموں میں مشاورت شیطانی عمل ہوگا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری (۳۴۰/۱۳) میں امام بخاری کی الادب المفرد اور ابن ابی حاتم کے حوالے سے مضبوط سند کے ساتھ حسن بصری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے:

”مَا تَشَاوَرَ قَوْمٌ بَيْنَهُمْ اِلَّا هَدَاهُمُ اللّٰهُ لِأَفْضَلِ مَا يَحْضُرُهُمْ“

”جب بھی کسی قوم کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا ہے اور وہ آپس میں مشاورت کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بہترین حل کی طرف ان کی رہنمائی کر دیتا ہے۔“

یہاں اس امر کو بھی اجاگر کر دیا گیا ہے کہ جس اہم معاملے کے لیے مشاورت ہوئی اور اس میں کسی طریقہ کار کو

اپنانے کا فیصلہ کر لیا گیا، تو پھر اس کے مطابق عمل کرنے کا عزم ہونا چاہیے یعنی ممکنہ حد تک ہر طرح سے اس کی تیاری مکمل کر لی جائے۔ پھر اس تیاری یا وسائل پر بھروسہ کرنے کی بجائے معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔ اسی کو اعانت و نصرت کے لیے پکارا جائے۔ ”حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ“ کا ورد زبان پر جاری ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو ایسا عمل کرنے والے بڑے پسند ہیں۔ ویسے بھی اس کا قانون ہے، سورة الطلاق کے الفاظ ہیں:

﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ﴾ (۳)

”اور جو اللہ پر توکل کرتا ہے، وہ اسے کافی ہو جاتا ہے۔“

اس کی مزید وضاحت یہاں یوں ہوئی کہ اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور اگر اللہ مدد نہ کرے اور تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دے تو اس کے سوا تمہاری مدد کون کرے گا؟ یعنی اہل ایمان کو واضح طور پر بتا دیا گیا کہ تمہارا مددگار صرف اللہ ہے۔ لہذا تم نے اس کے علاوہ مدد کے لیے کسی اور سے توقع نہیں رکھنی۔

اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ جب مسلمانوں نے اللہ کو مدد کے لیے پکارا تو اللہ نے ان کی مدد کی۔ ایمان کی کمزوری کی بنا پر جب غیر اللہ کی طرف دیکھا تو نقصان اور خسارے کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دے دیا کہ ان کو ہمیشہ اللہ پر توکل کرنا ہوگا۔

جامع الترمذی (۱۴۶/۲، ابواب التفسیر) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جنگ بدر کے دن ایک سرخ چادر مل نہیں رہی تھی۔

(( فَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ: لَعَلَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَهَا، فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: ﴿وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ﴾ ))

”بعض لوگوں نے کہا، شاید رسول اللہ ﷺ نے وہ لے لی ہو، تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی کہ کسی نبی کے لیے یہ ممکن نہیں کہ اس سے خیانت کا ارتکاب ہو۔“

یعنی اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کے قول کا رد کر دیا اور اپنے نبی ﷺ کی امانت و دیانت کو ہر شک و شبہ سے بلند و بالا کر دیا۔ تفسیر ابن جریر میں اس آیت کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ نبی ﷺ کے لیے یہ ممکن نہیں کہ مسلمانوں کی ایک جماعت کو حصہ دے اور دوسرے کو نہ دے اور یوں تقسیم میں زیادتی کرے۔ بلکہ نبی ﷺ تقسیم میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت کے نزول کا تعلق وحی سے ہے۔ یعنی نبی پر واجب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی ہر بات اور حکم کو اس کی مخلوق تک پہنچائے۔ اس میں سے کچھ چھپانے کی ان کو اجازت نہیں ہوتی کیونکہ یہ بھی غلول کی ایک صورت ہو سکتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی امانت و دیانت کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ پر یہ بھی واضح کر دیا کہ جو شخص کسی چیز میں خیانت کرے گا تو قیامت کے روز اس کو لائے گا۔

امام ترمذی نے ابواب الاحکام (۱۹۴/۱) میں معاذ بن جبل سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو یمن کی طرف عامل بنا کر بھیجا۔ جب وہ روانہ ہوئے تو آپ نے ان کو واپس بلایا۔ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: جانتے ہو کہ میں نے تجھے واپس کیوں بلایا؟ انھوں نے عرض کیا میں نہیں جانتا۔ آپ نے فرمایا:

میری اجازت کے بغیر کوئی چیز ہرگز نہ لینا۔ اگر لوگ تو وہ خیانت ہوگی اور جو کوئی خیانت کرے گا، وہ خیانت والی چیز لیے ہوئے قیامت کے روز آئے گا۔ میں نے یہی بات بتانے کے لیے تجھے بلایا۔ اب جاؤ اور اپنے کام میں لگ جاؤ۔“

صحیح بخاری (کتاب الجہاد باب الغلول، ص: ۴۳۲) اور صحیح مسلم (کتاب الامارۃ، باب غلظ تحریم الغلول، ص: ۱۱۲، ۱۲۳) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن نبی کریم ﷺ ہم میں کھڑے ہوئے اور آپ نے خیانت کا ذکر فرمایا اور اس کے برے انجام سے ہمیں ڈرایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

”میں تم میں سے کسی ایک کو قیامت کے روز اس حال میں ہرگز نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر میاں والی بکری ہو یا اس کی گردن پر ہنہانے والا گھوڑا ہو اور وہ کہے: اے اللہ کے رسول! میری مدد کریں اور میں کہوں کہ میں تمھاری کچھ مدد نہیں کر سکتا۔ میں نے جو پہنچانا تھا، وہ تمھیں پہنچا دیا۔“

اور ایسا شخص بھی نہ ہو کہ جس کی گردن پر بولتا ہوا اونٹ ہو اور وہ کہے: اللہ کے رسول! میری مدد کریں اور میں کہوں کہ میں تمھاری کوئی مدد نہیں کر سکتا، میں نے جو پہنچانا تھا وہ پہنچا دیا۔“

اور کوئی شخص ایسا بھی نہ ہو جس کی گردن پر سونا چاندی ہو اور وہ کہے: اللہ کے رسول! میری مدد کریں اور میں کہوں کہ میں تمھاری کچھ مدد نہیں کر سکتا، میں نے جو پہنچانا تھا وہ پہنچا دیا۔“

اور وہ بھی نہ ہو جس کی گردن پر کپڑے کے چیتھڑے ہوں کہ جن میں حرکت ہو اور وہ کہے۔ اللہ کے رسول! میری مدد کریں اور میں کہوں کہ میں تمھاری کچھ مدد نہیں کر سکتا۔ میں نے جو پہنچانا تھا وہ پہنچا دیا۔“

صحیح مسلم میں چیخنے چلانے والے نفس کا بھی ذکر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خائن کا معاملہ قیامت کے روز ایسا ہوگا کہ وہ سید الانبیاء ﷺ سے مدد چاہے گا لیکن اب صاف انکار کر دیں گے۔

بخاری کے (باب القتل من الغلول) میں عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سامان پر ”کرکہ“ نامی ایک آدمی مقرر تھا۔ جب اس کی موت واقع ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ جہنمی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کی تو انھوں نے اس کے سامان میں سے ایک ایسا چوغہ پایا کہ جو اس نے خیانت کے طور پر بغیر اجازت لیا تھا۔

”غلول“ ہی کے سلسلے میں بخاری و مسلم کی یہ روایت بھی ہے کہ آپ نے قبیلہ اسد کے ایک شخص ابن النخعیہ کو صدقات پر عامل بنایا۔ جب وہ واپس آیا تو کہنے لگا: یہ مال آپ کا اور یہ مجھے تحفہ دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

”اس عامل کا کیا معاملہ ہے کہ جس کو ہم صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجتے ہیں اور وہ واپس آ کر کہتا ہے: یہ آپ کا اور یہ میرا۔ وہ اپنے باپ اور ماں کے گھر کیوں نہیں بیٹھتا پھر دیکھے کہ اس کو کتنے تحفے دیے جاتے ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر وہ سب کچھ دیا ہوا جمع نہیں کراتا تو قیامت کے روز اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے آئے گا۔ اگر اونٹ یا گائے یا بکری ہوگی تو ان کی اپنی اپنی آوازیں ہوں گی۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھوں کو اتنا اٹھایا کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی اور ارشاد فرمایا: کیا میں نے پہنچا دیا؟“ تین مرتبہ آپ نے یہ فرمایا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ ہر خائن خواہ عوام میں سے ہو یا سرکاری افسر ہو، اس کا انجام اچھا نہ ہوگا۔ اس بات کو سمجھنے کی اللہ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

### حل لغات:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ﴾ میں ف ربط کا۔ ب سیہ حرف جر۔ ما صلہ بمعنی تاکید رَحْمَةٍ مجرور۔ لِنْتَ فعل ماضی واحد مذکر حاضر۔ جملے کا معنی ہے: پس اللہ کی رحمت سے آپ ان کے لیے نرم دل ہوئے۔

﴿وَلَوْ كُنْتَ فَظًا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ﴾ میں فَظًا غَلِيظَ الْقَلْبِ فعل ناقصہ كُنْتُ کی خبر۔ لَانْفَضُّوا فعل ماضی جمع مذکر غائب پر لام تاکید کا۔ جملے کا معنی ہے اگر آپ بد زبان اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔

﴿فَاغْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ میں اغْفُ۔ اسْتَغْفِرْ اور شَاوِرْ تینوں فعل امر اور ان کی ضمیریں ہم صحابہ کی طرف راجع ہیں۔ جملے کا معنی ہے: پس آپ ان سے درگزر کریں اور ان کے لیے

استغفار کریں اور دنیاوی معاملات میں ان سے مشورہ کیا کریں۔

﴿فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ﴾ میں إِذَا شرط۔ عَزَمْتَ فعل ماضی۔ تَوَكَّلْ فعل ماضی امر۔ اِنْ حرف مشبہ بالفعل۔ لفظ اللہ اس کا اسم۔ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ (جملہ فعلیہ) اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: پس جب آپ عزم کر لیں، تو اللہ پر توکل کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

﴿إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَنْهَكْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ﴾ میں دونوں جگہ اِنْ شرطیہ۔ اسی لیے يَنْصُرُ اور يَنْهَكُ دونوں فعل مضارع کے آخر میں جزم آئی ہے۔ دونوں کی ضمیریں کُم مخاطب (یعنی صحابہ) کی طرف راجع ہیں۔ لفظ اللہ فاعل ہے۔ فَلَا کی فاء جواب شرط اور لَا نفی جنس۔ غَالِبَ اسم فاعل۔ فَمَنْ شرط۔ ذَا اسم اشارہ۔ الَّذِي موصولہ۔ بَعْدِهِ کی ضمیرہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ جملے کا معنی ہے: اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب آنے والا نہیں اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون تمہاری مدد کرے گا؟

﴿وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ میں واو عاطفہ۔ عَلٰی حرف جر۔ لفظ اللہ مجرور۔ فَلْيَتَوَكَّلِ میں ف ربط کا۔ لام امر کا، يَتَوَكَّلْ فعل مضارع واحد مذكر غائب یعنی یہ فعل امر غائب کی صورت ہے۔ الْمُؤْمِنُونَ اس کا فاعل۔ جملے کا معنی ہے: مومنوں کو چاہیے کہ اللہ پر توکل کریں۔

﴿وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلُّ وَمَنْ يَغُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ﴾ میں واو عاطفہ۔ مَا نافیہ۔ لِنَبِيٍّ کی لام حرف جر۔ لَفْظ نَبِيٍّ مجرور۔ اَنْ ناصبہ۔ يَغُلْ فعل مضارع واحد مذكر غائب کے آخر میں زبر اَنْ کی وجہ سے آئی ہے۔ مَنْ شرطیہ۔ يَغُلْ فعل مضارع۔ يَأْتِ جواب شرط ہونے کی وجہ سے اس کی یاء گری ہوئی ہے۔ ب حرف جر۔ مَا موصولہ۔ غَلَّ فعل ماضی۔ جملے کا معنی ہے: کسی نبی علیہ السلام کے لیے ممکن نہیں کہ اس سے خیانت کا ارتکاب ہو اور جو کوئی خیانت کرے گا تو وہ قیامت کے روز جس چیز میں اس نے خیانت کی ہوگی، اس کو لائے گا۔

﴿ثُمَّ تَوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ میں ثُمَّ حرف عطف ہے۔ تَوَفَّى فعل مضارع مجہول واحد مذكر غائب۔ كُلُّ نَفْسٍ مرکب اضافی اس کا فاعل۔ مَا موصولہ۔ كَسَبَتْ فعل ماضی واحد مونث غائب۔ واو عاطفہ۔ هُمْ قیامت کے دن حاضر ہونے والوں کی طرف راجع۔ ہے۔ لَا نافیہ۔ يُظْلَمُونَ فعل مضارع مجہول جمع مذكر غائب۔ جملے کا معنی ہے: پھر ہر نفس کو اس کا پورا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کیا ہوگا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔



کیا بھلا جس نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی اتباع کی ہو، وہ اس کی مانند ہو سکتا ہے جو اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹا ہو، اور اس کا ٹھکانا جہنم ہو۔ اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہے لوٹنے کی۔

اللہ تعالیٰ کے پاس وہ مختلف درجوں والے ہیں، اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر (بہت بڑا) احسان فرمایا جب ان میں انہی میں سے ایک رسول (ﷺ) مبعوث فرمایا جو ان پر اس کی آیات پڑھتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ حالاں کہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

کیا (بات ہے کہ) تم کو جب تکلیف پہنچی جب کہ تم اس کی مثل (کافروں کو) دو گنا پہنچا چکے تھے، تو تم نے کہا یہ کیسے ہوا۔ کہہ دو کہ یہ تمہاری طرف سے (یعنی اپنی غلطی کی وجہ سے) ہوا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔

أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَنْ ۙ بَاءَ  
بَسَخَطٍ مِنَ اللَّهِ وَمَا وَهَ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ  
الْمَصِيرُ ﴿١٦٢﴾

هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِصِيرٍ ۙ بِمَا  
يَعْمَلُونَ ﴿١٦٣﴾

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ  
فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ  
آيَاتِهِ وَ يُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ  
وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ إِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي  
ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿١٦٤﴾

أَوَلَمَّْا أَصَابَتْكُمْ مُّصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ  
مِثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّى هَذَا قُلْ هُوَ مِنْ  
عِنْدِ أَنفُسِكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ  
قَدِيرٌ ﴿١٦٥﴾

www.KitaboSunnat.com

تشریح:

جنگ اُحد میں مسلمانوں کی ایک جماعت ایسی تھی، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی خاطر اپنی جانیں اس کی راہ میں قربان کر دیں، اہل ایمان ہونے کا حق ادا کر دیا۔ ایک دوسری جماعت ایسی بھی تھی جن کے اہل ایمان ہونے میں کوئی شک نہ تھا، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ کفار کے قدم مسلمانوں کے پہلے ہی حملے میں اکھڑ گئے اور مال غنیمت ملنے کا وقت آ گیا تو وہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے اور انہوں نے وہ جگہ چھوڑ دی جہاں جئے رہنے کا ان کو حکم ملا تھا۔ اس جماعت کی وجہ سے جیتی ہوئی جنگ ہار میں تبدیل ہو گئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کی وجہ سے انہیں نہ صرف معاف فرما دیا بلکہ اپنے پیغمبر ﷺ کو بھی ان سے درگزر کرنے، ان کے لیے بخشش طلب کرنے اور

انھیں مشاورت میں شامل رکھنے کا حکم دیا۔

ایک اور بھی جماعت تھی جو مدینہ طیبہ سے مسلمانوں کے ساتھ کفار سے ٹکرانے کے لیے نکلی لیکن راستے میں انھوں نے مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو ظاہری طور پر مسلمان تھے لیکن ان کے باطن کفر سے بھرے ہوئے تھے اور ان کی دلی خواہش تھی کہ اہل اسلام مغلوب ہو جائیں۔ مسلمان جب اپنی ہی غلطی کے سبب مغلوب ہو گئے تو انھوں نے حوصلہ دینے یا ہمدردی کا اظہار کرنے کی بجائے مسلمانوں میں بددلی پھیلانے کی بھرپور کوشش کی۔ یہی وہ جماعت تھی جس کو منافق اور کافر کہا گیا۔ انہی کے بارے میں واضح کیا جا رہا ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر اپنے رب کو ناراض کر دیا اور اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لیا۔ ظاہر ہے کہ جہنم سے بڑھ کر بری جگہ ٹھہرنے کی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ یہ ان لوگوں کی طرح نہیں ہو سکتے۔ جنھوں نے رضائے الہی کی خاطر جانوں کو قربان کر دیا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کو اپنی زندگی کا مقصود و مطلوب بنا لیا۔

اللہ کا قانون ہے کہ دنیا کے طلبگاروں کو ان کی منشاء کے مطابق دنیا سے نواز دیتا ہے اور آخرت کی چاہت رکھنے والوں کو آخرت کی نعمتوں سے مالا مال کر دیتا ہے اور ان کی ضرورت کے مطابق انھیں دنیا سے بھی سرفراز فرماتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں گروہوں میں بڑا فرق ہے۔ دنیا کے طلبگاروں کو ان کی خواہش اور طلب کے مطابق دنیا میں ہر چیز ملے یا نہ ملے لیکن آخرت میں ان کا انجام بہت ہی بُرا ہوگا۔ دنیا میں ان کو ملنے والا مال ان کے لیے وبال بن جاتا ہے، نیز انھیں جہنم کی آگ کا ایندھن بنا دیا جاتا ہے۔ جب کہ رضوان اللہ کے طلبگاروں کو جنت میں اعلیٰ مقام مل جاتا ہے۔ لہذا دونوں کسی بھی صورت میں برابر نہیں ہو سکتے۔ اللہ نے یہ بھی وضاحت کر دی کہ دونوں کے اپنے اپنے اعمال کے مطابق درجے ہوں گے۔

سورة النساء میں منافقوں کے بارے میں اعلان ہوتا ہے:

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَهُمْ نَصِيرًا (۱۱۵)﴾

”بے شک منافق جہنم کے انتہائی نچلے درجے میں ہوں گے اور آپ ان کے لیے کوئی مددگار ہرگز نہیں پائیں گے۔“

مومنوں کے بارے میں سورة التوبة میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجْهَهُدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمَ دَرَجَةً عِنْدَ

اللَّهُ ط وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ (۲۰)﴾

”جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد

کیا، وہی لوگ اللہ کے پاس عظیم درجوں والے اور وہی کامیاب ہونے والے ہوں گے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ اطاعت گزاروں اور نافرمانوں کے درمیان قیامت کے روز بہت فرق ہوگا۔ اطاعت گزاروں کو اللہ اپنی رضا و خوشنودی سے نوازے گا جبکہ سرکشی کے مرتکب ہونے والوں کو جہنم میں داخل فرمائے گا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

تفسیر القرطبی میں یہ بھی منقول ہے کہ جو خیانت سے محفوظ رہیں گے، ان کے لیے جنت میں درجات ہوں گے اور جو امانت میں خیانت کریں گے، ان کے لیے جہنم میں درجات (گڑھے) ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو مومنوں کے لیے نرم دل اور رؤف رحیم بنانے کے ساتھ ساتھ یہ احسان بھی ان پر فرمایا کہ جو رسول (ﷺ) کی صورت میں ان کی طرف مبعوث ہوئے اور وہ انہی میں سے تھے اور ان کی زبان ہی بولتے تھے، جن کے حسب و نسب سے وہ اچھی طرح واقف تھے، جو ان میں امین و صادق کے طور پر مشہور تھے، جن کے پاس وہ اپنی امانتیں رکھا کرتے اور ان سے اپنے جھگڑوں کے فیصلے کرایا کرتے تھے اور جن کے بہترین کردار کو وہ سراہا کرتے تھے۔

صحیح بخاری کے پہلے باب کی روایت ہے کہ پہلی وحی کے بعد آپ ﷺ نے جب اپنی زوجہ مطہرہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے تو انھوں نے فوراً کہا:

(( كَلَّا وَاللَّهِ ! مَا يُخْزِيكَ اللَّهُ أَبَدًا ، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَ تَحْمِلُ الْكُلَّ وَ تَكْسِبُ الْمَعْلُومَ وَ تَقْرَى الضَّيْفَ وَ تُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ ))

”نہیں اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو ہر گز تنہا نہیں چھوڑے گا، کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، جو بوجھ نہیں اٹھا سکتا، اس کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور جو کما نہیں سکتا، اس کے لیے کمائی کرتے ہیں اور مہمان کی بہترین مہمان نوازی کرتے ہیں، مصیبتوں میں حق کی اعانت کرتے ہیں۔“

یہ گواہی کہہ کر انتہائی معزز خاتون کی تھی اور یہ وہ صفات عالیہ تھیں جو نبوت سے سرفراز ہونے سے پہلے ہی آپ میں موجود تھیں۔ جن کی بنا پر آپ لوگوں میں اخلاقی اقدار کے اعتبار سے سب سے زیادہ ممتاز اور عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت و رسالت کے عظیم منصب سے نوازا تو آپ نے اللہ کی طرف سے ملنے والے مشن کو انتہائی محنت، لگن اور صبر و تحمل سے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ تیرہ سال کہ میں مخالفوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے۔ جب وہاں رہنا ممکن نہ رہا تو مدینہ طیبہ آکر اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی جو دس سال کے قلیل عرصہ میں نہ صرف مستحکم ہوئی بلکہ اس کا پرچم سارے عرب پر لہرانے لگا۔ مخالفت میں تمام حدوں سے تجاوز کرنے والے آپ کے جان نثار بن گئے۔ آپس میں لڑنے والے ایک دوسرے کے لیے ایثار و قربانی کا مجسمہ بن گئے۔ اسلام کی

روشنی ہر سو پھیلنے لگی۔ یہ اللہ کا احسان ہی تھا کہ امت کو ایسا نبی عطا فرمایا جو ان کو اللہ کی طرف سے نازل ہونے والا قرآن سنانا، اللہ کی ہدایت کے مطابق ان کا ترکیہ کرتا، ان کے نفسوں کو جاہلیت کی آلودگیوں سے پاک کرتا، پھر ان کو قرآن و سنت کی تعلیم دیتا، حکمت و دانائی کی باتیں ان کو سکھاتا۔ بڑی عجیب بات ہے کہ دنیا میں آپ کا کوئی استاد نہ تھا۔ لیکن آپ کی تربیت اللہ تعالیٰ نے ایسی فرمائی کہ آپ کو معلم عظیم بنا دیا۔

مخلوۃ میں الداری کے حوالے سے کتاب العلم میں منقول ہے:

(( إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا )) ..... ”بے شک مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔“

اسلام سے پہلے اہل عرب کا جو حال تھا۔ اللہ تعالیٰ نے چند لفظوں میں اس کو بیان فرمادیا کہ وہ مکلی گمراہی میں تھے دینی طور پر رب حقیقی کی عبادت کرنے کی بجائے باطل معبودوں کو پکارتے۔ بیت اللہ میں اور اس کے آس پاس انھوں نے تین سو ساٹھ بت نصب کر رکھے تھے۔ ہر قبیلے کا اپنا اپنا بت تھا۔ دنیوی معاملات بھی ان کے اچھے نہ تھے اور اخلاق قدریں بھی پامال ہو چکی تھیں۔ دنیا کی ہر برائی کسی نہ کسی رنگ میں ان میں پائی جاتی تھی۔ عورتوں کے حقوق کا کوئی تصور نہ تھا۔ بیٹی پیدا ہوتی تو اس کو زندہ درگور کر دیا جاتا۔ بچ جاتی تو مردوں کے رحم و کرم پر زندگی گزار دیتی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام برائیوں کو ضلالِ مبین سے تعبیر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہی کا یہ احسان تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ان کو ہدایت سے نوازا اور اسلام کی برکت سے چند سالوں میں وہ ﴿عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ یعنی بہترین مخلوق بن گئے۔ اس خیر البریہ میں سے جن کے ذہنوں میں جنگِ احد کے بارے میں یہ خیال آیا کہ ہمیں شکست کیوں ہوئی؟ حالانکہ ہم میں اللہ کے رسول موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت کا بھی وعدہ تھا۔ پھر ہمارے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟ تو اللہ تعالیٰ نے خود اس کا جواب دیا کہ اس کے دو پہلو تھے۔ ایک یہ کہ تم نے کفار مکہ کو جنگِ بدر میں دو گنا نقصان پہنچایا تھا۔ یعنی تم نے ان کے سر کو قتل کیا اور ستر ہی کو قیدی بنایا تھا۔ اگر تم چاہتے تو قیدیوں کو بھی قتل کر سکتے تھے۔ یوں ان کا شمار بھی مقتولوں ہی میں ہوتا تھا۔ جب کہ جنگِ احد میں شہید تو ستر مسلمان ہوئے ہیں لیکن اسیر (قیدی) کوئی نہیں ہوا۔ یوں آنے والے وقتوں میں جنگی نقصانات کو برداشت کرنے اور اللہ سے اس کا اجر پانے کی تربیت کا آغاز کر دیا گیا۔ ساتھ ہی یہ وضاحت بھی کر دی گئی کہ جو نقصان ہوا ہے اس کے ذمہ دار بھی تم خود ہو۔ نبی کریم ﷺ کی رائے تھی کہ مدینہ میں رہ کر مقابلہ کیا جائے لیکن تم نے اس کے برعکس میدان میں مقابلہ کرنے کو ترجیح دی۔

تفسیر ابن جریر کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا:

(( إِنَّا فِي جُنَّةٍ حَصِينَةٍ )) ..... ”بے شک ہم مضبوط قلعے میں ہیں۔“

آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ کو ڈھال کی صورت میں مضبوط قلعہ فرمایا۔ اگرچہ بعد میں تم نے اپنی رائے کو

نبی ﷺ کی رائے کے تابع کر دیا۔ لیکن حق یہ تھا کہ تمہیں پہلے ہی ان کی رائے سے اتفاق کر لینا چاہیے تھا۔ دوسرا پہلو اس سے بھی اہم یہ تھا کہ عین میدان جنگ میں ایک جماعت نے نبی ﷺ کے حکم کے مطابق عمل نہ کیا، جو درحقیقت اللہ کی نافرمانی تھی۔ کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے ہی نبوت و رسالت سے نوازا تھا۔

سورة النساء میں اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے۔

﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (۸۰)﴾

”جس نے رسول (ﷺ) کی اطاعت کی، اس نے بے شک اللہ کی اطاعت کی۔“

لہذا اس نافرمانی کا نتیجہ شکست کی صورت میں نکلا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی قانون ہے کہ:

﴿وَ أَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى (۲۹)﴾

”انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے کوشش کی۔“

آئندہ کے لیے خیر البریہ کو متنبہ کر دیا گیا کہ کسی بھی موقع پر کسی بھی بات اور حکم میں اللہ کے رسول ﷺ کی مخالفت اور نافرمانی نہیں ہونی چاہیے۔ جب خیر البریہ کی غلطی پر مواخذہ ہو گیا تو ہمارا معاملہ کیا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

### حل لغات:

﴿اَقَمْنِ اتَّبِعْ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخِطٍ مِّنَ اللَّهِ﴾ میں ء ہمزہ استفہامیہ۔ مِّن موصولہ۔ اتَّبِعْ فعل ماضی۔ رِضْوَانَ اللَّهِ مرکب اضافی اس کا مفعول۔ رِضْوَانٌ: رَضِيَ يَرْضِي (س) سے مصدر۔ كَمَنْ کا کاف تشبیہ کا۔ مِّن موصولہ۔ بَاءَ فعل ماضی۔ بِسَخِطٍ کی باء حرف جر۔ سَخِطُ: نَسَخَطُ يَسْخَطُ (س) سے مصدر مجرور۔ مِّن حرف جر۔ لفظ اللہ مجرور۔ جملے کا معنی ہے: کیا جس نے اللہ تعالیٰ کی کوشنودی کی اتباع کی، وہ اس کی طرح ہو سکتا ہے جو اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹا۔

﴿وَمَا وَهْ جَهَنَّمَ ط وَبِئْسَ الْمَصِيرُ﴾ میں بِئْسَ حرف ذم۔ مَا وَی سے مراد رہنے کی جگہ اور الْمَصِير سے مراد لوٹنے کی جگہ۔ مَا وَی کی ضمیر اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹنے والے کی طرف راجع ہے۔ جملے کا معنی ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور وہ لوٹنے کی بہت ہی بری جگہ ہے۔

﴿هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللَّهِ ط وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ﴾ میں هُمْ ضمیر مرفوع منفصل، اللہ کی خوشنودی کی اتباع کرنے والوں اور اللہ کے عذاب کے ساتھ لوٹنے والوں کی طرف راجع ہے۔ دَرَجَاتٌ سے مراد دَرَجَاتٍ (یعنی درجات والے) ہے۔ بَصِيرٌ صفت مشبہ۔ يَعْمَلُونَ فعل مضارع۔ جملے کا معنی ہے: وہ اللہ کے

پاس مختلف درجوں میں ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔

﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ﴾ میں تحقیق کے قد پر لام تاکید کا۔ مَنَّ فعل ماضی۔ لفظ اللہ اس کا فاعل۔ عَلَى حرف جر۔ الْمُؤْمِنِينَ مجرور۔ إِذْ ظرفیہ۔ بَعَث فعل ماضی، واحد مذکر غائب۔ فِی حرف جر۔ هُمْ ضمیر (مجرور متصل) الْمُؤْمِنِينَ کی طرف راجع۔ رَسُولًا مفعول۔ مِّنْ حرف جر۔ أَنفُسِهِمْ مجرور۔ جملے کا معنی ہے: بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر (بہت بڑا) احسان فرمایا: جب ان میں ایک رسول انہی میں سے مبعوث فرمایا۔

﴿يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ میں يَتْلُوا، يُزَكِّي، اور يُعَلِّمُ فعل مضارع سے واحد مذکر غائب کے صیغے ہیں۔ هُمْ ضمیریں مومنوں کی طرف راجع۔ آيَاتِهِ، الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ مفعول۔ جملے کا معنی ہے: وہ (یعنی رسول اللہ ﷺ) ان پر اللہ کی آیات پڑھتے ہیں اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں اور ان کی کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

﴿وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ میں واو حالیہ۔ اِنْ محققہ (جو اصل میں اِنْ [بے شک] تھا۔) کَانُوا فعل ناقص۔ مِّنْ حرف جر۔ قَبْلُ ظرف جہی برضہ۔ یہ اصل میں مِّنْ قَبْلُ هَذَا الزَّمَانِ تھا۔ هَذَا الزَّمَانِ کو حذف کر کے قَبْلُ کے آخر میں پیش دے دی گئی ہے۔ فِی حرف جر پر لام تاکید کا۔ ضَلَالٍ مُّبِينٍ مرکب توصیفی مجرور۔ جملے کا معنی ہے: حالاں کہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

﴿أَوْ لَمَّا أَصَابَتْكُم مُّصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُم مِّثْلَيْهَا﴾ میں اُ ہمزہ استفہامیہ۔ واو عاطفہ۔ لَمَّا ظرف بمعنی جَئِن (جب) أَصَابَتْ فعل ماضی صیغہ واحد مونث غائب۔ کُمْ ضمیر (منصوب متصل) مخاطب کی مفعول۔ مُصِيبَةٌ فاعل۔ قَدْ تحقیق کا۔ أَصَبْتُم فعل ماضی، صیغہ جمع مذکر حاضر۔ مِثْلَيْهَا اس کا مفعول۔ أَصَابَتْ اور أَصَبْتُم دونوں صیغے أَصَابَ يُصِيبُ إِصَابَةً (باب افعال) سے ہیں۔ جملے کا معنی ہے: کیا (بات ہے کہ) جب تم کو پہنچی تکلیف حالاں کہ تم (انہیں) اس کی مثل دو گنا پہنچا چکے تھے۔

﴿قُلْتُمْ أَنَّى هَذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنفُسِكُمْ﴾ میں قُلْتُمْ فعل ماضی جمع مذکر حاضر۔ أَنَّى ظرف استفہامیہ۔ هَذَا اسم اشارہ۔ قُلْ فعل امر۔ هُوَ ضمیر مرفوع منفصل۔ مِّنْ حرف جر۔ عِنْدِ ظرف مجرور۔ أَنفُسِكُمْ مضاف الیہ۔ جملے کا معنی ہے: تم نے کہا یہ کیسے ہوا؟ (انہیں) کہہ دو کہ یہ تمہاری اپنی طرف سے ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ میں اِنْ حرف مشبہ بالفعل۔ لفظ اللہ اس کا اسم۔ عَلَى کُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

۳۶

اور جو بھی تکلیف تمہیں اُس دن پہنچی جس دن دو جماعتیں آپس میں ٹکرائیں تو وہ اللہ کے حکم سے تھی اور تاکہ وہ مومنوں کو جانچ لے۔

اور تاکہ ان کو بھی معلوم کر لے جنہوں نے منافقت کا مظاہرہ کیا۔ اور ان سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں قتال کرو یا دفاع کرو۔ تو انہوں نے کہا اگر ہم قتال (کرنا) جانتے تو تمہاری ضرورت اتباع کرتے۔ وہ اس دن ایمان سے زیادہ کفر کے نزدیک تھے۔ اپنے منہ سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں۔

(یہ وہ لوگ ہیں) جنہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا اس حال میں کہ خود بیٹھے رہے کہ اگر وہ ہماری مانتے تو قتل نہ کیے جاتے۔ (اُن سے) کہہ دیں کہ موت کو اپنے نفسوں سے دور کرو اگر تم سچے ہو۔

وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَيَاذَنَ  
اللَّهُ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٦٦﴾

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا  
فَاتَّبِعُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ اذْهَبُوا ۖ قَالُوا لَوْ  
نَعْلَمُ قِتَالًا لَا اتَّبَعْنَاكُمْ ۚ هُمْ لِلْكَفَرِ  
يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۚ يَقُولُونَ  
بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۚ وَاللَّهُ  
أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿١٦٧﴾

الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَ قَعَدُوا لَوْ  
أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا ۖ قُلْ فَادْرَءُوا عَنْ  
أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٦٨﴾

### تشریح:

جنگ اُحد کے حوالے ہی سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو پہنچنے والی تکلیف اور ان کو ہونے والی شکست کے بارے میں مزید واضح کیا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مرضی سے ہوا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ مومنوں کے ایمان اور منافقوں کے نفاق کے درمیان فرق کرنا چاہتا تھا۔ اس وقت مدینہ میں عبد اللہ بن ابی ابن سلول اور اس کے ساتھی ظاہری طور پر مسلمان ہونے کے دعوے دار تھے لیکن ان کے دلوں میں اسلام کی کوئی محبت نہ تھی۔ وہ ان لوگوں سے ساز باز کرتے رہتے تھے جو اسلام کو مٹانے کے درپے تھے۔ اسلام قبول کرنا ان کی مجبوری تھی۔ کیونکہ مدینہ طیبہ میں رہتے ہوئے کھلے طور پر اسلام کی مخالفت کرنا ان کے لیے مشکل ہو گیا تھا۔



سیرت ابن ہشام (۵۸۴/۲-۵۸۵) کی روایت ہے کہ عبد اللہ بن ابی کو اس کی قوم نے بادشاہ بنانے کا پروگرام بنالیا تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مدینہ پہنچا دیا اور اس کی قوم نے اسلام قبول کرتے ہوئے اس سے منہ پھیر لیا تو اس کے دل میں اسلام کے خلاف عداوت پیدا ہو گئی اور اس کا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بادشاہت چھینی ہے۔ اس کے باوجود جب اس نے دیکھا کہ اس کی قوم کو سوائے اسلام کے اور کچھ قبول نہیں تو وہ بھی دل میں اسلام کے لیے کینہ و عداوت چھپائے مجبوراً مسلمان ہو گیا۔

سیرت ابن ہشام (۵۸۶/۲-۵۸۷) میں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی ایک بیماری میں ان کی عیادت کے لیے گدھے پر سوار ہو کر نکلے جس کے پالان کے اوپر فدک کی بنی ہوئی چادر پڑی ہوئی تھی اور کھجور کی چھال کی رسی اس کی لگام تھی۔ آپ نے مجھے اپنے پیچھے بٹھالیا۔ آپ کا گزر عبد اللہ بن ابی کے پاس سے ہوا جو مزاحم نامی اپنے قلعے کے سائے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ارد گرد اس کی قوم کے لوگ بھی موجود تھے۔ آپ ﷺ نے جب اس کو دیکھا تو ایسے ہی اس کے پاس سے گزر جانا آپ کو مناسب نہ لگا۔ لہذا آپ سواری سے اترے اور اس کو سلام کیا اور تھوڑی دیر کے لیے آپ اس کے پاس بیٹھے اور قرآن کی تلاوت فرمائی اور اس کو اللہ عزوجل کی طرف دعوت دی۔ اس کو اللہ کے نام سے نصیحت اور پرہیزگاری کی تلقین بھی کی۔ اس کو خوش خبری دی اور خوف دلایا اور وہ خاموشی سے سنتا رہا۔ جب آپ نے اپنی بات ختم کی تو اس نے کہا اے شخص! تیری ان باتوں سے اچھی بات کوئی نہیں۔ اگر یہ سچی ہیں تو تم اپنے گھر میں بیٹھے رہو اور جو تمہارے پاس آئے اُسے سناؤ۔ جو پاس نہ آئے اس کو سنا کر تکلیف نہ دو اور اس کی مجلس میں ان کو بیان نہ کرو جو ان کو پسند نہ کرتا ہو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑا متکبر اور مغرور انسان تھا۔

حضرت عبد اللہ بن رواحہ اور جو مسلمان اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے عرض کیا کیوں نہیں، آپ ہمیں ضرور یہ باتیں سنائیں اور ہماری مجالس، احاطوں اور گھروں میں تشریف لائیں۔ اللہ کی قسم! یہ وہ باتیں ہیں جن کو ہم پسند کرتے ہیں اور انہی کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت سے نوازا اور ان کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی۔ عبد اللہ بن ابی نے جب اپنی قوم کی یوں واضح مخالفت دیکھی تو اس نے کہا۔

مَنْ مَّا يَكُنْ مَوْلَاكَ خَضْمُكَ لَا تَزَلْ  
تَذِلُّ وَ يَضْرَعُكَ الَّذِينَ تَصَارِعُ

”جب تیرا دوست ہی تیرا مخالف ہو جائے تو ہمیشہ تم ہی ذلیل رہو گے اور جن کو تم بچھاڑا کرتے تھے وہ تمہیں بچھاڑ دیں گے۔“

و هَلْ يَنْهَضُ الْبَازِي بِغَيْرِ جُنَاحِهِ  
وَ إِنْ جُدَّ يَوْمًا رَيْشُهُ فَهَوُاْ وَاقِعُ

”اور کیا باز اپنے بازوؤں کے بغیر بلند ہو سکتا ہے اور اگر کسی دن اس کے پر کاٹ دیے جائیں تو وہ گر جائے گا۔“

رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور اللہ کے دشمن ابن ابی نے جو کہا تھا اس کے اثرات آپ کے چہرہ مبارک پر نمایاں تھے جنہیں دیکھ کر سعد نے عرض کیا۔ اللہ کے رسول! آپ کے چہرہ مبارک پر ناراضی کا اثر دیکھ رہا ہوں۔ شاید آپ نے وہ سنا ہے کہ جو آپ کو پسند نہیں۔ آپ نے فرمایا: ایسی ہی بات ہے۔ پھر آپ نے اُن کو وہ بتایا جو عبد اللہ بن ابی نے کہا تھا۔ سعد نے عرض کیا۔ اللہ کے رسول! آپ اس پر نرمی کریں اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو ہمارے پاس لے آیا، حالانکہ ہم نے اس کے لیے منکوں کی مالا تیار کر لی تھی تاکہ اس کو تاج پہنائیں۔ اس لیے قسم ہے اللہ کی! وہ سمجھتا ہے کہ آپ نے اس کی بادشاہت چھین لی ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جنگ اُحد کے موقع پر ایسے حالات پیدا کر دیے جن کی بنا پر مومنوں اور منافقوں کی پرکھ ہو گئی۔ مومنوں کا نقصان تو ہوا لیکن منافقوں کے بارے میں ان کو آگاہی ہو گئی۔ مسلمانوں اور اہل مدینہ کے درمیان ہجرت کے بعد جو معاہدہ ہوا تھا، اس کے مطابق عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں پر واجب تھا کہ وہ مسلمانوں کا ساتھ دیں۔ لیکن منافقین نے انتہائی آزمائش کی گھڑی میں کنارہ کشی اختیار کی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اس کو سمجھانے کی بڑی کوشش کی کہ تمہارا اس طرح الگ ہونا کسی طور پر مناسب نہیں۔ لیکن وہ نہ مانا اور اپنی منافقت پر ڈٹا رہا۔ عبد اللہ نے کہا: اللہ کے دشمنو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ عنقریب اپنے رسول ﷺ کو تم سے مستغنی کر دے گا۔

الگ ہونے والے منافقوں سے جب کہا گیا کہ اللہ کی راہ میں قتال کرو اور اگر قتال کرنا نہیں چاہتے تو دفاع ہی کرو۔ یعنی عملی طور پر قتال میں حصہ لینے والوں کے پیچھے کھڑے ہو جاؤ۔ تاکہ دشمن کو معلوم ہو کہ ہماری تعداد کم نہیں ہوئی اور دفاع کرنے والے ساتھی ان میں موجود ہیں، تو منافقوں نے کھلے طور پر جھوٹ کہہ دیا کہ جنگی فنون سے ہم واقف نہیں۔ اگر لڑنے کے ماہر ہوتے تو تمہارا ساتھ ضرور دیتے۔ ظاہر ہے یہ بات ان کی درست نہ تھی۔ سراسر دھوکہ اور فریب تھا کیونکہ ماضی میں ہونے والی لڑائیوں میں وہ شریک ہوا کرتے تھے اور اگر وہ فنون حرب سے ناواقف تھے تو میدان جنگ تک کیوں آئے۔ دشمن کے قریب آ کر ساتھ چھوڑنا، ان کی زبردست چال تھی۔ ایک طرف دشمن کو بتانا چاہتے تھے کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ نہیں اور دوسری طرف مسلمانوں کو بد دل کر کے میدان چھوڑنے کی رغبت دینی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اسی چال کی بنا پر ان کے کفر کے نزدیک اور ایمان سے دور ہونے کا اعلان کر دیا اور رسول

اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ پر واضح فرمادیا کہ جو وہ کہہ رہے ہیں وہ ان کے دلوں میں نہیں۔

ظاہر ہے کہ بات ہر انسان کے منہ سے نکلتی ہے اور سننے والا سنتا ہے لیکن یہاں بِأَفْوَاهِهِمْ تَاكِيداً لایا گیا ہے حالانکہ يَقُولُونَ ہی سے بات پوری ہو جاتی ہے۔ کیونکہ لفظ قول منہ سے کہی گئی بات پر ہی دلالت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی منافقت کو عیاں کرتے ہوئے یہ بھی فرمادیا کہ منافق جو کچھ چھپا رہے ہیں وہ اس کے بارے میں خوب جاننے والا ہے۔

جنگ اُحد میں ستر صحابہ جب شہید ہوئے تو منافقوں میں جو ان کے رشتہ دار عزیز تھے، انھوں نے کہہ دیا کہ اسلام میں داخل ہونے والے رشتہ داروں میں ان کے بھائی اگر ان کی بات مانتے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے نہ نکلتے اور ان کی طرح گھروں میں بیٹھے رہتے تو جنگ میں قتل نہ کئے جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی انتہائی بزدلی پر مبنی سوچ کا خود رد فرمایا کہ ہر شخص نے بالآخر مرنا ہی ہے۔ انسان اگر چہ اپنی ماں کے پیٹ سے جنم لیتا ہے لیکن دنیا میں ملنے والی زندگی کے ختم ہونے پر قبر میں چلا جاتا ہے اور ہندو عقیدے کے مطابق اس کا جسم اور اس کی ہڈیاں راکھ کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔

سورة العنکبوت میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ﴾ (۵۷)

”ہر نفس نے موت کا مزہ چکھنا ہے۔ پھر تم ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔“

یعنی موت ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کوئی بچ نہیں سکتا اور ایک دن اللہ کی تمام مخلوق نے اس کے سامنے حاضر ہو کر اپنے کئے کا صلہ پانا ہے۔

سورة الاحزاب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے اعلان کرایا:

﴿قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ اِذَا لَا تُمْتَتُونَ اِلَّا قَلِيلًا﴾ (۱۶)

”آپ کہہ دیں اگر تم موت یا قتل سے بھاگو، تو اس سے بھاگنا تمہیں ہرگز نفع نہیں دے گا۔ اگر ایسا کرو گے تو بس تھوڑا سا فائدہ دیے جاؤ گے۔“

یعنی زندگی میں ملنے والی مہلت میں جو فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، اتنا ہی فائدہ حاصل ہوگا۔ لیکن موت کا آنے والا وقت ٹل نہیں سکتا اور جب آجائے تو اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے منافقانہ روش اپنانے والوں کو چیلنج کیا کہ گھروں میں بیٹھ کر آنے والی موت کو تم روک سکتے ہو تو روکو۔ اگر تمہاری بات میں کوئی صداقت ہے تو اپنے آپ کو طبعی موت مرنے سے بچالو۔

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون کوئی بدل نہیں سکتا اور حیات و ممات کا ایسا سلسلہ اس نے قائم کر رکھا ہے جس نے

قیامت تک جاری ساری رہتا ہے۔ لہذا انسان کا بہترین مرنا دجینا وہی ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے حصول کے لیے ہو۔ اللہ تعالیٰ اس نکتے کو سمجھنے کی ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

### حل لغات:

﴿وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ النِّقْيِ الْجَمْعُ فَبِأَذْنِ اللَّهِ﴾ میں واو عاطفہ۔ ما اسم موصول بمعنی الذی شرط۔ أَصَاب فعل ماضی۔ کُم ضمیر مخاطب کی۔ یَوْم ظرف زمان۔ النِّقْي فعل ماضی واحد مذکر غائب۔ الْجَمْعَانِ تثنیہ اس کا فاعل۔ فَبِأَذْنِ اللَّهِ کی فَا جواب شرط۔ بِ حرف جر۔ أَذْنِ اللَّهِ مرکب اضافی مجرور۔ محققین کے نزدیک یہاں ہو محذوف ہے۔ یعنی جملہ اس طرح ہے: فَهُوَ بِأَذْنِ اللَّهِ۔ جملے کا معنی ہے اور تمہیں جو بھی تکلیف پہنچی اُس دن جب دو جماعتوں کا ٹکراؤ ہوا۔ پس وہ اللہ کے حکم سے تھا۔

﴿وَلْيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ وَلْيَعْلَمَ الذِّیْنَ نَافَقُوا میں پہلا واو بِأَذْنِ اللَّهِ پر عطف ہے اور یَعْلَمَ فعل مضارع واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ الذِّیْنَ موصولہ۔ اس کا صلہ نَافَقُوا فعل ماضی جمع مذکر غائب ہے۔ جملے کا معنی ہے: تاکہ وہ جان لے ان کو کہ جو مومن تھے اور جان لے ان کو جنہوں نے منافقت کو اپنایا۔

﴿وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ ادْفَعُوا﴾ میں واو عاطفہ۔ قِيلَ فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب۔ قِيلَ اصل میں قُولَ تھا۔ چونکہ کسرہ واو پر دشوار تھا۔ اس لیے ما قبل کی حرکت کو حذف کر کے اس کو منتقل کر دیا گیا۔ پھر کسرہ کی وجہ سے واو کو یا سے بدل دیا گیا۔ لَہُمْ کی ضمیر منافقوں کی طرف راجع ہے۔ تَعَالَوْا، قَاتِلُوا اور اِذْفَعُوا تینوں فعل امر کے صیغے ہیں۔ جملے کا معنی ہے: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کی راہ میں قتال کرو یا دفاع کرو۔

﴿قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قَاتَلْنَا لَا اتَّبَعْنَكُمْ﴾ میں قَالُوا فعل ماضی۔ لَوْ شرطیہ۔ نَعْلَمُ فعل مضارع۔ قَاتَلْنَا اس کا مفعول لاَتَّبَعْنَا فعل ماضی جمع حکم پر لام جواب شرط۔ کُم ضمیر مخاطب کی۔ جملے کا معنی ہے: منافقوں نے جواباً کہا اگر ہم قتال کرتا جانتے تو ضرور تمہاری اتباع کرتے۔

﴿هُمْ لِلْكَافِرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ﴾ میں یَوْمَئِذٍ اصل میں یَوْمَ اِذْ كَانَ كَذِبًا ہے۔ جو مرکب اضافی کی صورت میں یَوْمَئِذٍ ہو گیا ہے۔ أَقْرَبُ فعل تفضیل۔ جملے کا معنی ہے: اور وہ اس دن ایمان سے زیادہ کفر کے نزدیک تھے۔

﴿يَقُولُونَ بِأَفْوَهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ﴾ میں يَقُولُونَ فعل مضارع۔ بِأَفْوَهِهِمْ کی ب حرف جر۔ أَقْوَاهِ جمع فَم کی جو اصل میں قُوۃ ہے۔ ہم ضمیر منافقوں کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ما موصولہ۔ لَیْسَ فعل ناقص جو

مضمون جملہ کی نفی کے لیے لایا جاتا ہے۔ فی حرف جر۔ قُلُوْبِهِمْ مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اپنے منہ سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتی۔

﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ﴾ میں لفظ اللہ مبتدا مرفوع اَعْلَمُ فعل تفضیل۔ ب حرف جر۔ ماموصول۔ يَكْتُمُوْنَ فعل مضارع۔ جملے کا معنی ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں۔

﴿الَّذِيْنَ قَالُوْا لَا اُخُوْا نِيْهِمْ وَ قَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْا مَا قَتَلُوْا﴾ میں الَّذِيْنَ موصول۔ قَالُوْا فعل ماضی۔ لَا اُخُوْا نِيْهِمْ میں لام حرف جر۔ اُخُوْا ن، اَخ کی جمع۔ هُمْ ضمیر منافقوں کی طرف راجع۔ وَاَوْ حَالِيْہ قَعَدُوْا فعل ماضی۔ لَوْ شرطیہ۔ اَطَاعُوْا فعل ماضی، ناصمیر منصوب متصل (مفعول)۔ مَا نَافِيْہ۔ قَتَلُوْا فعل ماضی مجہول جمع مذکر غائب۔ جملے کا معنی ہے: وہ لوگ جنہوں نے اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا اس حال میں کہ خود بیٹھے رہے (یعنی قتال میں شریک نہ ہوئے) کہ اگر وہ ہماری اطاعت کرتے تو قتل نہ کئے جاتے۔ (یہاں دینی اخوت مراد نہیں۔)

﴿قُلْ فَاذْرُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ میں قُل فعل امر حاضر واحد مذکر اور فَاذْرُوْا وَاِجْمَعِ مذکر ہے۔ عَنْ حرف جر اَنْفُسِكُمُ مجرور۔ الْمَوْتَ فَاذْرُوْا کا مفعول۔ اِنْ شرطیہ۔ كُنْتُمْ فعل ناقص۔ صٰدِقِيْنَ صَادِق کی جمع۔ جملے کا معنی ہے: آپ کہہ دیں اپنے آپ سے موت کو دور کرو اگر تم سچے ہو۔

۳۷

”اور تم ان کو مردہ قطعاً گمان نہ کرو جو اللہ کی راہ میں شہید کئے گئے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق دیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں جو کچھ عطا فرمایا ہے، اس پر وہ بہت خوش ہیں اور جو لوگ ابھی ان کے پیچھے سے انہیں نہیں ملے، ان کے بارے میں بھی خوشیاں منا رہے ہیں کہ ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔“

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی نعمت و فضیلت پر بھی خوش ہو رہے ہیں اور (اس پر بھی کہ) بے شک اللہ تعالیٰ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قَتَلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًاۙ بَلْ اَحْيَاۤءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾  
فَرِحْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَاَلَّا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةِ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضَيِّعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

## تفسیر:

جنگ اُحد میں شہادت سے سرفراز ہونے والوں کے بارے میں اہل نفاق نے جو کچھ کہا، اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اس کا کافی ثانی جواب دیا بلکہ شہداء کو ملنے والی نعمتوں کا ذکر کر کے ان کی فضیلت کو اجاگر کر دیا۔

صحیح مسلم (باب فی بیان ان ارواح الشهداء فی الجنة، ۱۳۵/۲) میں سرورق سے مروی ہے، ہم نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ﴾ والی آیت کے بارے میں جب سوال کیا کہ اس کا کیا مطلب ہے، تو انھوں نے کہا: ان آیات کے بارے میں ہم نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”شہداء کی ارواح کو سبز پرندوں کے پوٹوں میں رکھ دیا جاتا ہے اور عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی قدیلوں میں ان کا ٹھکانا بن جاتا ہے۔ جنت میں جہاں وہ چاہتے ہیں جاتے ہیں اور پھر ان قدیلوں میں آرام کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ ان کا رب ان کو دیکھ کر فرماتا ہے:

(( هَلْ تَسْتَهْوُونَ شَيْئًا ؟ ))..... ”کیا تمہیں کسی شے کی خواہش ہے؟“

شہداء بارگاہ الہ میں عرض کرتے ہیں:

(( أَيَّ شَيْءٍ نَسْتَهْوِي وَنَحْنُ نَسْرَحُ مِنَ الْحَنَةِ حَيْثُ شِئْنَا ))

”ہمیں اور کس چیز کی چاہت ہو سکتی ہے جب کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں آتے جاتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ تین مرتبہ ان سے یہی سوال کرتا ہے اور وہ سمجھ جاتے ہیں کہ ان کو کوئی نہ کوئی جواب دینا ہی ہوگا تو وہ عرض کرتے ہیں:

(( يَا رَبِّ! نُرِيدُ أَنْ تَرُدَّ أَرْوَاحَنَا فِي أَجْسَادِنَا حَتَّى نَقْتَلَ فِي سَبِيلِكَ مَرَّةً أُخْرَى ))

”اے ہمارے رب! ہم چاہتے ہیں کہ تو ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں پھر لوٹا دے تاکہ ہم تیری راہ میں ایک مرتبہ اور شہید کئے جائیں۔“

اللہ تعالیٰ جب دیکھ لیتا ہے کہ ان کو شہادت کے علاوہ اور کسی چیز کی چاہت نہیں تو ان کے حال پر ان کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ صحیح مسلم ہی کے باب فضل الشہادة (۱۳۴/۲) میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو کوئی مرنے کے بعد جنت میں داخل ہو جاتا ہے، وہ پسند نہیں کرتا کہ زمین پر جو کچھ ہے اس کو دے دیا جائے اور وہ دنیا میں واپس لوٹ آئے سوائے شہید کے۔ وہی تمنا کرتا ہے کہ اس کو دنیا میں لوٹایا جائے

اور وہ دس مرتبہ شہید کیا جائے۔ کیونکہ شہید کو ملنے والی عزت کو وہ دیکھ لیتا ہے۔“

صحیح بخاری، باب تمنی الشهادة (ص: ۳۹۲) کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(( وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوِدِدْتُ أَنِّي أَقْتُلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ أَحْيَى ثُمَّ أَقْتُلُ ثُمَّ أَحْيَى ثُمَّ أَقْتُلُ ))

”قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضے میں میری جان ہے میں ضرور یہ پسند کرتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں

شہید کیا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں“

صحیح مسلم (۱۳۳/۲) کی روایت کے الفاظ ہیں:

(( لَوِدِدْتُ أَنِّي أَغْزَوُا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَأَقْتُلُ ثُمَّ أَغْزَوُا فَأَقْتُلُ ثُمَّ أَغْزَوُا فَأَقْتُلُ ))

”میں پسند کرتا ہوں کہ میں اللہ کی راہ میں جہاد کروں، پھر شہید کیا جاؤں، پھر جہاد کروں پھر شہید کیا

جاؤں پھر جہاد کروں پھر شہید کیا جاؤں۔“

یعنی تین مرتبہ شہادت کی چاہت کا آپ نے اظہار فرمایا۔

سنن ابی داؤد (باب فضل الشهادة، ص: ۳۴۱) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب تمہارے بھائیوں کو اُحد میں شہید کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو سبز پرندوں کی پوٹوں میں

رکھ دیا جو جنت کی نہروں پر وارد ہوتے ہیں اور ان کے آس پاس کا پھل کھاتے ہیں۔ پھر اللہ کے عرش

کے سائے میں معلق سونے کی قدیلوں میں آرام کرتے ہیں۔ جب انھوں نے اپنے کھانے، پینے اور

ٹھہرنے کی جگہ کی خوشبو پائی تو انھوں نے کہا:

(( مَنْ يُبَلِّغُ إِخْوَانَنَا أَنَا أَحْيَاءُ فِي الْحَنَةِ بُرْزُقُ لِقَلَّا يَزْهَدُوا فِي الْجِهَادِ وَلَا يَنْكَلُوا عِنْدَ

الْحَرْبِ؟ فَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى: أَنَا أَبْلِغُهُمْ عَنْكُمْ ))

”ہمارے بھائیوں کو ہماری طرف سے کون خبر پہنچائے گا کہ جنت میں ہم زندہ ہیں اور رزق دیے جاتے

ہیں تاکہ جہاد میں وہ بے رغبتی نہ کریں اور جنگ کے موقع پر بزدلی کا مظاہرہ نہ کریں؟ تو اللہ تعالیٰ نے

فرمایا کہ میں پہنچاؤں گا“

اللہ تعالیٰ نے ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ﴾ والی آیت نازل فرمادی۔

سنن ابن ماجہ (فضل الشهادة، ص: ۲۰۱، جامع الترمذی ابواب التفسیر، مسند احمد

ج: ۳، ص: ۳۶۱) میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ان کے والد عبد اللہ بن حرام اُحد میں شہید ہوئے تو



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

کیا بات ہے کہ میں تجھے مغموم و فکر مند دیکھ رہا ہوں؟ میں نے عرض کیا اللہ کے رسول! باپ شہید ہو گئے اور اپنے پیچھے اپنا عیال اور قرض چھوڑ گئے۔ آپ نے فرمایا: کیا میں تجھے خوش کرنے والی خبر نہ دوں کہ تیرے باپ کی اللہ تعالیٰ سے کیسے ملاقات ہوئی اور تیرے باپ سے اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا؟ میں نے عرض کیا جی ضرور ارشاد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی سے بات کی تو پردے کے پیچھے سے کی۔ لیکن جب تیرے باپ کو زندہ کیا تو بغیر پردے کے گفتگو فرمائی۔ تیرے باپ سے کہا:

(( يَا عَبْدِي! تَمَنَّ عَلَيَّ اَعْطَيْكَ ))

”اے میرے بندے! مجھ سے کسی چیز کی تمنا کر میں تجھے وہ دے دوں گا۔“

تیرے باپ نے کہا:

(( تُحْسِنِيْ فَاُقْتُلْ فِيْكَ ثَانِيَةً ))

”مجھے زندہ کر دے تاکہ تیرے لیے دوبارہ شہید کیا جاؤں۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(( اِنَّهُ سَبَقَ مِنِّيْ اَنْهُمْ اِلَيْهَا لَا يَرْجِعُوْنَ ))

مسند احمد کے الفاظ ہیں:

(( اِنِّيْ قَضَيْتُ الْحُكْمَ اَنْهُمْ اِلَيْهَا لَا يَرْجِعُوْنَ ))

”میں نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ مرنے والے پھر دنیا کی طرف واپس نہیں جائیں گے یا ان کو دنیا کی طرف

واپس لوٹایا نہیں جائے گا۔“

تیرے باپ نے عرض کیا:

(( يَا رَبِّ فَاَبْلِغْ مِنْ وَّرَائِيْ ))

”اے میرے رب! میرے پیچھے جو لوگ ہیں ان تک پہنچا دے کہ میں کس حال میں ہوں۔“

تو اللہ تعالیٰ عز و جل نے ﴿ وَلَا تُحْسِنَنَّ ﴾ والی آیت نازل فرمادی۔

صحیح بخاری کتاب الجنائز، ص: ۱۶۷۔ کتاب الجہاد، ص: ۳۹۵ اور غزوہ احد، ص: ۵۸۴)

میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہی روایت ہے کہ میرے باپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس حال میں لایا گیا کہ اُن کا مثلہ کر دیا گیا تھا۔ میں نے روتے ہوئے ان کے منہ پر پڑے ہوئے کپڑے کو جب ہٹانا چاہا تو صحابہ

نے مجھے روک دیا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: نہ رو، یا کیوں رو رہا ہے؟ جب تک ان کو اٹھایا نہیں گیا تب تک فرشتے ان پر سایہ کئے ہوئے تھے۔ یہ بھی مروی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی پھوپھی فاطمہ سے بھی آپ نے یہی ارشاد فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے اہل نفاق اور اہل اسلام پر واضح کر دیا کہ جو اپنی جانوں کو اس کی راہ میں قربان کرتے ہیں، اگرچہ اس دنیا سے ان کا تعلق ختم ہو جاتا ہے لیکن اپنے رب کے پاس ان کی ایسی زندگی ہے جس میں ان کو ایسا رزق دیا جاتا ہے جس پر نہ صرف وہ اپنے بارے میں خوش ہوتے ہیں بلکہ ان کی طرح ان کے جو دینی بھائی شہادت پا کر ان سے ملیں گے تو ان کے بارے میں بھی خوشیاں مناتے ہیں کہ ان پر نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمزدہ ہی ہوں گے۔ درحقیقت ان کی خوشی کے اظہار کی صورت میں اہل اسلام کے لیے پیغام ہے کہ اللہ کی دی ہوئی زندگی کو جب اس کے دین کے لیے وقف کر دو گے اور جان دینے کا وقت آئے تو خوشی سے قربان کر دو گے، تو ہر قسم کے غم و حزن سے بے نیاز و بے فکر ہو کر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مال مال ہو جاؤ گے۔

یہاں یہ خیال بھی رہے کہ شہداء کی حیات اور ان کو ملنے والے رزق کا اس دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ شہادت پانے والا جب اپنے رب کے پاس پہنچ جاتا ہے تو وہ تمنا کرتا ہے کہ اس کی روح کو اس کے جسدِ خاکی میں لوٹایا جائے اور پھر سے اس کو دنیا میں بھیجا جائے۔ لیکن اس کی تمنا پوری نہیں ہوتی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اس پر واضح کر دیتا ہے کہ میرا قانون ہے کہ جو مر کر یا شہادت پا کر میرے پاس آ جاتا ہے تو وہ دنیا میں دوبارہ نہیں جاسکتا ہے۔ لہذا اگر کوئی سمجھتا ہے کہ مرنے والوں کی روحوں کا اس دنیا میں آنا جانا رہتا ہے تو وہ سراسر شیطان کے بہکائے میں ہے۔

جس طرح ماں کے پیٹ سے جنم لینے والا بچہ ماں کے پیٹ میں نہیں جاسکتا۔ اسی طرح عالم برزخ میں منتقل ہونے والا انسان واپس اس دنیا میں نہیں آ سکتا۔ کیونکہ مرنے والا اگر نیک انسان ہو تو اس کی روح کو مقامِ عِلِّیِّن میں رکھا جاتا ہے اور اگر برا انسان ہو تو اس کا ٹھکانا مِجِیْن بنا دیا جاتا ہے جہاں ان کو قیامت تک رہنا ہوتا ہے۔ پھر قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کی جزا و سزا کا حتمی فیصلہ صادر فرمائے گا۔

شہدا کو ملنے والی فضیلت کو اجاگر اس لیے کر دیا گیا ہے تاکہ اہل اسلام دین کی سر بلندی کو فرض سمجھتے ہوئے اس کی ادائیگی میں کوشاں رہیں اور اس فریضہ کی ادائیگی میں اگر ان کی جان بھی جاتی ہے تو ان کے رب کے ہاں ان کو ایسی نعمتیں دی جائیں گی جن پر وہ سدا خوش رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی قانون ہے کہ مومنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ مومن اگرچہ شہادت پانے والا ہو یا طبعی موت مرنے والا ہو۔

سنن أبی داؤد (کتاب السنۃ، باب فی المسأله فی القبر و عذاب القبر، ص: ۶۵۴) میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت کا حصہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”قبر میں مومن سے سوال کیا جاتا ہے: تیرا رب کون؟ تیرا دین کونسا اور جو تم میں مبعوث ہوئے ان کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ تو وہ جواب دیتا ہے میرا رب اللہ ہے۔ میرا دین اسلام ہے اور جو ہم میں مبعوث ہوئے وہ اللہ کے رسول ہیں۔ فرشتے پوچھتے ہیں کہ تم کو اس کا علم کیسے ہوا؟ وہ کہتا ہے میں نے اللہ کی کتاب پڑھی، اس پر ایمان لایا اور اس کی تصدیق کی۔“

ابن جریر کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا:

”یہی قول ثابت ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ مومنوں کو دنیا کی زندگی اور آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے۔ مومن کے صحیح جواب دینے پر آسمان سے منادی ہوتی ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا۔ پس اس کے لیے جنتی پچھونا بچھاؤ۔ اس کو جنتی لباس پہناؤ اور جنت کی طرف اس کے لیے ایک دروازہ کھول دو۔ چنانچہ اس کو جنتی خوشبو اور ہوا آنی شروع ہو جاتی ہے۔“

یہ بھی مروی ہے کہ جہاں تک اس کی نظر جاتی ہے وہاں تک اسے جنت دکھائی دیتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ طبعی موت مرنے والے مومن کو بھی نعمتوں سے نواز دیا جاتا ہے۔

امام قرطبی نے اس سلسلے میں بہت خوبصورت شعر نقل کیا ہے:

مَوْتُ التَّقِيّ حَيَاةٌ لَا فَنَاءَ لَهَا

قَدْ مَاتَ قَوْمٌ وَ هُمْ فِي النَّاسِ أَحْيَاءُ

”متقی کی موت حیات ہوتی ہے جو فنا نہیں ہوتی جب کہ ایک قوم مرجاتی ہے حالانکہ لوگوں میں زندہ ہوتی ہے۔“

یعنی پرہیزگار صاحب تقویٰ مرنے کے بعد ایسی زندگی پاتا ہے جو ہمیشہ کی ہوتی ہے اور جن لوگوں میں خدا خونی نہیں ہوتی اور وہ برائی میں غرق ہوتے ہیں، اگرچہ لوگوں میں زندہ ہوتے ہیں۔ لیکن اخلاقی اور دینی طور پر وہ مردہ ہی ہوتے ہیں۔

شہداء کو مردہ کہنے یا ان کو مردہ گمان کرنے سے منع کیا جانا بھی ان کی فضیلت کی ایک صورت ہے۔ شہداء اور نیک لوگوں کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد ان کو یاد کیا جانا ”مرتے ہیں مگر فنا ہوتے نہیں“ کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر شیطانی بہکاوے سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے اور شوق شہادت سے نوازے۔

## حل لغات:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا﴾ میں واو عاطفہ۔ لَا تَحْسَبَنَّ فعل نہی مؤکد بانون ثقیلہ، صیغہ واحد مذکر حاضر۔ الَّذِينَ اسم موصول۔ قُتِلُوا فعل ماضی مجہول۔ فی حرف جر۔ سَبِيلِ اللہ مرکب اضافی مجرور۔ جار مجرور مل کر قُتِلُوا کے متعلق ہو کر الَّذِينَ کا صلہ۔ اَمْوَاتًا مفعول تَحْسَبَنَّ کا۔ جملے کا معنی ہے: تم ہرگز ان کو مردہ گمان نہ کرو جو اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے۔

﴿بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾ میں بَلْ حرف اضراب جو پہلی چیز سے اعراض اور دوسری چیز کے اثبات کے لیے لایا جاتا ہے۔ أَحْيَاءٌ۔ حَیّ کی جمع۔ عِنْدَ ظرف مضاف اور رَبِّهِمْ مضاف الیہ۔ يُرْزَقُونَ فعل مضارع مجہول جمع مذکر غائب۔ جملے کا معنی ہے: بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق دیے جاتے ہیں۔

﴿فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ میں فَرِحِينَ فَوْح (اسم صفت) کی جمع ہے جو حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔ بِمَا کی باء حرف جر سیئت کی اور مَا موصولہ۔ اَتَاهُمُ کی ہُم ضمیر الَّذِينَ قُتِلُوا کی طرف راجع۔ اِنّی فعل ماضی۔ لفظ اللہ اس کا فاعل۔ مِنْ حرف جر۔ فَضْلِهِ مجرور۔ جملے کا معنی ہے: وہ اس کے سبب بہت ہی خوش ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے۔

﴿وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ﴾ میں واو عاطفہ۔ يَسْتَبْشِرُونَ (باب استفعال سے) فعل مضارع جمع مذکر غائب۔ باء حرف جر۔ الَّذِينَ موصولہ۔ لَمْ تَنیٰ محمد۔ يَلْحَقُوا فعل مضارع کی نون لَمْ کی وجہ سے گری ہوئی ہے۔ بِهِمْ کی باء اور مِنْ دونوں حرف جر خَلْفِهِمْ مجرور۔ جملے کا معنی ہے: اور وہ ان لوگوں کے بارے میں خوش ہو رہے ہیں جو ان کے پیچھے سے ابھی ان سے نہیں ملے (یعنی ان کی طرح ابھی شہید نہیں ہوئے لیکن شہادت پانے میں کوشاں ہیں)۔

﴿أَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ میں اَلَا اصل میں اَنَّ لَا تھا، يَحْزَنُونَ فعل مضارع۔ جملے کا معنی ہے: یہ کہ ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔

﴿يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ وَافْضَلِ﴾ میں يَسْتَبْشِرُونَ فعل مضارع۔ بِنِعْمَةِ کی ب اور مِنْ دونوں حرف جر۔ جملے کا معنی ہے: وہ اللہ کی طرف سے ملنے والی نعمت و فضیلت پر بھی بہت خوش ہو رہے ہیں۔

﴿وَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ میں واو عاطفہ۔ اَنَّ حرف مشبہ بالفعل۔ لفظ اللہ اس کا اسم اور اس کے بعد کا جملہ فعلیہ خبریہ اس کی خبر۔ جس میں لَا نافیہ۔ يُضِيعُ فعل مضارع۔ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ مرکب اضافی (مفعول) جملے کا معنی ہے: اور بے شک اللہ تعالیٰ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

جن لوگوں نے اللہ اور رسول (ﷺ) کے حکم کو تسلیم کیا، اس کے بعد کہ ان کو زخم لگ چکے تھے۔ ان میں سے جنھوں نے نیکی کی اور پرہیز گاری کو اپنایا، ان کے لیے اجر عظیم ہوگا۔

وہ کہ جن سے لوگوں نے کہا کہ تمہارے مقابلے کے لیے کفار نے لشکر جمع کر لیے ہیں، پس تم ان سے ڈر جاؤ۔ تو ان کے اس قول نے انھیں ایمان میں اور بڑھا دیا اور انھوں نے کہا، ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

پس وہ اللہ کی نعت و فضل کے ساتھ لوٹے اور ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچی اور انھوں نے اللہ کی رضا مندی کی پیروی کی۔ اور اللہ تعالیٰ فضل عظیم والا ہے۔

بے شک یہ شیطان ہے جو تمہیں اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے پس تم ان سے نہ ڈرو، بلکہ مجھ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو۔

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِينَ احْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا اَجْرَ عَظِيمٍ ﴿١٧٣﴾

الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَ قَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿١٧٣﴾

فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةِ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلِ لَّمْ يُمْسِسْهُمْ سُوءٌ ۚ وَ اتَّبَعُوا رِضْوَانِ اللّٰهِ ۖ وَ اللّٰهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿١٧٤﴾

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهُ ۚ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَ خَافُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْمِنِيْنَ ﴿١٧٥﴾

### تشریح:

ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے خود ہی ان اہل ایمان کی تعریف و توصیف فرمائی ہے جنھوں نے جنگِ احد کے فوراً بعد کفار مکہ کا پیچھا کرنے میں اللہ کے رسول (ﷺ) کے حکم کی تعمیل کی۔ حالانکہ میدانِ جنگ میں ستر صحابہ شہید ہوئے اور سید الانبیاء (ﷺ) خود زخمی ہوئے۔ آپ کی طرح کئی صحابہ کو گہرے زخم لگے۔ لیکن جیسے ہی دشمن کے مقابلے میں ٹکٹے کا اعلان ہوا تو صحابہ نے اپنے اہل ایمان ہونے کا عملی ثبوت مہیا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جذبہ کو احسان اور تقویٰ سے تعبیر فرمایا۔ ساتھ ہی ان کے لیے اجر عظیم کا اعلان کر دیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب پانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، اس

کے بھیجے ہوئے رسول ﷺ کی ہدایت کے مطابق عمل کیا جائے۔

غور کیا جائے تو واضح ہوگا کہ کفار اور اہل ایمان کے درمیان یہی فرق ہے۔ اہل ایمان کی پہچان یہ ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ کا خوف ہوتا ہے جس کے تحت وہ برائی سے بچتے اور اچھائی کو اپناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے احکام بجالانے میں اپنی تمام صلاحیتیں خرچ کر دیتے ہیں جب کہ کفار اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے ہوئے ان کی تعلیم کو ٹھکرا دیتے ہیں اہل نفاق بھی کفار کے ساتھی ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ ظاہری طور پر مسلمانوں میں شامل ہوتے ہیں لیکن ان کے باطن کفار کی محبت و حمایت سے سرشار ہوتے ہیں۔

جنگ احد میں اللہ تعالیٰ نے ان تین جماعتوں میں واضح فرق کر دیا۔ کفار وہ تھے جو مکہ سے چل کر مدینہ آئے اور اہل اسلام سے ان کا مقابلہ ہوا۔ اہل نفاق مدینہ کے رہنے والے وہ لوگ تھے جن کے دلوں میں اسلام کی کوئی محبت نہ تھی۔ اسلام کو مجبوراً قبول کیا۔ لیکن اس کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ضائع نہ کیا۔ جیسا کہ عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے کیا۔

ایسے حالات میں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے عظیم اجر کی بشارت دے دی۔

ابن جریر اور ابن کثیر میں ان آیات کی تفسیر میں منقول ہے کہ جنگ احد پندرہ شوال بروز ہفتہ ہوئی۔ سولہ تاریخ بروز اتوار یعنی دوسرے دن رسول اللہ ﷺ نے منادی کرادی۔ لوگو! دشمن کی طلب میں نکلو اور وہی لوگ چلیں جو کل میدان میں موجود تھے۔ یہ منادی سن کر جابر رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اللہ کے رسول! کل میں لڑائی میں حصہ نہ لے سکا۔ میرے والد عبد اللہ نے مجھ سے کہا کہ بیٹے تمہارے ساتھ یہ سات چھوٹی بہنیں ہیں۔ میرے اور تیرے دونوں ہی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ ان کو تنہا چھوڑ کر ہم دونوں جنگ میں شریک ہو جائیں۔ لہذا ہم دونوں میں سے ایک میدان میں جائے گا اور ایک یہاں رہے گا۔ بیٹا! میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دے سکتا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کے لیے تم جاؤ اور میں گھر میں بیٹھا رہوں۔ اس لیے تم اپنی بہنوں کے پاس رہو اور میں جہاد میں شرکت کروں گا۔ چنانچہ میں اپنی بہنوں کے پاس رہا تھا۔ لیکن اب آپ کے ساتھ دشمن کی طلب میں نکلنا چاہتا ہوں۔

آپ ﷺ نے ان کا یہ عذر سن کر دشمن کے تعاقب میں نکلنے کی ان کو اجازت دے دی۔ خیال رہے کہ جنگ احد میں ان کے والد عبد اللہ بن عمرو بن حرام شہادت سے سرفراز ہو چکے تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپ کی طرف سے ہونے والی منادی سنتے ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر جہاد میں شرکت کی اجازت لینے کے لیے کوشاں ہو گئے۔

یہی وہ جذبہ تھا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اجر عظیم کا اعلان کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ سفر اس غرض سے تھا کہ دشمن کے دل میں مسلمانوں کا رعب پڑ جائے اور وہ یہ سمجھ لے کہ مسلمانوں میں مقابلے کی ابھی پوری قوت موجود ہے۔

صحیح بخاری (باب استجابوا لله والرسول، ص: ۵۸۴) میں حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے حضرت عائشہ صدیقہ نے کہا: اے بھانجے! جنگ احد میں رسول اللہ ﷺ کو جو تکلیف پہنچی تھی وہ جب پہنچی تو اس وقت جو لوگ وہاں موجود تھے، ان میں تمہارے باپ زبیر اور ابو بکر الصديق رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ مکہ کے مشرک جب احد سے واپس گئے تو آپ کو خطرہ محسوس ہوا کہ وہ پھر سے لوٹ نہ آئیں۔ لہذا آپ نے اعلان کر دیا کہ کون ہیں جو ان کے تعاقب میں نکلیں گے؟ ستر آدمیوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا۔ ان میں بھی زبیر اور ابو بکر رضی اللہ عنہما موجود تھے۔ ابن جریر اور ابن کثیر میں ہی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ابوسفیان اگرچہ جنگ احد میں کامیاب ہو گیا تھا، لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا۔ جس کی وجہ سے وہ مکہ کی طرف واپس چلا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوسفیان تمہیں نقصان پہنچا کر پلٹ گیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں رعب ڈال دیا۔ جنگ احد شوال میں ہوئی اور تاجر لوگ ذوالقعدہ میں مدینہ آیا کرتے تھے اور اسی مہینہ میں بدر صغریٰ میں ہر سال ڈیرے ڈالا کرتے تھے۔ معمول کے مطابق اس دفعہ بھی وہ آئے اور مسلمان جنگ میں لگنے والے زخموں سے چور تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی تکالیف بیان کرتے اور صدمے کی حالت میں تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو آمادہ کیا کہ وہ آپ کے ساتھ چلیں۔ آپ نے فرمایا: کہ یہ لوگ اب کوچ کر جائیں گے اور پھر حج کو آئیں گے اور یہ قدرت ان کو اگلے سال تک نہ ہوگی۔ لیکن شیطان نے اپنے دوستوں کو ڈرایا دھمکایا اور کہنے لگا۔ انھوں نے تمہاری بیخ کنی کے لیے لشکر جمع کر لیے ہیں۔ تو لوگ کچھ ڈھیلے پڑ گئے۔ لیکن آپ نے فرمایا: کوئی میرے ساتھ نکلے یا نہ نکلے میں اکیلا ہی جاؤں گا۔ آپ کی اس رغبت پر ابو بکر، عمر، عثمان، علی، زبیر، سعد، طلحہ، عبد الرحمن بن عوف، عبد اللہ بن مسعود، حذیفہ بن یمان اور ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم وغیرہ ستر (۷۰) صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے ساتھ ہو گئے۔ یہ مبارک لشکر ابوسفیان کی طلب میں بدر صغریٰ تک پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے آل عمران کی یہ آیات نازل فرمادیں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی قانون ہے کہ اپنے دین کی خدمت جس سے چاہے لے لیتا ہے اگرچہ وہ مسلمان ہی نہ ہو۔ یہی معاملہ جنگ احد کے بعد ایک غیر مسلم کے ذریعے طے ہوا۔ خزاعہ قبیلہ کا سردار معبد خزاعی ایمان کی دولت سے محروم رہنے کے باوجود رسول اللہ ﷺ کا خیر خواہ تھا۔ چنانچہ جنگ احد کے بعد ابوسفیان اور اس کے ساتھی مدینہ



واپس آ کر حملہ کرنے کے بارے میں جب مشورہ کر رہے تھے تو معبد وہاں پہنچ گیا۔ ابوسفیان نے کہا: تمہارے پیچھے کیا خبر ہے۔ یعنی اہل مدینہ کس حال میں ہیں۔ اس نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ تمہارے تعاقب میں آرہے ہیں۔ وہ لوگ سخت غصے میں ہیں۔ جو پہلے لڑائی میں شریک نہ ہو سکے تھے وہ بھی ان کے ساتھ ہیں اور پوری طاقت سے حملہ آور ہونے کا پروگرام بنائے ہوئے ہیں۔ میں نے اس سے پہلے ایسا لشکر کبھی نہیں دیکھا۔ یہ سنتے ہی ابوسفیان نے کہا: تمہاری خرابی ہو، یہ کیسی خبر سنا رہے ہو؟ اچھا ہی ہوا جو تم سے ملاقات ہو گئی۔ ہم تو خود ہی ان کی طرف جانے کو تیار تھے۔ معبد نے کہا: ایسا ہرگز نہ کرنا۔ میرا کیا ہے میرے یہاں سے جانے سے پہلے ہی شاید تم لشکر اسلام کے گھوڑوں کو دیکھ لو۔ میرے پاس الفاظ نہیں کہ ان کے غصے، ان کی تیاری اور بلند ہمتی کا حال بیان کر سکوں۔ میں تم سے صاف الفاظ میں کہتا ہوں کہ یہاں سے بھاگو اور اپنی جانیں بچاؤ۔ معبد خزاعی نے اسلامی لشکر کا جو نقشہ کھینچا، اس سے متاثر ہو کر ابوسفیان نے مکہ کی راہ لی۔

قبیلہ عبد القیس کے چند لوگ کاروباری سلسلے میں مدینہ جا رہے تھے۔ ابوسفیان کی جب ان سے ملاقات ہوئی تو اس نے ان سے کہا: مدینہ جا کر میری طرف سے یہ پیغام رسول اللہ ﷺ کو پہنچا دینا کہ ہم واپس لوٹنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور ہم نے ان کو تہ تیغ کرنے کے لیے لشکر جمع کر لیے ہیں اگر تم نے ہمارا یہ پیغام ان تک پہنچا دیا تو مکہ کے عکاظ بازار میں ہم تم کو بہت سی کشش دیں گے۔ جب قبیلہ عبد القیس والوں نے خاصی ڈراؤنی خبر سنا کر حرمہ الاسد میں مسلمانوں تک پہنچائی تو انھوں نے جواب میں کہا:

((حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ))

”ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین وکیل ہے۔“

صحیح بخاری (ص: ۶۵۵) میں کتاب التفسیر کے باب ﴿إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ﴾ کے تحت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ”حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ“ یہ جملہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت کہا جب ان کو آگ میں ڈالا گیا اور محمد ﷺ نے اس وقت کہا کہ جب آپ سے کہا گیا کہ کفار نے آپ کے لیے لشکر جمع کر لیے ہیں۔

اس توکل و یقین اور ایمان کا نتیجہ یہ نکلا کہ دو تین دن آپ نے صحابہ کے ساتھ حرمہ الاسد میں جب قیام فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر قسم کی تکلیف سے نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت و فضل کے ساتھ خیر و عافیت سے مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔ اہل ایمان کے اعتماد اور ایمان میں اضافہ ہو گیا۔ مدینہ کے آس پاس بسنے والے کفار پر مسلمانوں کا رعب چھا گیا۔ نعت تو یہ تھی کہ ابوسفیان اپنی کامیابی کے باوجود مسلمانوں کے خوف سے واپس مکہ چلا گیا اور اہل ایمان لڑائی میں شکست کھانے کے بعد بھی کاحرانی کے ساتھ واپس مدینہ لوٹ آئے۔ فضل کی صورت یہ رہی کہ بدر صفری میں جو تجار خبیہ زن تھے، آپ نے ان سے کچھ تجارتی لین دین کیا جس سے آپ کو خاصی رقم نفع کی صورت میں مل

گئی اور وہ آپ نے اپنے صحابہ میں تقسیم کر دی۔

اہل ایمان نے جو کچھ بھی کیا، اس میں ان کا مقصود و مطلوب صرف اللہ تعالیٰ کی رضا تھی اور اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جو اس کی رضا مندی کے حصول میں کوشاں ہو جاتے ہیں، ان کو اپنی نعمتوں اور فضل عظیم سے نواز دیتا ہے کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی فضل عظیم والا نہیں۔

یہاں ایک بڑی ہی بنیادی بات اہل ایمان پر یہ واضح کر دی گئی کہ شیطان اہل ایمان کو ڈرانے، دھمکانے اور غلانے اور بہکانے کے مختلف حربے استعمال کرتا رہتا ہے۔ مومنوں کا کام ہے کہ شیطان اور اس کے ساتھیوں سے کبھی بھی خوف زدہ اور مرعوب نہ ہوں۔ بلکہ ایمان کا تقاضا ہے کہ مومنوں کے دل صرف اللہ کے خوف سے مزین ہو نے چاہئیں۔

اللہ تعالیٰ اس کی ہمیں بھی توفیق عطا فرمائے۔

### حل لغات:

﴿الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرُّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ﴾ میں الَّذِينَ اسم موصول۔ اسْتَجَابُوا فعل ماضی جمع مذکر غائب۔ لِلَّهِ کا لام حرف جر۔ لفظ اللہ والرُّسُولِ مجرور۔ مِنْ بھی حرف جر۔ بَعْدِ ظرف۔ مَا موصولہ۔ أَصَابَهُمُ کی ہُم ضمیر مومنوں کی طرف راجع اور أَصَابَ فعل ماضی۔ الْقَرْحُ اس کا فاعل۔ جملے کا معنی ہے: وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور رسول ﷺ کے حکم کو قبول کیا، اس کے بعد کہ جب زخم ان کو لگ چکے تھے۔

﴿لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا أَجْرٌ عَظِيمٌ﴾ میں الَّذِينَ موصولہ پر لام حرف جر۔ أَحْسَنُوا وَاتَّقُوا فعل ماضی سے جمع مذکر کے صیغے۔ جملے کا معنی ہے: ان میں سے ان کے لیے جنہوں نے نیکی کی اور صاحب تقویٰ ہوئے اجر عظیم ہے۔

﴿الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا﴾ میں الَّذِينَ موصولہ۔ قَالَ فعل ماضی۔ لَهُمُ کا لام حرف جر اور ہُم ضمیر سے مراد اہل اسلام ہیں۔ النَّاسُ، قَالَ کا فاعل۔ إِنَّ حرف مشبہ بالفعل۔ النَّاسُ اس کا اسم۔ قَدْ تحقیق کا۔ جَمَعُوا فعل ماضی۔ لَكُمْ کی ضمیر مخاطب کی۔ فَاخْشَوْهُمْ میں اخْشَوْا فعل امر۔ ہُم ضمیر النَّاسِ کی طرف راجع جب کہ فَزَادَهُمُ کی ہُم ضمیر مومنوں کی طرف راجع۔ زَادَ فعل ماضی پر فاء جواب امر۔ اس کا فاعل لوگوں کا قول ہے۔ إِيمَانًا مصدر فَزَادَهُمُ کی تیز۔ جملے کا معنی ہے: وہ (اہل ایمان) جن سے لوگوں نے کہا کہ بے شک کفار نے تمہارے لیے قوت جمع کر لی ہے پس ان سے ڈر جاؤ۔ لیکن ان کے اس قول نے مومنوں کو از روئے ایمان اور بڑھا دیا۔

﴿وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾ میں واو عاطفہ۔ قَالُوا فعل ماضی۔ حَسْبُنَا کی فاعلیہ متکلم کی۔ حَسْبُ مصدر۔ لفظ اللہ فاعل۔ واو عاطفہ۔ نِعْم فعل مدح۔ الْوَكِيلُ اس کا فاعل۔ جملے کا معنی ہے: اور انھوں نے (یعنی مومنوں نے) کہا: ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین وکیل ہے۔

﴿فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةِ رَبِّهِمْ إِلَيْهِ وَفَضَّلُوا لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ﴾ میں انْقَلَبُوا فعل ماضی پر فاء عاطفہ۔ نِعْمۃ کی باء تعدیہ و مصاحبت کی۔ مِنْ حرف جر۔ لفظ اللہ مجرور۔ يَمْسَسُ فعل مضارع کے آخر میں جزم لَمْ نفی جحد کی وجہ سے آئی ہے۔ سُوء اس کا فاعل ہے۔ جملے کا معنی ہے: پس وہ اللہ کی نعمت و فضل کے ساتھ لوٹے، ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچی۔

﴿وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ﴾ میں اتَّبَعُوا فعل ماضی۔ رِضْوَانُ اللہ مرکب اضافی۔ فَضْلٍ عَظِيمٍ: مرکب توصیفی، ذُو کا مضاف الیہ۔ جملے کا معنی ہے: اور انھوں نے اللہ کی رضا مندی کی پیروی کی اور اللہ تعالیٰ فضل عظیم والا ہے۔

﴿إِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ﴾ میں إِنَّمَا کلمہ حصر۔ اِنْ مشبہ بالفعل۔ مَا کافہ ذَلِكُم اسم اشارہ۔ الشَّيْطَانُ مشار الیہ۔ يُخَوِّفُ فعل مضارع۔ أَوْلِيَاءَهُ اس کا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: شیطان تمہیں اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے۔

﴿فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ میں فَلَا تَخَافُوهُمْ فعل نفی پر فاعل استیفاء اور هُمْ ضمیر مفعول کفار کی طرف راجع۔ واو عاطفہ۔ خَافُوا فعل امر۔ نون وقایہ کا، اس کے آخر سے ضمیر متکلم واحد کی بیاہ گری ہوئی ہے جس کی علامت اس کے نیچے لگا ہوا کسرہ ہے۔ اِنْ حرف شرط۔ كُنْتُمْ فعل ناقص۔ مُؤْمِنِينَ اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: پس تم ان سے نہ ڈرو، بلکہ مجھ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔

۳۹

اور وہ لوگ جو کفر میں جلدی کر رہے ہیں آپ کو غمزدہ نہ کریں، بے شک وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ مقرر نہ کرے اور ان کے لیے عظیم عذاب ہوگا۔ جنہوں نے ایمان کے بدلے کفر خریدنا درحقیقت وہ بھی

وَلَا يَخْزِيكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ ۖ إِنَّهُمْ لَن يَصْرِفُوا اللَّهَ شَيْئًا ۖ يُرِيدُ اللَّهُ إِلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۷۶﴾  
إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرُوا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَن

يُضْرَبُوا لِلَّهِ شَيْئًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ

الِيمٌ ﴿١٧٧﴾

وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمَلِّئُ لَهُمْ خَيْرَ لِّأَنفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمَلِّئُ لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِلَيْنَا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٧٨﴾

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظِلَّكُمْ عَلَى الْغِيبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيٰ مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ فَاٰمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ وَإِنْ تَوَلَّوْا يَنْقُضْهُمُ اللَّهُ أَجْرَ عَظِيمٍ ﴿١٧٩﴾

اللہ تعالیٰ کا ہرگز کوئی نقصان نہیں کر سکیں گے اور ان کے لیے سخت تکلیف دینے والا عذاب ہوگا۔

اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ ہرگز گمان نہ کریں کہ ان کو ہمارا مہلت دینا، ان کے لیے بہتر ہے، بلاشبہ ہم ان کو مہلت اس لیے دے رہے ہیں کہ وہ گناہوں میں اور زیادہ بڑھ جائیں اور ان کے لیے ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ مومنوں کو اس حالت پر نہیں چھوڑے گا جس پر تم ہو یہاں تک کہ خبیث کو طیب سے الگ کر دے اور نہ اللہ تعالیٰ تمہیں غیب پر ہی مطلع کرے گا۔ لیکن اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کے لیے چن لیتا ہے، پس اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ، اور اگر تم ایمان لے آؤ اور متقی بن جاؤ تو تمہارے لیے عظیم اجر ہوگا۔

### تشریح:

اللہ تعالیٰ کے دین کا سلسلہ کچھ ایسے رہا ہے کہ ہر مبعوث ہونے والے نبی علیہ السلام کو اپنی اپنی امت کی سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ حالانکہ ہر نبی نے اپنی امت کو رب حقیقی کا پیغام پہنچایا۔ ہلاکت و تباہی سے بچانے اور راہ حق پر لگانے کی کوشش کی۔ لیکن عذابوں میں مبتلا ہونے والی اور فتنہ ہونے والی امتوں نے نبیوں کی دعوت کو ٹھکرایا اور ان کا مذاق اڑایا۔ سید الانبیاء ﷺ کے ساتھ بھی جب ایسا ہی ہوا تو آپ کو اس کا دکھ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے سورۃ الکہف میں فرمایا:

﴿فَلَعَلَّكَ بَاقِعُ نَفْسِكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا﴾ (۶)

”شاید آپ اپنے آپ کو ان کے پیچھے افسوس کرتے ہوئے اس بات پر ہلاک کریں گے کہ وہ اس حدیث (یعنی قرآن) پر ایمان نہیں لائے۔“

﴿إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لِّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (۱۰)

”جو کچھ زمین پر ہے بے شک ہم نے اس کو اس کی زینت بنایا ہے تاکہ ہم ان کو آزمائیں کہ ان میں سے از

روئے عمل اچھا کون ہے۔“

سورة البقرہ میں ارشاد ہوا:

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَا تُسْئَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْحَجِيمِ﴾ (۱۱۹)

”بے شک ہم نے آپ کو بشارت دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور آپ سے جہنمیوں کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔“

یعنی جو آپ کی دعوت قبول نہیں کرتا، بڑائی ترک کرنے پر تیار نہیں ہوتا تو اس کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہوگی۔  
سورة المائدہ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾

”اے رسول! جو آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اس کو آپ آگے پہنچا دیں۔“  
اس کو سورة الرعد میں مزید واضح یوں کیا گیا ہے:

﴿فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾ (۴۰)

”آپ کے ذمے صرف آگے پہنچانا ہے اور ہم پر اس کا حساب لینا ہے۔“

سورة الغاشیہ کے الفاظ ہیں:

﴿فَذِكْرُ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ﴾ (۲۱) لَسْتُ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (۲۲)

”پس آپ نصیحت کرتے رہیں، کیوں کہ آپ بس نصیحت کرنے والے ہیں۔ آپ ان پر داروغہ نہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا تھا اور سابقہ سرکش نافرمان قوموں کا انجام بھی آپ کے سامنے تھا، لہذا آپ کی خواہش اور کوشش تھی کہ آپ کی قوم کے ساتھ وہ سلوک نہ ہو جو پہلی قوموں کے ساتھ ہوا۔ اس لیے کفر پر ان کو ڈٹتے اور اس میں آگے ہی بڑھتے ہوئے دیکھ کر آپ کو پریشانی لاحق ہوتی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگاہ کر دیا کہ آپ کو ان کے کافرانہ رویے پر افسردہ اور غمزدہ رہنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس طرح وہ اپنی ہی آخرت تباہ کر رہے ہیں، اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ جو کوئی ہدایت کو اپناتا ہے اس کا فائدہ خود ہی اٹھاتا ہے اور جو ٹھکراتا ہے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔

سورة یونس میں آپ سے اعلان کرا دیا:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّٰ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ﴾ (۱۰۸)

”آپ کہہ دیں: اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آ گیا پس جو ہدایت یافتہ ہوگا بلاشبہ اس کا فائدہ اس کے نفس کو ہوگا اور جو گمراہ ہوگا اس کی گمراہی کا وبال اسی پر ہوگا اور میں تم پر وکیل نہیں ہوں۔“

سورة النمل میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ (۳۳) فَاصَابَهُمُ سَيْقُتٌ مَّا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ  
مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ۔ (۳۴) ﴿

”اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنی جانوں پر خود ظلم کیا کرتے تھے۔ پس وہ جو برے عمل کیا کرتے تھے ان کا وبال ان تک پہنچا اور جس کا مذاق اڑایا کرتے تھے اسی نے لاوا کو گھیر لیا۔“

یہاں یہ وضاحت ہو رہی ہے کہ جن قوموں کو تباہ و برباد کیا گیا ان کی بربادی کا سبب ان کے برے اعمال تھے۔

کیونکہ جزاء و سزا کا معاملہ اعمال کے مطابق ہوتا ہے۔

صحیح مسلم کے باب تحریم الظلم (۳۱۹/۲) میں ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے بیان فرمایا یعنی حدیث قدسی ہے: ”اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے بندو! میں نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام کر دیا اور تمہارے درمیان بھی حرام ٹھہرا دیا۔ پس تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنا۔ اے میرے بندو! تم سب کے سب گمراہ رہو گے مگر جس کو میں ہدایت سے نواز دوں پس مجھ سے ہدایت طلب کرو تا کہ تمہیں ہدایت یافتہ کر دوں۔ اے میرے بندو! تم سب کے سب بھوکے ہو۔ مگر جس کو میں کھانا کھلاؤں، اس لیے مجھ سے کھانا مانگو تا کہ تمہیں کھانا عطا کروں۔ اے میرے بندو! تم سب کے سب بے لباس ہو مگر جس کو میں لباس پہنا دوں پس مجھ سے لباس مانگو تا کہ تمہیں لباس پہنا دوں۔ اے میرے بندو! تم دن رات گناہ کرتے ہو اور میں تمہارے سب گناہوں کو معاف کرتا ہوں پس مجھ سے بخشش طلب کرو تا کہ تمہیں بخش دوں۔ اے میرے بندو! تم سب مل کر مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہو تو ہرگز نہیں پہنچا سکتے۔ اے میرے بندو! تمہارا اول و آخر اور جن و انس تم میں کسی کے انتہائی اللہ سے ڈرنے والے ایک دل کی طرح ہو جائیں تو اس سے میری بادشاہت میں کوئی اضافہ نہ ہوگا۔ اگر تمہارا اول و آخر اور انس و جن تم میں کسی کے انتہائی فاجر شخص کے دل کی طرح ہو جائیں تو بھی میری بادشاہت میں اس سے کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔ اے میرے بندو! اگر تمہارا اول و آخر اور جن و انس ایک میدان میں جمع ہو کر مجھ سے سوال کریں اور میں ہر ایک کے سوال کے مطابق اس کو دے دوں۔ تو اس سے میرے خزانوں میں اتنی بھی کمی نہ ہوگی کہ جتنی ایک سوئی کو سمندر میں ڈال کر نکال لینے سے ہوتی ہے۔ اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں جن کو

میں شمار کرتا ہوں اور ان کا پورا پورا بدلہ دیتا ہوں۔ پس جو کوئی بھلائی پائے وہ اللہ کی تعریف کرے اور جو بھلائی نہ پائے تو اپنے ہی نفس کو ملامت کرے۔“ صحیح مسلم میں یہ بھی منقول ہے کہ اس حدیث مبارک کے راویوں میں سے ایک راوی سعید بن عبدالعزیز جب دوسرے راوی ابو اوریس خولانی سے یہ حدیث بیان کرتے تو گھٹنوں کے بل ہو جایا کرتے تھے۔ یعنی اپنے رب کی بارگاہ میں سائل کی صورت اختیار کر لیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں یہ بھی واضح فرما دیا کہ کفار کو ملنے والی ڈھیل ان کے لیے اچھی نہیں۔ تباہ ہونے والی قوموں کو بھی بڑی ڈھیل ملا کرتی تھی۔ عادیوں، شودیوں اور فرعون کو صدیوں اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں سے نوازتا رہا۔ آج بھی ان کے جانشینوں کو اسی طرح نواز رہا ہے۔ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ قرآن حکیم میں بیان ہونے والے واقعات اس کی بہترین مثال ہیں۔ قومیں بنتی بگڑتی اور اپنے اعمال کی بنا پر تباہ ہوتی رہتی ہیں۔ اگر کوئی شخص ایمان و دین بچ کر کفار کا ساتھ دے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے منہ موڑ کر منافقانہ اور کافرانہ رویہ اختیار کر لے تو اللہ تعالیٰ کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ بلکہ آخرت میں رحمن و رحیم کی رحمت سے محروم ہونے کے ساتھ ایسے عذاب میں ڈالا جائے گا جو عظیم و الیم اور انتہائی مصیبن ہوگا۔

دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ جہاں برائی اپنی انتہا کو پہنچتی ہے تو اللہ کے قانون کے مطابق وہاں اچھائی کو اپنانے والی جماعت بھی پیدا ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ برائی کو اپنانے والوں اور اچھی راہ پر چلنے والوں میں مختلف آزمائشوں کے ذریعہ فرق نمایاں ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ پاکباز اپنی ہی قوم کے برے لوگوں سے بالکل الگ ہو جاتے ہیں اور ان کا اپنا معاشرہ اور اپنی پہچان ہو جاتی ہے۔ سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی دعوت حق کو قبول کرتے ہوئے اپنی قوم سے الگ ہو کر مدینہ طیبہ آئے اور وہاں ایسی اسلامی ریاست قائم ہوئی کہ جس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حق ادا ہونے لگا۔ وہ اللہ سے راضی ہو گئے اور اللہ ان سے راضی ہو گیا۔

یہاں غیب دانی کے بارے میں بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ اللہ کے سوا کسی کے پاس غیب کا علم نہیں۔ ضرورت پڑنے پر اللہ تعالیٰ خود اپنے رسولوں اور نبیوں علیہم السلام کو عطا کیا کرتا تھا۔ سورة الجن میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا﴾ (۲۶) إِلَّا مَن ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا۔ (۲۷) لِّيَعْلَمَ أَن قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَخْضَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا۔ (۲۸)

”اللہ تعالیٰ ہی عالم الغیب ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ سوائے رسول کے کہ جس کو وہ پسند کر



لیتا ہے پھر اس کے آگے پیچھے محافظ مقرر کر دیتا ہے۔ تاکہ وہ جان لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغام پہنچا دیے اور جو ان کے پاس ہوتا ہے اس کا احاطہ کر لیتا ہے اور ہر شے کو شمار کر لیتا ہے۔  
آیت الکرسی میں مزید وضاحت کر دی گئی:

﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾

”اور اس کے علم میں سے کچھ بھی احاطہ نہیں کر سکتے سوائے اس کے جتنا وہ دینا چاہے۔“

لہذا آج کوئی علم الغیب رکھنے کا دعوے دار ہے تو وہ سراسر دھوکے باز اور مکار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی اعلان کر دیا کہ اجر ان کے لیے ہوگا جو ایمان لائے اور صاحب تقویٰ بن گئے۔ اللہ تعالیٰ

اس کی ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین

### حل لغات:

﴿وَلَا يَخْزَنُكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَنُضَرُّوا اللَّهَ شَيْئًا﴾ میں لَا يَخْزَنُكَ کی کاف ضمیر مخاطب کی اور لَا يَخْزَنُ (باب نصر سے) فعل نہی غائب۔ الَّذِينَ موصولہ۔ يُسَارِعُونَ فعل مضارع۔ یعنی حرف جر اور الْكُفْرِ مجرور۔ اِنْ حرف مشبہ بفعل۔ هُمْ ضمیر (منصوب متصل) جلدی کرنے والوں کی طرف راجع۔ لَنْ نفی تاکید کا اور يَضُرُّوا فعل مضارع، اس کا نون اعرابی اسی کی وجہ سے حذف ہو گیا ہے۔ لفظ اللَّهُ مفعول اور شَيْئًا مصدر کی جگہ یَا يَضُرُّوا کی تیز۔ اَنْی لَنْ يَضُرُّوا اللَّهُ ضَرًّا۔ جملے کا معنی ہے اور کفر میں جو لوگ جلدی کر رہے ہیں، وہ تمہیں نذرہ نہ کریں، بے شک وہ اللہ کو کوئی نقصان ہرگز نہیں پہنچائیں گے۔

﴿يُرِيدُ اللَّهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ میں يُرِيدُ فعل مضارع لفظ اللَّهُ اس کا فاعل۔ يَجْعَلَ بھی فعل مضارع اور اس کے آخر میں زبر آن کی وجہ سے آئی ہے۔ حَظًّا مفعول۔ عَذَابٌ عَظِيمٌ مرکب توصیلی۔ جملے کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ مقرر نہ کرے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہوگا۔

﴿اِنَّ الَّذِينَ اشْتَرُوا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنُضَرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ میں اِنْ حرف مشبہ بفعل۔ الَّذِينَ موصول۔ اشْتَرَوْا فعل ماضی۔ الْكُفْرَ اس کا مفعول۔ بِالْاِيْمَانِ کی باء (پ) بدلے کی۔ عَذَابٌ کی صفت یہاں اَلِيْمٌ آئی ہے جو اَلَمْ يَأْلَمْ (س) سے امام راغب کے مطابق مُؤَلِّم کے معنی میں ہے۔ جملے کا معنی ہے: بے شک جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر خریدا وہ اللہ تعالیٰ کا ہرگز کچھ نقصان نہیں کر سکیں گے اور ان کے لیے سخت تکلیف دینے والا عذاب ہوگا۔

﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُُمَلِّئُ لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْ﴾ میں لَا يَحْسَبَنَّ فعل نہیں غائب کے آخر میں نون ثقیلہ سے تاکید پیدا کی گئی ہے۔ الَّذِينَ موصول۔ كَفَرُوا فعل ماضی۔ أَنَّمَا کا ما مصدریہ یا موصولہ اور أَنَّ حرف مشبہ بفعل۔ نُملِّئُ فعل مضارع جمع متکلم۔ لَهُمْ کی لام حرف جر اور هُمْ ضمیر (مجرور متصل) کفار کی طرف راجع۔ جملے کا معنی ہے: اور جنہوں نے کفر کو اپنا یادہ ہرگز گمان نہ کریں کہ ان کو ہمارا ذلیل دینا ان کے لیے بہتر ہے۔  
 ﴿إِنَّمَا نُملِّئُ لَهُمْ لِيُزِدَا ذُنُوبًا وَإِنَّمَا كَلَمَةٌ حَصْرٌ لِّبُزْدَاذُوا فعل مضارع جمع مذکر غائب پر لام تخی کا اور يَزِدَا ذُنُوبًا وَآذ يَزِيدُ کے مزید فیہ کے باب افعال سے لایا گیا ہے اور اس کا مادہ (زی د) ہے۔ إِنَّمَا تیز۔ عذاب کی صفت یہاں مُهِنٌ آئی ہے جو أَهَانٌ يُهِنُ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ جملے کا معنی ہے: بے شک ہم ان کو ذلیل اس لیے دے رہے ہیں کہ وہ گناہوں میں اور زیادہ ہو جائیں اور ان کے لیے ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب ہوگا۔

﴿مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾ میں مَا نافیہ۔ كَانَ فعل ناقص۔ لَفْظُ اللَّهِ اس کا اسم۔ بقیہ جملہ اس کی خبر۔ يَذَرُ فعل مضارع پر لام تخی کا۔ الْمُؤْمِنِينَ اس کا مفعول۔ عَلَى حرف جر اور مَا موصولہ۔ حَتَّى کے بعد أَنَّ ناصب پوشیدہ ہے۔ يَمِيزُ فعل مضارع اسی کی وجہ سے منصوب ہے۔ الْخَبِيثُ اس کا مفعول۔ مِنْ حرف جر۔ الطَّيِّبُ مجرور۔ جملے کا معنی ہے: نہیں ہے اللہ کہ چھوڑ دے مومنوں کو اس پر جس پر تم ہو یہاں تک کہ وہ خبیث کو طیب سے الگ کر دے۔ یعنی پاک اور ناپاک کے درمیان تیز ہو جائے۔

﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيٰ مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ﴾ میں وَآء عاطفہ۔ لِيُطْلِعَكُمْ کی ضمیر تُم مخاطب کی۔ يُطْلِعُ فعل مضارع کے آخر میں زبر لام تخی کی وجہ سے آئی ہے۔ لَكِنَّ حرف مشبہ بفعل حرف استدراک جو جملہ سابقہ کے مضمون سے وہم کو دور کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لَفْظُ اللَّهِ اس کا اسم اور بقیہ جملہ اس کی خبر ہے۔ يَجْتَبِيٰ اور يَشَاءُ دونوں فعل مضارع۔ مَنْ موصولہ۔ جملے کا معنی ہے: اور نہ اللہ تعالیٰ تمہیں غیب پر ہی مطلع کرے گا۔ لیکن وہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے۔  
 ﴿فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ﴾ میں آمِنُوا فعل امر۔ جملے کا معنی ہے: پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھو۔  
 ﴿وَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَجْ بَأْسِي وَأَعْلَجْ بَأْسِي﴾ میں وَآء عاطفہ۔ اِنْ شرطیہ۔ تَوَلَّيْتُمْ اور تَقْوُوا دونوں فعل مضارع جمع مذکر حاضر کا نون اعرابی اِنْ کی وجہ سے ساقط ہو گیا ہے۔ فَلَكُمْ کی فاء جواب شرط۔ جملے کا معنی ہے: اور اگر تم ایمان لاؤ اور متقی بن جاؤ تو تمہارے لیے عظیم اجر ہوگا۔

اور وہ لوگ ہرگز گمان نہ کریں جو اس میں بخلی کرتے ہیں جو ان کو اللہ نے اپنے فضل سے دیا ہے، کہ وہ ان کے لئے بہتر ہے بلکہ وہ ان کے لئے بہت برا ہے۔ جس میں انہوں نے بخلی کی، اس کی وجہ سے عنقریب قیامت کے روز ان کو طوق پہنائے جائیں گے اور آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لئے ہے اور جو تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کی بات سن لی جنہوں نے کہا اللہ فقیر اور ہم غنی ہیں۔ انہوں نے جو کہا اور ان کا نبیوں کو ناحق قتل کرنا ہم عنقریب لکھ لیں گے اور ہم کہیں گے کہ جلا دینے والا عذاب چکھو۔

یہ اس کا بدلہ ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور اللہ تعالیٰ بلاشبہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

وہ لوگ جنہوں نے کہا بے شک اللہ نے ہم سے عہد لے رکھا ہے کہ ہم کسی رسول پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک وہ ایسی قربانی نہ لائے جس کو آگ کھا جائے۔ آپ کہہ دیں بے شک مجھ سے پہلے تمہارے پاس رسول معجزے لائے اور وہ بھی جو تم نے کہا، پھر تم نے ان کو قتل کیوں کیا اگر تم سچے ہو؟

پس اگر انہوں نے آپ کو جھٹلایا ہے تو انہوں نے آپ سے پہلے کئی رسولوں کو جھٹلایا ہے جو ان کے پاس معجزات، صحیفے اور روشن کتاب لائے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَتَّخِلُونَ بِمَا أَنَّهُمْ  
اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ  
لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ  
وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ  
بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۱۸۰﴾

لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ  
فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا  
وَقَتْلَهُمُ الْآنِبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۖ وَقَوْلُ  
ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿۱۸۱﴾

ذَلِكَ بِمَا قَلَمْتُمْ أَيْدِيَكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ  
لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿۱۸۲﴾

الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عٰهَدَ إِلَيْنَا آلَا تُوْمِنَ  
لِرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ  
قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ  
وَبِالذِّكْرِ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِنَّ كُنتُمْ  
صٰدِقِينَ ﴿۱۸۳﴾

فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ رُسُلٌ مِّنْ  
قَبْلِكَ جَاءُوا بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ  
الْمُنِيرِ ﴿۱۸۴﴾

## تشریح:

قرآن و سنت کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا مال اسی کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ اسی لئے اہل اسلام پر زکوٰۃ فرض کر دی گئی۔ زکوٰۃ سے اگر حاجت مندوں کی حاجتیں پوری نہیں ہوتیں اور مسلمان بھائیوں بہنوں پر غربت و افلاس کے بادل چھائے رہتے ہیں تو مالدار مسلمانوں کا فرض ہے کہ ان پر مزید مال خرچ کریں۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ایسا کرنے والوں کے مال میں کمی واقع نہیں ہوگی۔

سورة سہا میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ (۳۹)﴾

”اور جو چیز تم خرچ کرو گے، وہ اتنی ہی تمہیں اور عطا فرمائے گا اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔“

سورة البقرہ میں بشارت دی گئی ہے:

﴿الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِالْغَيْبِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (۲۷۴)﴾

”جو لوگ اپنے مال دن رات پوشیدہ اور علانیہ طور پر خرچ کرتے ہیں، ان کے لئے ان کے رب کے پاس اجر ہے اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔“

اس کے برعکس اللہ کے دیئے ہوئے مال میں بخیلی کرنے والوں کے لئے یہاں زبردست وعید سنائی گئی ہے کہ جن مالوں کو خرچ کرنے کی بجائے بڑھانے میں انہوں نے زندگی گزاری دی۔ وہی مال قیامت کے روز ان کے گلوں میں طوق بن جائیں گے۔

صحیح بخاری کی کتاب الزکوٰۃ (ص ۱۸۸) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی تو قیامت کے روز اس کے مال کو گنجنے سانپ کی صورت میں تبدیل کر کے اس کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا۔ جس کے منہ پر دو نقطے ہوں گے اور وہ اس کو باجھوں سے پکڑ کر کہے گا۔

((أَنَا مَالُكَ أَنَا كَنُزُّكَ))

”میرا تیرا مال ہوں۔ میرا تیرا خزانہ ہوں۔“

پھر آپ نے ﴿وَلَا يَخْسِنَنَّ الَّذِينَ يَتَّخِلُونَ﴾ والی آیت کی تلاوت فرمائی۔

صحیح بخاری (ص ۱۹۳) ہی کی روایت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہر دن کی صبح کو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں۔

ان میں ایک دعا کرتا ہے:

(( اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلْفًا ))

”اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اور دے۔“

جب کہ دوسرا کہتا ہے:

(( اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلْفًا ))

”اے اللہ! مال کو روکنے والے کے مال کو تلف کر دے۔“

عجیب بات یہ ہے کہ بخیل جو مال اپنی زندگی میں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا اور اس کو بڑھانے میں زندگی کھپا دیتا ہے۔ مرنے کے بعد وہ اس کے ورثا میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ قبر میں اس کے کسی کام نہیں آتا اور ایک دن ایسا آئے گا کہ اللہ کی ساری مخلوق جب فنا ہو جائے گی تو ساری کی ساری میراث اللہ خالق و مالک کی طرف لوٹ آئے گی۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کرنے والا ہی ان کا حقیقی وارث ہوگا۔ اصل میں یہاں یہ واضح کیا گیا ہے کہ جس مال کی میراث سے تم خود محروم ہو جاتے ہیں۔ اس کو جمع کرنے یا اس کے خرچ میں بخیلی کرنے کا کیا فائدہ ہے۔ لہذا اس اس کا دیا ہوا مال اس کی راہ میں خرچ کرتے ہو۔

سورة مریم میں ارشاد ہوا ہے:

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَ مَنْ عَلَيْهَا وَ الْبَيْنَا يُرْجَعُوْنَ (۴۰) ﴾

”بے شک پوری زمین اور جو کچھ اس پر ہے ہم اس کے وارث ہیں اور وہ ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے۔“

جب انجام کار سب کچھ اسی کی طرف لوٹنے والا ہے تو پہلے ہی اس کی رضا کیوں نہ حاصل کی جائے۔

تفسیر ابن جریر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ یہودیوں کے مدرسہ میں گئے۔ جہاں بہت سے لوگ اپنے عالم فحاش کی گفتگو سن رہے تھے۔ وہاں ان کا ایک اور عالم اشیع بھی موجود تھا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فحاش سے کہا۔ اللہ سے ڈر اور مسلمان ہو جا۔ تو جانتا ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ کے پاس سے وہ حق لے کر آئے ہیں اور تم تورات و انجیل میں یہ لکھا ہوا پاتے ہو۔ فحاش نے کہا اے ابو بکر! اللہ کی قسم۔ اللہ ہمارا محتاج ہے۔ ہم اس کے محتاج نہیں۔ ہم اس کی طرف عاجزی نہیں کرتے بلکہ وہ ہماری طرف عاجزی کرتا ہے۔ ہم اس سے لا پرواہ ہیں۔ اگر وہ غنی ہوتا تو ہم سے قرض طلب نہ کرتا۔ جیسا کہ تمہارے ساتھی خیال کرتے ہیں۔ وہ تمہیں سود سے منع کرتا ہے اور ہمیں دیتا ہے۔ اگر وہ ہم سے مستغنی ہوتا تو ہمیں سود نہ دیتا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سخت غصہ آیا اور انہوں نے اس کے منہ پر زور دار تھپڑ مار کر کہا: اے اللہ کے دشمن! اگر ہمارے اور تمہارے درمیان عہد نہ ہوتا تو قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ میں تیری گردن اڑا دیتا۔ جھٹلاؤ، ہمیں جتنا بھی جھٹلا سکتے ہو۔

اگر تم سچ ہو۔ فخاص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا اے محمد! دیکھو تمہارے ساتھی نے میرے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تمہیں کس بات نے ایسا کرنے پر ابھارا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اللہ کے رسول! اس نے بہت ہی بری بات کہی۔ اس کا خیال ہے کہ اللہ فقیر ہے اور یہ لوگ اس سے لاپرواہ یعنی اغنیاء ہیں۔ جب اس نے یہ بات کہی مجھے غصہ آ گیا اور میں نے اس کو پھڑ مار دیا۔ فخاص نے اپنی کہی ہوئی بات کا انکار کر دیا کہ اس نے ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ابو بکر الصديق رضی اللہ عنہ کی تصدیق اور فخاص کی تردید میں ﴿لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ...﴾ والی آیت نازل فرمادی۔

تفسیر ابن جریر میں یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیت جی بن اخطب کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب اس نے سورة البقرہ میں نازل ہونے والی یہ آیت سنی:

﴿مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً﴾ (۲۴۵)

”کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دے۔ پس وہ اس کو اس کے لئے بہت زیادہ بڑھا دے۔“

تو اس نے کہا ہمارا رب ہم سے قرض مانگ رہا ہے اور فقیر ہی غنی سے قرض مانگا کرتا ہے۔

یہود میں ایسے لوگ بھی تھے کہ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو ٹھکرانے کا یہ بہانہ بھی بنایا کہ ہمیں حکم ہے کہ ہم اسی رسول پر ایمان لائیں کہ جو ایسی قربانی لائے کہ جب اس کو اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے تو اسان سے آگ آئے اور قبولیت کی صورت میں اس کو کھا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے خود ان کی باطل سوچ اور لغو قسم کے مطالبے کا جواب دیا کہ تم جو طلب کر رہے نہ صرف یہ بلکہ اور بھی بہت سے معجزات تمہارے پاس آئے۔ ان کو تسلیم کرنے کی بجائے تم نے معجزات لانے والوں کو ناحق قتل کر دیا۔ یہود کی اپنی تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو چین نہ لینے دیا حالانکہ انہی کے ذریعے اللہ نے ان کو فرعون کی غلامی سے آزاد کرایا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے اللہ اور ان کے دشمن کو غرق کر دیا۔ من سلوی جیسی نعمت ان کو عطا کی۔ ہر مشکل میں ان کی مدد فرمائی۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام کی زندگی ہی میں سونے کا پتھر بنا کر اس کی پرستش شروع کر دی اور موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو کہا اللہ تعالیٰ نے اس کو سند کے طور پر سورة طہ کا حصہ بنا دیا ﴿فَقَالُوا هَذَا إِلَهُكُمْ وَإِلَهُ مُوسَىٰ فَنَسِيَ﴾ انہوں نے کہا یہ تمہارا اور موسیٰ علیہ السلام کا معبود ہے پس موسیٰ علیہ السلام بھول گئے۔ یعنی معبود تو یہاں ہے اور وہ طور پہاڑ پر اس سے باتیں کرنے لگے ہیں۔

جو قوم اپنے جلیل القدر کلیم اللہ نبی علیہ السلام کے بارے میں ایسی لغو گفتگو کر سکتی تھی۔ اس سے خیر کی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ جنہوں نے معجزات اور صحیفوں کو ٹھکرا دیا۔ اپنی کتاب میں تحریف کرنے میں اللہ سے نہ ڈرے۔ انہوں نے قرآن

حکیم کو قبول نہیں کرتا تھا۔ اسی لئے انہوں نے ہر موقع پر کج بخشی کے ذریعے حق اپنانے سے انکار کر دیا۔ اہل کتاب ہونے کے ناطے وہ جانتے تھے کہ اللہ کو قرض دینے سے کیا مراد ہے اور اللہ کی ساری مخلوق اس کی فقیر ہے۔

سورة فاطر میں اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ (۱۰)﴾

”اے لوگو! تم سب اللہ کی طرف فقیر ہو اور اللہ ہی غنی اور تعریف کیا گیا ہے۔“

سورة القصص میں موسیٰ علیہ السلام کا وہ قول موجود ہے جو انہوں نے مدین کے کنوئیں کے پاس کہا:

﴿رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ (۲۴)﴾

”اے میرے رب! جو بھی بھلائی تو میری طرف بھیجے گا۔ میں اس کا فقیر ہوں۔“

درحقیقت یہود نے فیصلہ کر لیا تھا کہ انہوں نے اسلام کو قبول کر کے اپنی دنیا اور آخرت نہیں سنواری اور خالق و مالک ان کے بارے میں اچھی طرح آگاہ تھا۔ اسی لئے اس نے فرما دیا کہ انہوں نے جو کچھ کہا اس نے سن لیا اور ماضی میں جو کرتے رہے ہیں وہ بھی لکھ لیا۔ اب ان کا انجام اسی کے مطابق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والا نہیں۔ بلکہ انسانوں کے اعمال کے مطابق عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے والا ہے۔

ساتھ ہی سید الامیاء کو تسلی بھی دی گئی کہ اگر آپ کی بات کو ٹھکرایا جا رہا ہے تو آپ سے پہلے نبیوں اور ان کی طرف نازل ہونے والی کتابوں سے بھی ایسا ہی سلوک ہوتا رہا ہے۔ یہ تسلی ان کے لئے بھی ہے جو حق کی دعوت دینے والے ہیں اور حق پر قائم رہنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے۔

### حل لغات:

﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا أَنَا لَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ﴾ سے وَلَا يَحْسَبَنَّ کے آخر میں نون ثقیلہ سے فعل نہی میں تاکید کر دی گئی ہے۔ الَّذِينَ موصول یَبْخُلُونَ فعل مضارع۔ بما کا ما موصولہ۔ اَنَا لَهُمُ کی ہُم ضمیر مجل کرنے والوں کی طرف راجع انہی کا مفعول۔ لفظ اللہ اس کا قائل۔ مِنْ حرف جر۔ فَضْلِهِ مجرور۔ هُوَ ضمیر مرفوع منفصل واحد غائب۔ خَيْرًا حال۔ لَّهُمْ بھی بخیلوں کی طرف راجع۔ بَلْ حرف اضراب جو پہلی چیز کی نفی اور دوسری کے اثبات کے لئے لایا جاتا ہے۔ جیسا کہ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سے ہو رہا ہے۔ جملے کا معنی ہے اور وہ لوگ ہرگز گمان نہ کریں جو اس میں مجل کرتے ہیں کہ جو ان کو اللہ نے اپنے فضل سے دیا کہ وہ ان کے لیے اچھا ہے۔ بلکہ وہ ان کے لیے بہت بُرا ہے۔



﴿ سَيَطُوفُونَ مَا بِخَلُّوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ﴾ میں سَيَطُوفُونَ فعل مضارع - مَا موصولہ - بِخَلُّوا فعل ماضی یَوْمَ الْقِيَمَةِ مرکب اضافی ظرف - جملے کا معنی ہے: عنقریب قیامت کے روز ان کو اسی کا طوق پہنایا جائے گا جس میں انہوں نے بخل کیا۔

﴿ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴾ میں واو عاطفہ - لِلَّهِ کی لام حرف جر اور لفظ اللہ مجرور - مِيرَاثُ مصدر (مادہ ورث) السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس کا مضاف الیہ - وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ میں لفظ اللہ مبتدا اور خَبِيرٌ خبر - جملے کا معنی ہے: آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لئے ہے اور جو تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔

﴿ لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ اَغْنِيَاءُ ﴾ میں لَقَدْ تاکید کا - سَمِعَ اور قَالُوا فعل ماضی کے صیغہ لفظ اللہ ، سَمِعَ کا فاعل - قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا اس کا مفعول - اِنَّ حرف مشبہ بالفعل - لفظ اللہ اس کا اسم اور فَقِيرٌ اس کی خبر - واو عاطفہ - نَحْنُ ضمیر مرفوع متصل (جمع متکلم) مبتدا اَغْنِيَاءُ (غنی کی جمع) خبر - جملے کا معنی ہے: بے شک اللہ نے ان کی بات سن لی جنہوں نے کہا: بے شک اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔

﴿ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ﴾ میں نَكْتُبُ فعل مضارع جمع متکلم پر آنے والی سین معنی بعید کو مستقبل قریب کرنے کے لئے لائی گئی ہے۔ مَا موصولہ - قَالُوا فعل ماضی - قَتْلَهُمُ میں قَتَلَ مصدر اور هُمْ ضمیر قَالُوا کی ضمیر مستتر کی طرف راجع یعنی یہود - الْاَنْبِيَاءَ مفعول - بِغَيْرِ حَقٍّ ، ب حرف جر غَيْرِ حَقٍّ مجرور - جملے کا معنی ہے: عنقریب ہم وہ لکھ لیں گے جو انہوں نے کہا اور ناحق نبیوں کو ان کا قتل کرنا بھی۔

﴿ وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴾ میں واو عاطفہ - نَقُولُ فعل مضارع جمع متکلم - ذُوقُوا فعل امر - عَذَابَ الْحَرِيقِ مرکب اضافی اس کا مفعول - جملے کا معنی ہے: اور ہم کہیں گے جلا دیئے والا عذاب چکھو۔

﴿ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ اَيْدِيَكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلّٰمٍ لِّلْعَبِيدِ ﴾ میں ذٰلِكَ اسم اشارہ - بِمَا کی باء سبب کی اور مَا موصولہ - قَدَّمْتُمْ فعل ماضی - اَيْدِيْ جَمْع يَدٌ اور نَحْمُ ضمیر مخاطب کی یہ مرکب قَدَّمْتُمْ کا فاعل - اِنَّ حرف مشبہ بالفعل - لفظ اللہ اس کا اسم اور اگلا جملہ اسی کی خبر جس میں لَيْسَ فعل ناقص - ظَلّٰمِ حرف جر باء کی وجہ سے مجرور مبالغے کا صیغہ ہے - غَيِّدَ غَبَدٌ کی جمع - لام کی وجہ سے مجرور - جملے کا معنی ہے: یہ بدلہ ہے اس کا جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

﴿ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ عٰهَدَ اِلَيْنَا اَلَا نُوْمِنُ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يٰۤاْتِنَا بِقُرْاٰنٍ نَّاتٰكُلُهٗ النَّارُ ﴾ عٰهَدَ فعل ماضی - اِلَيْنَا کی ضمیر نا مجرور متصل اور اِلٰی حرف جر - نُوْمِنُ فعل مضارع قُرْاٰنٍ مصدر حرف جر کی وجہ سے مجرور۔

تَاْكُلُهُ كِي ضَمِيرُهُ بِقُرْبَانِ كِي طرفِ راجع۔ اَلنَّارُ اس کا فاعل۔ جملے کا معنی ہے: وہ لوگ جنہوں نے کہا ہے شک اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد لے رکھا ہے ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک وہ ایسی قربانی نہ لائے جس کو آگ کھا جائے۔

﴿قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ﴾ میں قُلْ فعل امر۔ قَدْ تحقیق کا۔ جَاءَ فعل ماضی کُمْ ضمیر مخاطب کی۔ رَسُولٌ فاعل۔ بِالْبَيِّنَاتِ کی بناء تعدیہ کی۔ جملے کا معنی ہے: آپ کہہ دیں کہ مجھ سے پہلے تمہارے پاس رسول علیہم السلام معجزات لائے۔

﴿وَبِالَّذِي قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ میں وَاوْ عاطفہ اَلَّذِي موصولہ۔ قُلْتُمْ اور قَتَلْتُمُوْا فعل ماضی۔ هُمْ ضمیر مفعول۔ اِنْ شرطیہ کُنْتُمْ فعل ناقص صَادِقِينَ خبر۔ جملے کا معنی ہے: اور وہ بھی لائے جو تم نے کہا۔ پھر تم نے ان کو قتل کیوں کیا اگر تم سچے ہو؟

﴿فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاءُوا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْزُبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ﴾ میں فَاِنْ كَذَّبُوْكَ شرط۔ اگلا جملہ جواب شرط۔ جَاءُوا سے آخر تک اس کا بیان۔ الزُّبُرُ، زُبُور کی جمع۔ جملے کا معنی ہے: پس اگر انہوں نے آپ کو جھٹلایا تو آپ سے پہلے رسولوں کو جھٹلایا گیا جو معجزے، صحیفے اور کتاب منیر لائے۔

﴿۴۱﴾

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۖ وَانَّمَا تُوَفَّقُونَ  
اُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ فَمَنْ زُحِرَ عَنْ  
النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۖ وَمَا  
الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ﴿۱۸۵﴾  
لَتَبْلُوُنَّ فِيْ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ  
وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ اٰوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ  
قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ اٰشْرَكُوْا اَذٰى كَثِيْرًا ۖ  
وَإِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزَمِ  
الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

”ہر نفس نے موت کا مزا چکھنا ہے اور قیامت کے روز تمہیں تمہارا پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ پس جو جہنم کی آگ سے بچایا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ یقیناً کامیاب ہوا اور دنیا کی زندگی دھوکے کا سامان ہے۔ تم اپنے مالوں اور جانوں میں ضرور آزمائے جاؤ گے۔ اور جو لوگ تم سے پہلے کتاب دیے گئے اور جنہوں نے شرک کیا، ان سے ضرور بہت سی تکلیف دینے والی باتیں سنو گے۔ اور اگر تم صبر کرو اور پرہیز گاری اختیار کرو تو بے شک یہ حوصلہ بلند کرنے والے کام ہیں۔“

## تشریح

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہاں انسان پر واضح کر دیا ہے کہ جس دنیا میں وہ زندگی گزارتا ہے جس کو بنانے سنوارنے میں اپنے رب کو بھول جاتا ہے جس میں ملنے والی کامیابیوں پر فخر کرتا اور نازاں ہوتا ہے وہ سب دھوکے کا سامان ہے۔ کیونکہ اللہ کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق جب موت اس پر واقع ہوتی ہے تو اعمال کے سوا ہر شے اس سے جدا ہو جاتی ہے۔ پھر وہی اعمال قبر اور حشر میں اس کی جزایا سزا کا سبب بنتے ہیں۔ قیامت کے روز اپنے برے اعمال کی سزا پانے والے جہنم کا ایندھن بنیں گے اور نیکی کی جزا پانے والے جنت میں داخل کر دیے جائیں گے۔ لہذا اصل کامیابی جہنم سے بچنا اور جنت میں داخل کیا جانا ہے۔

مشکوٰۃ المصابیح کے باب صفۃ الجنة میں بخاری و مسلم کے حوالے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا:

(( مَوْضِعُ سَوَاطِئِ الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا ))

”جنت میں ایک کوڑے کے برابر جگہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس سے بہتر ہے۔“

جب کہ باب صفۃ النار کے تحت جامع الترمذی (۹۵/۲) میں آپ ہی سے منقول ہے:

(( لَوْ أَنَّ قَطْرَةً مِنَ الزَّوْجِمْ قَطَرَتْ فِي دَارِ الدُّنْيَا لَأَفْسَدَتْ عَلَى أَهْلِ الْأَرْضِ مَعَايِشَهُمْ

فَكَيْفَ بِمَنْ يَكُونُ طَعَامَهُ ))

”زقوم کا ایک قطرہ اگر دنیا میں گر جائے تو دنیا والوں کی زندگی خراب کر دے۔ پس جن لوگوں کا وہ کھانا

ہوگا ان کا کیا حال ہوگا۔“

صحیح مسلم کتاب الزہد (۴۰۷/۲) کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(( الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ ))

”دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے۔“

مسند احمد (۷/۶) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(( الدُّنْيَا دَارُ مَنْ لَا دَارَ لَهُ وَمَالُ مَنْ لَا مَالَ لَهُ وَلَهَا يَجْمَعُ مَنْ لَا عَقْلَ لَهُ ))

”دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں اور اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہیں۔ اور اس کے لیے وہی

جمع کرتا ہے جس کو عقل نہیں۔“

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کو دھوکے کا سامان فرمایا کیونکہ جو دنیا کی زندگی میں اپنی موت کو بھول کر دھوکے کا سامان جمع کرنے میں لگا رہتا ہے آخرت میں اس کا انجام بہت برا ہوتا ہے۔ جامع الترمذی (۶۶/۲) کے باب الزہد میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(( أَكْثِرُوا ذِكْرَ هَٰذِهِمُ اللَّذَاتِ يَعْنِي الْمَوْتَ - ))

”لذتوں کو توڑنے والی موت کا ذکر کثرت سے کیا کرو۔“

ظاہر ہے جب انسان کا ایمان ہوگا کہ اس نے ایک دن موت کا مزہ چکھنا ہے اور اس کا جمع کردہ مال اس کے کام نہیں آئے گا تو پھر وہ مال کا دیوانہ ہونے کی بجائے اپنی آخرت کو سنوارنے کی کوشش کرے گا اور ان باتوں اور کاموں کے نزدیک نہیں جائے گا جن سے اس کی آخرت بگڑنے کا خطرہ ہو۔

یہاں یہ بھی خیال رہے کہ موت کا مزہ چکھنے سے یہ مراد نہیں کہ مرنے والا موت کا مزہ چکھ کر پھر زندہ ہو جاتا ہے اور دنیا والوں سے اس کا رابطہ بحال ہو جاتا ہے اور دنیوی معاملات میں اس کے اختیارات میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ مدد کے لیے پکارنے والوں کی پکار سنتا ہے اور ان کی مشکلات کو آسان کرتا ہے۔ ایسی سوچ رکھنے والا انسان یقیناً شیطان کی پیروی کر رہا ہے۔

صحیح مسلم (۳۱/۲) کے ”باب ما يلحق الانسان من الثواب بعد وفاته“ میں ابو ہریرہ سے مروی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(( إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ - ))

”جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے عمل اس سے منقطع ہو جاتے ہیں سوائے تین کے جن کا اجر اس کو اس کی وفات کے بعد بھی پہنچتا رہتا ہے۔) ایک یہ کہ اس نے اللہ کی مخلوق کی بھلائی کے لیے کوئی کام کیا ہو۔ (کوئی مسجد، مدرسہ، ہسپتال یا کسی رفاہ عامہ کے سلسلہ میں تعمیرات پر اللہ کا دیا ہوا مال خرچ کیا ہو۔ جب تک اس کی بنوائی ہوئی عمارت قائم رہے گی اور لوگ ان سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے تو اس کا اجر بنوانے والے کو اس کی موت کے بعد بھی ملتا رہے گا۔) دوسرا کوئی علمی کام کسی عالم نے اپنی زندگی میں کیا۔ (کوئی علمی کتاب لکھی یا قرآن و سنت کی لوگوں کو تعلیم دی اور اس کے شاگردوں نے اس نفع بخش علم کو آگے بڑھایا۔ اس کی موت کے بعد بھی وہ سلسلہ جاری رہا تو اس کا اجر اس عالم کو اس کی وفات کے بعد بھی پہنچتا رہے گا۔) تیسرا کام انسان کی نیک صالح اولاد یوں کرتی ہے کہ قرآن و سنت کے مطابق

عمل کرتے ہوئے اپنے والدین کے لیے دعا کرتی رہتی ہے اور ان کے لیے صدقہ جاریہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ ان کے شروع کردہ نیک کاموں کی تکمیل کرتی ہے۔“

جہاں تک انسان کے اپنے اختیار کا تعلق ہوتا ہے تو اس کی موت کے ساتھ ہی وہ ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ موت حیات کی ضد ہے۔ اس کے مرنے کے بعد بھی اس کو اگر زندوں کی طرح سمجھ لیا جائے تو مرنے کے بعد اس کی جزایا سزا کا معاملہ بے معنی ہو جاتا ہے۔ جو سراسر قرآن و سنت کی تعلیم اور اسلامی عقائد کے منافی ہے۔ مرنے کے بعد انسان کسی کو کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا بلکہ وہ خود دعاؤں کا محتاج ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ نماز جنازہ میں اور اس کو دفنانے کے بعد اس کے لیے دعا کی جاتی ہے۔ پھر اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہو جاتا ہے۔ سورة عنکبوت میں ارشاد ہوا ہے:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ﴾ (۵۷)

”ہر نفس نے موت کا مزہ چکھنا ہے پھر تم ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے۔“

سورة الانبیاء میں یہ بھی ارشاد ہوا:

﴿وَبَلَّوْا كُمْ بِالْخَيْرِ وَالْخَيْرِ فِتْنَةٌ﴾ (۳۵)

”اور شر اور خیر کے فتنے سے ہم تم کو آزمائیں گے۔“

یعنی اپنی نعمتوں سے نواز کر اور مشکلات میں ڈال کر آزمائش کریں گے۔

اس لحاظ سے ہر انسان ہر وقت آزمائش میں ہوتا ہے۔ کیونکہ دنیا کی زندگی میں اس کو بھلائی اور برائی دونوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بسا اوقات بھلائی کو اپنانے میں تکالیف اور مصائب کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ جب کہ برائی اپنانے میں آسانیاں ہی ہوتی ہیں۔ البتہ شیطان کی مزین کردہ برائی سے بچنا آسان نہیں ہوتا۔ لہذا دونوں ہی صورتوں میں اپنی اور اپنے دین کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ کی توفیق کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لیے ہمیں لا حول ولا قوۃ الا باللہ کا ورد کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ کیونکہ اللہ کی توفیق کے بغیر انسان نہ گناہوں سے بچ سکتا ہے اور نہ نیکی کے کام ہی کر سکتا ہے۔ جب انسان یہ ورد کرتا ہے تو اپنا پورا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیتا ہے۔ اللہ کا قانون ہے کہ جو ایسا کرتا ہے تو وہ اس کی مدد فرماتا ہے۔

مسند احمد (۱۹۲/۲) میں حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو کوئی پسند کرتا ہے کہ وہ آگ سے بچایا جائے اور جنت میں داخل کیا جائے اس کو چاہیے کہ اس کی موت اُسے اس حال میں پائے کہ وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور لوگوں کو وہ دے جو خود ان کی

طرف سے دیا جانا پسند کرتا ہو۔“

سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقی کامیابی کے حصول کا طریقہ بھی بتا دیا کہ موت آنے سے پہلے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان مضبوط ہونا چاہیے۔ کیونکہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ نے ہی ہر انسان کی جزایا سزا کا معاملہ اس کے اعمال کے مطابق کرنا ہے۔ اسی کا اعلان ہے کہ اہل ایمان کی ان کے مالوں اور ان کی جانوں میں ضرور آزمائش ہوگی۔ اللہ کے دیے ہوئے مال وہ اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں کہ نہیں۔ وہ حرص و لالچ کا شکار ہو کر بخیلی کا مظاہرہ تو نہیں کرتے۔ اسی طرح ضرورت پڑنے پر اللہ کے دین کے دفاع اور اس کی سر بلندی کے لیے اپنے جانیں پیش کرتے ہیں کہ نہیں۔ آزمائش کا سلسلہ اس لیے رکھا گیا کہ اہل حق کی اہل باطل سے تمیز ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ خود تو نیتوں کا جاننے والا ہے۔ لیکن وہ اہل باطل کی ظاہری اور پوشیدہ مخالفت سے مطلع رکھنا چاہتا ہے۔ اللہ علیم وخبیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اہل کتاب اور مشرکوں کے جن عزائم سے آگاہ فرمایا، ان کے مطابق آج بھی پوری قوت و طاقت استعمال کرتے ہوئے عمل کیا جا رہا ہے۔ بلکہ ان میں شدت بڑھتی جا رہی ہے۔ سورة البقرہ میں واضح طور پر ارشاد ہوا ہے۔

﴿وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾

”یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک آپ ان کی پیروی نہ کریں۔“

آج بھی ان کی یہی کوشش ہے کہ دنیا کے تمام مسلمان ان کے تابع ہو جائیں۔ اسلامی ملکوں میں قرآن و سنت کی تعلیم کی بجائے ان کے مرتب کردہ نصاب پڑھائے جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ سے کہلوا دیا۔

﴿قُلْ إِنْ هَدَىٰ اللَّهُ هُوَ الْهُدَىٰ﴾

”آپ کہہ دیں کہ بے شک حقیقی ہدایت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔“

جو کچھ اللہ نے نازل فرمایا اور اس کے نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے کر کے دکھایا وہی حق اور سچ ہے۔ اس کے علاوہ سب کچھ گمراہی کا سبب بننے والا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور آپ کے ذریعے آپ کی امت پر واضح کر دیا۔

﴿وَلَمَّا أَتَبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا

نَصِيرٍ (۱۲۰)﴾

”آپ کے پاس حقیقی علم آجانے کے بعد اگر آپ نے ان کی (یعنی یہود و نصاریٰ کی) خواہشات کی

اجتماع کی تو اللہ کی طرف سے آپ کا کوئی دوست اور مددگار نہ ہوگا۔“

اس ایک مذکورہ آیت میں امت محمدیہ کے لیے کامل ترین رہنمائی مہیا کر دی گئی ہے اور اسلام دشمن طاقتوں کے عزائم کو خاک میں ملانے کا طریقہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ صرف اللہ کی ہدایت کے مطابق عمل کرنا ہے۔ ہدایت کو اپناؤ گے تو اللہ کو اپنا دوست اور مددگار پاؤ گے۔ اگر یہود و نصاریٰ کی خواہشات کی تکمیل کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی نصرت و اعانت سے محروم ہو جاؤ گے۔ امت محمدیہ کا معاملہ آج اسی لیے بڑھ گیا ہے کہ امت قرآن حکیم کی ہدایت کے مطابق عمل پیرا نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہی آگاہ کر دیا تھا کہ تم اہل کتاب اور مشرکوں سے تکلیف دینے والی بہت سی باتیں سنو گے۔ قرآن حکیم کی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ ہر دور میں پڑھنے والے کو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نزول ہمارے لیے ہوا ہے۔ مسلمانوں اور اسلام کے خلاف وہی کچھ ہو رہا ہے جو اسلام کے ابتدائی دور میں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے اہل ایمان کو مخالفوں کی ضرر رسانی سے بچنے کا طریقہ جو قرآن میں بتایا، وہی آج کے مسلمانوں کے لیے بھی اسی طرح مفید ہوگا جس طرح صحابہ کے لیے ہوا اور وہ تکالیف پر صبر کرتے رہنا اور صاحب تقویٰ بننے کی کوشش کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کاموں کو حوصلہ بلند کرنے اور عزم کو پختہ کرنے والے قرار دیا ہے۔ انہی کو اپنانے کی وجہ سے مسلمان مخالفت کرنے والوں پر غالب آئے اور ان شاء اللہ انہی کے مطابق عمل کرنے سے ہماری مشکل آسان ہوگی۔ اللہ اس کی ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

### حل لغات:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ میں کُلُّ نفس (مربک اضافی) مبتدا اور ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اس کی خبر، جملے کا معنی ہے: ہر نفس نے موت کا مزا چکھنا ہے، یعنی جو بھی پیدا ہوگا۔ اس نے ایک دن مر جانا ہے۔

﴿وَأَنَّمَا تُوَفُّونَ أُجُورَ كُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ میں وَاو عاطفہ۔ إِنَّمَا کلمہ حصر۔ تُوَفُّونَ باب تفعیل (مادہ: وف ی) سے فعل مضارع مجہول، جمع مذکر حاضر۔ أُجُورَ كُمْ مفعول۔ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مرکب اضافی ظرف زمان۔ جملے کا معنی ہے اور بے شک قیامت کے دن تم پورا پورا اجر دیے جاؤ گے۔

﴿فَمَنْ رُخِزَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ میں مَنْ موصولہ (شرطیہ) پر فائے ربط۔ رُخِزَ وَأُدْخِلَ دونوں فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب۔ پہلا باب رباعی سے اور دوسرا ثلاثی مجزئ سے۔ عَنْ حرف جر۔ النَّارِ مجرور۔ الْجَنَّةِ اُدْخِلَ کا مفعول فیہ۔ فَقَدْ تحقیق کا۔ فَازَ فعل ماضی معروف واحد مذکر غائب۔ جملے کا معنی ہے: پس جو جہنم کی آگ سے بچایا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا، یقیناً وہ کامیاب ہوا۔



﴿وَمَا الْحَيَوةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْفُرُورِ﴾ میں واو عاطفہ۔ مآنیہ۔ الْحَيَوةُ الدُّنْيَا مرکب توصیفی۔ الْأَرْفِ استثناء۔ مَتَاعُ الْفُرُورِ (مرکب اضافی) مستثنیٰ۔ الْفُرُورُ مصدر ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور نہیں ہے دنیاوی زندگی مگر دھوکے کا سامان۔ یہ عربی گرامر کی رو سے جملے کی ایسی ترکیب ہے جس کے ذریعے ہر قسم کے شک و شبہ کو دور کر دیا جاتا ہے۔ یعنی دنیاوی زندگی سراسر دھوکہ ہے۔ اس میں ملنے والی ہر شے عارضی اور فانی ہے۔

﴿لَتُبْلَوُنَّ فِيْ أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ﴾ میں لَتُبْلَوُنَّ فعل مضارع مجہول تَبْلُوْنُ پر لام تاکید اور آخر میں نون ثقیلہ آیا ہوا ہے جس کی وجہ سے نون اعرابی اور واو ساکن گری ہوئی ہے۔ فعی حرف جر۔ أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ معطوف اور معطوف علیہ مجرور۔ جملے کا معنی ہے: تم ضرور آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں اور اپنی جانوں میں۔

﴿وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيْرًا﴾ میں واو عاطفہ۔ لَتَسْمَعُنَّ پر بھی لام تاکید اور آخر میں نون ثقیلہ۔ مِنْ دونوں جگہ حرف جر۔ الَّذِينَ موصولہ۔ أُوتُوا فعل ماضی مجہول جمع مذکر غائب۔ الْكِتَابِ اس کا مفعول۔ مِنْ حرف جر۔ قَبْلِكُمْ مجرور۔ أَشْرَكُوا فعل ماضی معروف جمع مذکر غائب۔ أَذًى كَثِيْرًا مرکب توصیفی مفعول۔ أَذًى: آذًى يَأْذِي (س) سے مصدر۔ نفسانی اور جسمانی ضرر رسائی کے لیے یہ فعل استعمال ہوتا ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور تم ضرور سنو گے ان لوگوں سے جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے اور ان لوگوں سے بھی کہ جنہوں نے شرک کیا بہت زیادہ تکلیف دہ باتیں۔

﴿وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾ میں واو عاطفہ۔ اِنْ شرطیہ۔ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا دونوں فعل مضارع معروف جمع مذکر حاضر کے صیغے۔ دونوں کا نون اعرابی اِنْ کی وجہ سے گرا ہوا ہے۔ فاء جواب شرط۔ اِنْ حرف مشبہ بالفعل۔ ذَلِكَ اسم اشارہ۔ مِنْ حرف جر۔ عَزْمِ الْأُمُورِ مرکب اضافی مجرور۔ عَزْمُ مصدر کا معنی پختہ اور مضبوط کرنا۔ جب کہ الْأُمُورِ الْأُمُورِ کی جمع۔ جملے کا معنی ہے: اور اگر تم صبر کرو گے اور پرہیز گاری اختیار کرو گے تو یہ یقیناً بڑے پختہ فائدہ بخش کام ہوں گے۔

۳۲

اور جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے پکا عہد لیا جن کو کتاب دی گئی کہ تم اس کو لوگوں کے سامنے ضرور بیان کرتے رہو گے اور تم اس کو چھپاؤ گے نہیں، تو انہوں نے اس عہد کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھیک دیا اور انہوں نے

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لُبِئْتُكُمْ بِالنَّاسِ وَلَا تَكْفُمُوهُ فَتَبْلُوهُ وَرَأَى ظُهُورَهُمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَبَيَسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿١٨٧﴾

اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت لے لی۔ پس بہت برا بیوپار ہے جو وہ کرتے ہیں۔

آپ ان کے بارے میں ہرگز توقع نہ کریں جو اپنے کیے پر خوش ہوتے ہیں اور پسند کرتے ہیں کہ ان کی ایسے کاموں پر تعریف کی جائے جو انہوں نے نہیں کیے پس آپ بالکل خیال نہ کریں کہ وہ عذاب سے نجات پانے والے ہیں۔ بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

لَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُجِبُونَ أَنْ يُحْمَلُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسِبْنَهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٨٨﴾

وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٨٩﴾

### تشریح :

سورة آل عمران کی آیت ۸۱ میں ذکر ہو چکا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں (علیہم السلام) سے عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب و حکمت سے نوازوں پھر وہ رسول آئے جو اس کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے۔ تو تم ضرور اس پر ایمان لاؤ گے اور اس کی بھرپور مدد کرو گے۔ کیا تم نے اقرار کیا اور میری طرف سے عائد ہونے والی ذمہ داری قبول کر لی؟ تو تمام انبیاء علیہم السلام نے کہا: ہم نے اقرار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس تم گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں اور جو اس کے بعد اس عہد سے پھرے گا پس وہی لوگ فاسق ہوں گے۔“

ظاہر ہے کہ اس عہد میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان کی امتیں بھی شریک تھیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف ان کو جو بھی حکم ملتا تھا وہ اپنی اپنی امت تک پہنچا دیتے تھے۔ جب انبیاء علیہم السلام کو علم تھا کہ ایک رسول ایسے آئیں گے جن پر نبوت و رسالت ختم کر دی جائے گی تو یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ان کی امتیں اس رسول کی بعثت سے آگاہ نہ ہوتیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورة الانعام آیت ۲۰ اور سورة البقرہ آیت ۱۳۶ میں خود ہی واضح کر دیا:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِشِرْكٍَ كَبِيرٍ﴾

”جن کو ہم نے کتاب دی، وہ اس کو (یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کو) اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح

اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔“

لہذا اہل کتاب سے بھی اللہ تعالیٰ نے یہ عہد لے لیا کہ وہ آخری مبعوث ہونے والے رسول کے بارے میں

لوگوں کو واضح طور پر بتائیں گے اور ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں چھپائیں گے۔ لیکن انہوں نے اس عہد کا کوئی خیال نہ کیا۔ معمولی سی قیمت لے کر نہ صرف چھپایا بلکہ اس کو ایسے پھینک دیا جیسے اس کی کوئی وقعت نہ تھی۔ یہود کا یہ نتیجہ عمل کوئی نیا نہ تھا۔ عہد شکنی کے بہت سے واقعات ان کی تاریخ کا حصہ ہیں۔ جنہوں نے اپنے نبیوں کو جین نہ لینے دیا وہ سید الانبیاء کی اطاعت کرنے اور آپ پر ایمان لانے کے لیے کیسے تیار ہو سکتے تھے؟

امام القرطبی رحمہ اللہ نے الضحاک سے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ یہودی علماء اپنے سرداروں سے کہا کرتے تھے:

”إِنَّا نَجِدُ فِي كِتَابِنَا أَنَّ اللَّهَ يَنْبَغُ نَبِيًّا فِي آخِرِ الزَّمَانِ يَخْتُمُ بِهِ النُّبُوَّةُ“

”بے شک ہم اپنی کتاب میں پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آخری زمانے میں یقیناً ایک نبی مبعوث کرے گا جس پر نبوت ختم کر دے گا۔“

”فَلَمَّا بَعَثَهُ اللَّهُ سَأَلَهُمُ الْمَلُوكُ أَمَّا هَذَا الَّذِي تَجِدُونَهُ فِي كِتَابِكُمْ؟“

”لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا تو سرداروں نے ان سے پوچھا: کیا یہی وہ ہیں جن کو تم اپنی کتاب میں پاتے ہو؟“

”فَقَالَ الْيَهُودُ طَمَعًا فِي أَمْوَالِ الْمَلُوكِ: هُوَ غَيْرُ هَذَا.“

”یہودی علماء نے سرداروں سے مال وصول کرنے کی طمع میں کہا کہ یہ وہ نہیں ہیں۔“

”فَاعْطَاهُمُ الْمَلُوكُ الْخَزَائِنَ“

”تو سرداروں نے ان کو مال کے خزانے عطا کر دیے۔“

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سرداروں کا خیال تھا کہ شاید ان میں سے کسی کے حصے میں نبوت آجائے اور جب ان کے علماء نے محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار کیا تو اس پر وہ خوش ہو گئے۔

امام القرطبی رحمہ اللہ نے محمد بن کعب القرظی سے نقل کیا ہے کہ:

﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا﴾ نَزَلَتْ فِي عُلَمَاءِ بَنِي إِسْرَائِيلَ الَّذِينَ كَتَمُوا الصَّوْقَ وَآتَوْا مَلُوكَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ مَا يُؤَا فَعَهُمْ فِي بَاطِلِهِمْ -

”یہ آیت (۱۸۸) بنو اسرائیل کے علماء کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے حق چھپایا اور اپنے

سرداروں کے پاس وہ علم لائے جو ان کی باطل سوچوں کے موافق تھا“ (کہ کہیں ان کی سرداریوں کو کوئی

خطرہ لاحق نہ ہو جائے۔)

یہودی علماء نے حق کو چھپا کر اپنے سرداروں کو خوش کرنے کا جو سودا کیا اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت فرمائی۔

کیونکہ کستان حق انسان کو جہنم میں لے جاتا ہے۔

صحیح بخاری (ص ۶۵۶) کتاب التفسیر اور صحیح مسلم (۳۶۹/۲) کتاب صفات المنافقین میں حضرت ابوسعید الخدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں جب آپ کسی غزوہ کے لیے نکلتے تو منافقوں میں سے کئی لوگ جان بوجھ کر پیچھے رہ جاتے اور ایسا کرنے پر بڑے خوش ہوتے۔ نبی کریم ﷺ جب واپس تشریف لاتے تو جھوٹی قسمیں کھا کر کوئی نہ کوئی عذر بیان کر دیتے اور پسند کرتے کہ جو کام انہوں نے نہیں کیے، ان پر ان کی تعریف کی جائے۔ ان کے اس منافقانہ عمل پر اللہ تعالیٰ نے لَاحُ خَسْبُہُ والی آیت نازل فرمادی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے کسی شے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے صحیح بات کو چھپا کر غیر صحیح کہہ دی اور کستان حق پر بڑے خوش ہوئے۔ ان کی خیانت کی یہ انتہا تھی کہ ایک طرف اللہ سے کیے ہوئے عہد کی پروا نہ کی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو چھپایا اور عہد کے مطابق لوگوں کے سامنے کھول کر بیان نہ دیا۔ دوسری طرف حق کو چھپانے کی قیمت وصول کرتے اور اس پر بڑی بے شرمی سے خوشیاں مناتے۔ جس پر ان کو دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی۔

تفسیر ابن جریر الطبری میں قتادہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جس میثاق کا یہاں ذکر ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے وہ تمام اہل علم سے لے رکھا ہے۔ پس جس کسی نے علم میں سے کچھ حصہ پایا، اسے چاہیے کہ اس کو آگے پڑھائے اور سکھائے اور علم کو چھپانے سے بچا رہے کیونکہ علم کا چھپانا بلاکت ہے۔ کوئی آدمی اس کا تکلف نہ کرے جس کا اس کو علم نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ دین سے خارج ہو کر محکفین میں سے ہو جائے۔ کہا گیا ہے کہ جس علم کو پڑھایا، سکھایا اور آگے نہ بڑھایا جائے اس کی مثال اس خزانے جیسی ہے جس میں سے کچھ خرچ نہ کیا جائے اور اس حکمت جیسی ہے جس سے فائدہ نہ اٹھایا جائے یا اس بت کی طرح ہے جو نہ کھاتا ہو اور نہ پیتا ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ خوش خبری ہو اس عالم کو جو اپنی گفتگو کے ذریعہ علم لوگوں تک پہنچاتا ہے اور اس کے لیے جو سن کر یاد رکھتا ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس نے علم حاصل کیا پھر اس کو آگے پڑھایا، اس میں کوشش کی اور لوگوں کو اس کی دعوت دی، اور یہ وہ ہے جس نے سنا ہو یا دیکھا، اس کی حفاظت کی اور اس سے فائدہ اٹھایا اور فائدہ پہنچایا۔

کستان علم کے بارے میں جامع الترمذی (۱۰۴/۲) اور سنن ابی داؤد (ص ۵۱۵) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(( مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَهُ ثُمَّ كَتَمَهُ أَلْحِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلَحَامٍ مِنْ نَارٍ ))

”جس سے علم کی کسی بات کے بارے میں سوال کیا جائے جو اس کے علم میں ہو پھر وہ اس کو چھپائے تو

قیامت کے روز اس کو آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔“

محمد بن کعب القرظی کا قول ہے:

”لَا يَجِلُّ لِعَالِمٍ أَنْ يَسْكُنَتْ عَلَى عِلْمِهِ وَلَا لِلْجَاهِلِ أَنْ يَسْكُنَتْ عَلَى جَهْلِهِ۔“

”عالم کے لیے جائز نہیں کہ اپنے علم پر خاموش رہے اور نہ ہی جاہل کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی جہالت پر خاموش رہے۔“

یعنی عالم کا فرض ہے کہ اللہ نے جس علم سے اس کو نواز رکھا ہے۔ اس کو پھیلانے کی کوشش کرے اور جاہل پر بھی فرض ہے کہ اپنی جہالت کو دور کرنے کے لیے حصول علم کے لیے کوشاں رہے۔

تفسیر القرطبی میں الحسن بن عمارہ سے مروی ہے کہ میں امام زہری رحمہ اللہ کے پاس ان دنوں میں آیا کہ جب وہ حدیث بیان کرنے سے رک گئے تھے۔ میں نے ان کے گھر کے دروازے پر ڈیرہ لگا کر ان سے کہا: آپ مجھ سے حدیث بیان کریں۔ انہوں نے کہا:

”تم جانتے نہیں کہ میں نے حدیث بیان کرنی چھوڑ دی ہے۔“

میں نے کہا۔ آپ مجھے حدیث سنائیں گے کہ میں آپ کو سناؤں؟ انہوں نے کہا: ”تم سناؤ۔“ میں نے کہا: مجھے الحکم بن حمیہ نے یحییٰ بن الجزار کے حوالے سے بیان کیا کہ انہوں نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا: ”مَا أَخَذَ اللَّهُ عَلَى الْجَاهِلِينَ أَنْ يَتَعَلَّمُوا حَتَّى أَخَذَ عَلَى الْعُلَمَاءِ أَنْ يُعَلِّمُوا۔“

”اللہ تعالیٰ نے جہلاء کو اس وقت تک علم حاصل کرنے کا پابند نہیں کیا جب تک علماء کو علم پڑھانے اور سکھانے کا پابند نہیں کیا۔“

الحسن کا بیان ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول سن کر امام زہری رحمہ اللہ نے مجھ سے چالیس احادیث بیان کر دیں۔ اسلام کی عظمت کا اندازہ اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس میں علم کو چھپانے کا نہیں بلکہ پھیلانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے برعکس اہل کتاب حق کو چھپا کر خوش ہوا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی خوشیوں کو خاک میں ملاتے ہوئے حق کو غلبہ عطا فرمایا اور ان پر واضح کر دیا کہ ان کے برے اعمال کی وجہ سے ان کو جس عذاب میں مبتلا کیا جائے گا، اس سے وہ ہرگز نجات نہیں پائیں گے۔ ان کے اس قول کہ ”ہم غنی اور اللہ (نعوذ باللہ) فقیر ہے“ کا بھی رد کر دیا کہ اللہ وہ ہے جس کی بادشاہت آسمانوں اور زمین میں ہے۔ سورۃ طہ میں ارشاد ہوا۔

﴿لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرَى﴾ (۶)

”اسی کے لیے ہے جو آسمانوں اور جو زمین میں اور جو ان دونوں کے درمیان اور جو زمین کے اندر تری کے

”نیچے ہے۔“

یعنی کل کائنات کا خالق و مالک وہی ہے اور ہر شے پر وہی قدرت رکھنے والا ہے۔  
حق کو پانے اور اس کو آگے پہنچانے کی اللہ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

### حل لغات:

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ﴾ میں اِذْ طرف مبنی۔ أَخَذَ فعل ماضی معروف۔ لفظ اللَّهُ اس کا فاعل۔ مِيثَاق مضاف۔ الَّذِينَ اسم موصول۔ أُوتُوا فعل ماضی مجہول۔ الْكِتَاب اس کا مفعول الَّذِينَ کا صلہ۔ موصول صلہ کر مِيثَاق کا مضاف الیہ۔ پھر یہ مرکب اضافی أَخَذَ کا مفعول۔ جملے کا معنی ہے: اور جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے پکا عہد لیا جو کتاب دیئے گئے۔

﴿لَتُبَيِّنَنَّ لِلنَّاسِ﴾ میں لَتُبَيِّنَنَّ کی ضمیر ہُ الْكِتَاب کی طرف راجع۔ جس میں محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت و رسالت کا بیان موجود تھا۔ تَبَيَّنَ فعل مضارع پر لام تاکید کا اور آخر میں نون ثقیلہ۔ تَبَيَّنَ اصل میں تَبَيَّنُونَ تھا۔ نون ثقیلہ کی وجہ سے واو اور نون گری ہوئی ہے۔ لِلنَّاسِ کی لام حرف جر اور ناس مجرور۔ واو عاطفہ۔ تَكْتُمُونَ فعل مضارع جمع ذکر حاضر۔ ہُ ضمیر محمد ﷺ کے ذکر کی طرف راجع۔ جملے کا معنی ہے: تم ضرور اس کو لوگوں سے بیان کرو گے اور اس کو چھپاؤ گے نہیں۔

﴿فَبَدَّلْهُمُ ذَرْأًا طُغْيَورِهِمْ﴾ فَبَدَّلْهُمُ کی ضمیر ہُ مِيثَاق کی طرف راجع اور بَدَّلْوا فعل ماضی بمعنی طَرَحُوا۔ ذَرْأًا طُغْيَورِهِمْ سے مراد خَلْف طُغْيَورِهِمْ ہے اور یہ ترکیب مبالغۂ استعمال ہوئی ہے۔ واو عاطفہ۔ اِشْتَرَوْا فعل ماضی۔ بہ کی باء بدلے کی اور ہُ ضمیر مجرور متصل بھی اہل کتاب کے ميثَاق ہی کی طرف راجع۔ نَمَنَّا فَلْيَلَا مرکب توصیعی مفعول۔ جملے کا معنی ہے: پس انہوں نے اس کو اپنی بیٹیوں کے پیچھے پھینک دیا اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت لے لی۔

﴿فَلْيَسَ مَا يَشْتَرُونَ﴾ میں يَسَ فعل ذم۔ مَا موصول۔ يَشْتَرُونَ فعل مضارع۔ جملے کا معنی ہے: پس جو کاروبار وہ کر رہے ہیں، بہت برا ہے۔

﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أُوتُوا﴾ میں لَا تَحْسَبَنَّ تاکید کے ساتھ فعل نہی ہے اور یہ افعال قلوب میں سے ہے۔ الَّذِينَ موصول۔ يَفْرَحُونَ فعل مضارع۔ بِمَا کی باء حرف جر (تعدیہ)۔ مَا موصول۔ أُوتُوا فعل ماضی۔ جملے کا معنی ہے: آپ ہرگز گمان نہ کریں ان کو جو خوش ہو رہے ہیں اس پر جو وہ لائے۔

﴿وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَلُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا﴾ واو عاطفہ۔ يُحِبُّونَ فعل مضارع۔ أَنْ ناصبہ۔ يُحْمَلُوا فعل مضارع

مجہول کی نون ان کی وجہ سے گری ہوئی ہے۔ ہما کا ما موصولہ۔ یَفْعَلُوا فعل مضارع لَمْ نفی جحد کی وجہ سے مجزوم ہے۔ جملے کا معنی ہے: اور وہ پسند کرتے ہیں کہ ان کی اس پر تعریف کی جائے جو انہوں نے نہیں کیا۔

﴿فَلَا تَحْسَبْنَهُمْ بِمَقَارَةِ مِنَ الْعَذَابِ﴾ میں مَقَارَةِ حرف جر باء کی وجہ سے مجرور اور یہ فَارَزْ يَقْوُزُ سے مصدر میمی۔ جملے کا معنی ہے: آپ ان کے بارے میں یہ بھی خیال نہ کریں کہ وہ عذاب سے نجات پانے والے ہیں۔  
﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ میں عَذَابٌ أَلِيمٌ مرکب توصیفی۔ جملے کا معنی ہے: بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

۴۳

بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور رات دن کے آنے جانے میں عقل مندوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔

جو کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اپنے پہلوؤں پر لیٹ کر اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ اے ہمارے رب! تو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا۔ تو پاک ہے۔ پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔

اے ہمارے رب! جس کو تو جہنم میں ڈال دے۔ تو نے اس کو رسوا کر دیا اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوگا۔  
اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک منادی کرنے والے کو سنا جو ایمان کے لیے منادی کر رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ۔ پس ہم ایمان لے آئے۔

اے ہمارے رب! ہمیں وہ عطا کر دے کہ جس کا تو نے ہم سے رسولوں کے ذریعہ وعدہ کیا اور قیامت کے روز ہمیں رسوا نہ کرنا۔ بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ  
وَاجْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي  
الْأَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَى  
جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ  
وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا  
سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾

رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تَدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْرَجْتَهُ  
وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿١٩٢﴾

رَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ  
آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَأَمَّا رَبَّنَا فَأَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا  
وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَقَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ﴿١٩٣﴾

رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلَى رُسُلِكَ وَلَا  
تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ  
الْمِيعَادَ ﴿١٩٤﴾



## تشریح:

فکرو تفکر اللہ تعالیٰ کی انسان کو عطا کردہ وہ نعمت و قوت ہے کہ جو اس کے الجھے ہوئے معاملات کو سلجھانے میں نہ صرف ممد و معاون ہوتی ہے بلکہ اس کی معلومات میں اس کے مرنے تک اضافے کا سبب بنتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بیان کردہ نشانیوں میں فکرو تفکر کرنے کا حکم دیا ہے۔ تاکہ اس کی مخلوق اپنے حقیقی خالق کو پہچان کر شیطان کے بہکاوے سے بچ جائے اور جہنم کا ایندھن بننے کی بجائے جنت میں داخل ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ جب انسان آسمان کو دیکھ کر ذرا غور و فکر کرے کہ اس کو بنانے والا کون ہے؟ ایسا آسمان کہ جس کی اونچائی، لمبائی، چوڑائی اور اس کی موٹائی کے بارے میں کسی کو علم نہیں۔ اس کا بنانے والا کیسا ہو گا؟ اور جس طرح اس نے چاند، سورج، ستاروں اور سیاروں کا بے مثال نظام قائم کر رکھا ہے۔ اس کی مثل کوئی ہو سکتا ہے؟ سورة الشوریٰ میں اللہ نے خود ہی اعلان کر دیا۔ لیس گریٹیم شیء (۱۱) اس کی مثل کوئی نہیں۔ یہاں اس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور رات و دن کے آنے جانے کا ذکر فرمانے کے ساتھ یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ عقل و دانش والے ان میں تفکر کرتے رہتے ہیں۔ اس کی تخلیق اور اس میں رواں دواں نظام کا مشاہدہ کرتے ہوئے اسی کے ذکر میں مصروف و مشغول رہتے ہیں۔ جسمانی صحت کے اعتبار سے جس حال میں بھی ہوتے ہیں۔ ذکر الہی میں کسی قسم کی کوتاہی واقع نہیں ہونے دیتے۔

صحیح بخاری کے ابواب تقصیر الصلوٰۃ (ص ۱۰) میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے بوا سیر کی تکلیف تھی۔ اس میں نماز پڑھنے کے بارے میں رسول ﷺ سے میں نے پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا۔

(( صَلِّ قَائِمًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلَى جَنْبٍ ))

”کھڑے ہو کر نماز پڑھا کرو۔ اگر کھڑے نہ ہو سکو تو بیٹھ کر پڑھ لیا کرو اور اگر بیٹھ بھی نہ سکو تو لیٹے لیٹے

پڑھتے رہو۔“

اس سے معلوم ہوا کہ نماز ایسا فریضہ ہے کہ مسلمان سے اس وقت تک ساقط نہیں ہوتا کہ جب تک اس کے ہوش و حواس قائم رہتے ہیں۔ جب کہ موجودہ دور کے مسلمانوں کی اکثریت اس فریضہ کی ادائیگی میں انتہائی تساہل و غفلت کا شکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کو عقل مند قرار دیا جو کہ کھڑے بیٹھے اور لیٹے اس کا ذکر کرتے ہوئے اس کی تخلیق میں غور و فکر بھی کرتے رہتے ہیں۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ ایک گھڑی غور و فکر کرنا رات بھر کے قیام سے افضل ہے۔ انہی سے دوسرا قول فضیل رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے منقول ہے کہ غور و فکر اور تفکر ایک ایسا آئینہ ہے۔ جو تیرے سامنے تیری بھلائیاں اور برائیاں پیش کر دیتا ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کہا کرتے تھے کہ غور و فکر ایک نور ہے۔ جو تیرے دل میں داخل ہوتا ہے اور وہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

إِذَا الْمَرْءُ كَانَتْ لَهُ فِكْرَةٌ  
لَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَهُ عِبْرَةٌ

جب آدمی میں فکر کرنے کی عادت ہوگی تو اس کو ہر شے میں عبرت دکھائی دے گی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے:

”خوش نصیب ہے وہ شخص کہ جس کا بولنا اللہ کا ذکر اور نصیحت ہو اور اس کا چپ رہنا غور و فکر ہو اور اس کا دیکھنا عبرت و تنبیہ ہو۔“

لقمان حکیم نے بڑی حکمت کی بات کی کہ تنہائی کی گوشہ نشینی جس قدر زیادہ ہوگی۔ اتنی ہی غور و فکر اور انجام نبی زیادہ ہوگی اور انسان پر اتنے ہی راستے کھلتے جائیں گے کہ جو اس کو جنت میں پہنچائیں گے۔

وہب بن منہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جس قدر فکر و فکر زیادہ ہوگا۔ اتنی ہی سمجھ بوجھ بڑھے گی۔ جتنا اضافہ سمجھ بوجھ میں ہوگا اتنا ہی علم نصیب ہوگا اور جتنا علم ملے گا۔ اتنے اعمال بڑھیں گے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا کہنا تھا کہ اللہ کے ذکر میں زبان چلانا بہت اچھا ہے اور خدا کی نعمتوں میں غور و فکر کرنا افضل عبادت ہے۔

www.KitaboSunnat.com

حضرت مغیث اسود رحمہ اللہ کے بارے میں روایت ہے کہ وہ اپنی مجلس میں بیٹھے ہوئے کہنے لگتے۔ لوگو! ہر روز قبرستان جایا کرو۔ تاکہ تمہیں اپنے انجام کا خیال رہے اور اپنے دل میں اس منظر کو حاضر کیا کرو کہ تم اللہ کے سامنے کھڑے ہو۔ ایک جماعت کو جنت میں یا ایک جماعت کو جہنم لے جانے کا حکم ہوا۔ اپنے دلوں اور اپنے جسموں کو جہنم کی آگ۔ اس کے ہتھوڑوں اور اس طبقوں سے آگاہ کیا کرو۔ پھر دھاڑیں مار کر رونے لگتے۔ یہاں تک کہ بے ہوش ہو جاتے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول تھا کہ جب اپنے دل میں خدا خونی کو اجاگر کرنے کا ارادہ کرتے تو کسی کھنڈر بنی عمارت کے دروازے پر کھڑے ہو کر غم میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہتے۔ اَسْنِ اَہْلُک تیرے رہنے والے کہاں ہیں۔ پھر خود ہی کہتے۔ کُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ۔ ﴿﴾ اس کے چہرے یعنی اللہ کے سوا ہر شے ہلاک ہونے والی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ غور و فکر کی روشنی میں پڑھی جانے والی درمیانی رکعتیں اس رات بھر کے قیام

سے بہتر ہیں کہ جس میں دلجمعی نہ ہو۔

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بھی کہنا ہے کہ اے ابن آدم! اپنے پیٹ کے ایک تہائی حصے کے مطابق کھا۔ ایک تہائی کے مطابق پانی پی اور ایک تہائی کو غور و فکر کا سانس لینے کے لیے چھوڑ دے۔

بشرحانی کا قول ہے:

”لَوْ تَفَكَّرَ النَّاسُ فِي عَظَمَةِ اللَّهِ لَمَّا عَصَوْهُ.“

”اللہ کے بارے میں لوگ اگر غور و فکر کریں تو اس کی نافرمانی ہرگز نہ کریں۔“

عیسیٰ علیہ السلام نے ایک موقع پر فرمایا۔ اے کمزور ابن آدم! جہاں بھی تو ہے وہاں اللہ سے ڈرتا رہ دنیا میں ایک مہمان کی طرح ہو جا۔ مساجد کو گھر بنا یعنی زیادہ وقت وہاں گزار۔ آنکھوں کو رونا سکھا۔ جسم کو صبر اور دل کو غور و فکر کرنے کی عادت ڈال اور کل کی روزی سے بے فکر ہو جا۔

عقل مندوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرمایا کہ ذکر و فکر کے بعد وہ بارگاہ الہ میں عرض کرتے ہیں کہ جو تیری تخلیق ہے۔ وہ بے مقصد اور عبث نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی عیب یا کمی ہے۔ کیونکہ اس کا خالق خود بے عیب اور پاک ہے۔ اللہ کی پاکی بیان کرتے ہوئے عقل مند اپنی دعا کی ابتدا جہنم کے عذاب سے نہجے اور محفوظ رہنے سے کرتے ہیں۔ کیونکہ جہنم سے بڑھ کر بری جگہ کوئی نہیں اور جس کا ٹھکانا اس میں ہو گا۔ اس کو وہاں سے نکلنے میں کوئی مدد نہیں دے سکے گا۔ جہنم کے عذاب سے پناہ مانگتے ہوئے عقل مند اپنے ایمان لانے کا حوالہ بھی دیتے ہیں کہ جیسے ہی تیری طرف سے ایمان لانے کی دعوت دینے والے آئے۔ ہم نے ان کی بات سنتے ہی ان کی دعوت کو قبول کر لیا اور تجھ پر ایمان لے آئے۔ اس لیے ہمارے گناہوں کو معاف کر اور ہماری برائیوں کو ہم سے دور کر دے۔ ان کی وجہ سے ہم پر گرفت نہ کرنا اور ہمارا خاتمہ نیکیوں کے ساتھ کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے عقل مندوں کے ذکر و فکر اور ان کی دعا کرنے کا انداز اپنی کتاب مبین میں اس لیے فرمایا۔ تاکہ اس مخلوق کو معلوم ہو جائے کہ یہی انداز اس کے نزدیک پسندیدہ ہے اور اس کو اپنانے والے اولو الالباب بن جاتے ہیں۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ تمام رسولوں علیہم السلام نے اپنی اپنی امتوں میں سے ان لوگوں سے جنت کا وعدہ کیا کہ جنہوں نے ان کی اتباع کی۔ باطل معبودوں سے کٹ کر معبود حقیقی کی تعلیم کو اپناتے ہوئے زندگی بسر کی۔ ایسا کرنے میں اگر کسی آزمائش میں سے گزرنا پڑا تو انہوں نے صبر و استقلال کا مظاہرہ کیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور اپنے وعدے کے مطابق کامیابی اور کامرانی سے ان کو نواز دیا۔ لہذا عقل مندوں نے اپنی دعا میں اللہ تعالیٰ

سے وہ بھی مانگا جو کہ سابقہ امتوں کی طرف بھیجے گئے رسولوں نے اپنی اپنی امتوں کے نیک لوگوں سے وعدہ کیا اور ساتھ ہی یہ بھی عرض کر دیا کہ تجھ سے بڑھ کر وعدے کو نبھانے والا کوئی نہیں۔ اس لیے قیامت کے دن ہمیں ہر قسم کی رسوائی سے محفوظ رکھنا۔

صحیح بخاری (ص ۵۶۳) میں غزوہ بدر کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بارگاہ الہ میں عرض کیا:

(( اَللّٰهُمَّ اَنْشُدْكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ ))

”اے اللہ! میں تجھے تیرا عہد و وعدہ یاد دلاتا ہوں۔“

یعنی اللہ تعالیٰ سے آپ نے اس مدد کی درخواست کی کہ جس کا وعدہ آپ سے کیا گیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور کفار کی قوت و طاقت کو خاک میں ملا دیا اور اہل ایمان کو پہلی تاریخی فتح سے نواز دیا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔

اللہ تو اپنے وعدے کو پورا کرتا رہا ہے اور کرتا ہے اور کرتا رہے گا۔ اصل بات تو اہل ایمان کی ہے کہ وہ ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں کہ نہیں۔ جب بھی ایمان کے تقاضوں کو پورا کیا جائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مدد فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس نکتہ کو سمجھنے کی ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

### حل لغات:

﴿ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاٰخِیَافِ الْیَلِّ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴾ میں خَلْق اور اِخْتِلَافِ دونوں مصدر۔ لَاٰیٰتٍ مشبہ بالفعل اِنَّ کا اسم اور اس پر لام آیات کی عظمت و کثرت کے اظہار کے لیے لایا گیا ہے۔ اَلْاَلْبَابِ اللَّبِّ کی جمع۔ جملے کا معنی ہے۔ بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور دن رات کے آگے پیچھے آنے میں عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

﴿ اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَقُعُوْدًا وَعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَتَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ میں اَلَّذِیْنَ موصول۔ یَذْكُرُوْنَ وَتَتَفَكَّرُوْنَ دونوں فعل مضارع جمع مذکر غائب۔ لفظ اللہ مفعول۔ قِیَامًا وَقُعُوْدًا دونوں مصدر حال۔ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ بھی حال ہی ہے لیکن اس میں کَائِنِیْنَ محذوف ہے۔ جملے کا معنی ہے۔ وہ لوگ یعنی عقل مند وہ ہیں کہ جو اللہ کا ذکر کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہوئے کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں۔

﴿ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا مُّبْحَاثًا لِّفَنَّا عَذَابَ النَّارِ ﴾ میں رَبَّنَا منادی۔ مَا نَافِی۔ خَلَقْتَ فعل ماضی

واحد مذکر حاضر۔ ہذا اسم اشارہ۔ باطلاً مصدر محذوف خَلَقَ کی صفت یا مفعول کا حال۔ سُبْحَانَک کی کاف ضمیر مخاطب کی اور سُبْحَانَک مصدر۔ فَقِنَا میں نا ضمیر متکلم کی۔ ق فعل امر جس کا مادہ (وقی) اور اس پر فاء ربط یا جواب شرط مقدارِ اِذَا نَزَّ هُنَاکَ اَوْ وَحَدْنَاکَ۔ عَذَابُ النَّارِ مرکب اضافی مفعول ثانی۔ جملے کا معنی ہے۔ اے ہمارے رب! تو نے یہ یعنی آسمان وزمین فضول پیدا نہیں کیے۔ تو پاک ہے۔ پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔

﴿رَبَّنَا اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ وَمَا لِلظَّالِمِیْنَ مِنْ أَنْصَارٍ﴾ میں مَنْ شَرْطِیہ۔ تُدْخِلُ فعل مضارع کی لام پر جزم تھی۔ النَّارِ سے ملانے کے لیے اس کو کسرہ سے بدل دیا گیا۔ فَقَدْ کی فاء جواب شرط۔ أَخْزَيْتَهُ کی ضمیر مَنْ کی طرف راجع اور أَخْزَيْتَ فعل ماضی۔ واو عاطفہ مَآ نَافِیہ اور مِنْ بَیَانِیہ۔ جملے کا معنی ہے۔ اے ہمارے رب! بے شک جس کو تو آگ میں داخل کر دے۔ یقیناً اسے تو نے رسوا کر دیا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

﴿رَبَّنَا اِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا﴾ میں اِنَّا کی نا ضمیر متکلم جمع کی۔ اِنْ مشبہ بفعل۔ سَمِعْنَا فعل ماضی۔ مُنَادِیًا اس کا مفعول۔ یُنَادِیْ فعل مضارع۔ لِلْاِیْمَانِ کی لام حرف جر بمعنی اِلَی۔ اَنْ نَاصِبہ۔ اٰمِنُوْا فعل امر۔ بِرَبِّکُمْ کی باء حرف جر۔ رَبِّکُمْ مجرور۔ فَاٰمَنَّا فعل ماضی جمع متکلم پر فاء جواب امر کی۔ جملے کا معنی ہے۔ اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک منادی کرنے والے کو سنا۔ جو ایمان کی طرف بلانے کی منادی کر رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ۔ پس ہم ایمان لے آئے۔

﴿رَبَّنَا فَارْحَمْنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ﴾ میں فَاغْفِرْ پر فاء گناہوں کے اقرار پر دلالت کرنے والی۔ اِغْفِرْ۔ کَفِّرْ اور تَوَفَّ فعل امر کے صیغے۔ جملے کا معنی ہے۔ اے ہمارے رب! پس ہمارے لیے ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہم سے ہماری برائیوں کو دور کر دے اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ موت نصیب کرنا۔

﴿رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ﴾ اِنَّا اور تُخْزِنَا فعل امر کے صیغوں کے ساتھ نا ضمیریں متکلم جمع کی۔ مَا موصول۔ وَعَدْتَ فعل ماضی۔ نا ضمیر متکلم جمع کی۔ عَلٰی حرف جر اور رُسُلِکَ مجرور۔ لَا نَافِیہ۔ تُخْلِفُ فعل مضارع۔ الْمِیْعَادَ اس کا مفعول۔ جملے کا معنی ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں وہ عطا کر دے کہ جس کا وعدہ تو نے اپنے رسولوں کے ذریعہ فرمایا اور ہمیں قیامت کے روز رسوا نہ کرنا۔ بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

۳۳

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أَضِيعُ عَمَلَكُمْ  
 عَامِلٍ مِّنْكُمْ مَّنْ ذَكَرَ أَوْ أَتَىٰ بِمَعْشُورٍ  
 مِّنْ بَعْضٍ ۖ فَأَلَّيْنِ هَاجِرُوا وَاعْرِجُوا  
 مِّنْ دِيَارِهِمْ وَأَوْذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتِلُوا  
 وَقَاتِلُوا لَا تَكْفِرُوا عَنْهُمْ سَيِّئِهِمْ  
 وَلَا تَدْخُلْنَهُمْ حَتَّىٰ تَخْرُجُوا مِنْ تَحْتِهَا  
 الْأَنْهَارُ ۚ تَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ عِنْدَهُ  
 حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

لَا يَغْرُبُكَ قَلْبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي  
 الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾  
 مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَا لَهُمْ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ  
 الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾

تشریح:

اللہ کا ذکر کرنے اور اس کی نشانیوں میں غور و فکر کرنے میں بڑی برکت ہے۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ ایسا کرنے والے اللہ کے ہاں اولوالالباب قرار پاتے ہیں اور دوسرا فائدہ یہ کہ ان کی دعا اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ جیسا کہ یہاں ارشاد ہوا کہ انہوں نے اپنے رب سے جو جو مانگا، اللہ تعالیٰ نے دینے کا اعلان کر دیا۔ چونکہ اللہ دینے والا ہے اور دینے میں اس کو مزا آتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سورۃ غافر میں حکم فرمایا۔

﴿وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۖ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾ (۶۰)

”اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ کو پکارو میں تمہاری پکار سنوں گا۔ بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر

کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل و رسوا ہو کر جہنم داخل ہوں گے۔“

یہاں اللہ تعالیٰ نے خلاصہ اس کو پکارنے والوں کو یقین دلایا ہے کہ وہ ان کی پکار سنے گا۔ جو مانگیں گے وہ ان کو عطا کرے گا۔ یہ بھی واضح کر دیا کہ اس کو پکارنا عبادت ہے۔ جامع الترمذی کے ابواب الدعوات میں نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

(( اَلدَّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ )) ”دُعا عبادت ہے۔“

پھر انہوں نے سورة غافر والی آیت ہی تلاوت کی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو تکبر و غرور کا شکار ہو کر اس کو پکارنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے یا اس کے علاوہ کسی اور کو پکارتے ہیں ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی نے اپنی تفسیر میں جعفر الصادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے:

”مَنْ حَزَبَهُ اَمْرٌ فَقَالَ خَمْسَ مَرَّاتٍ رَبَّنَا اُنْجَاہُ اللّٰهُ وَمَا يَخَافُ وَاَعْطَاهُ مَا اَرَادَ“

”جس کو کوئی معاملہ غمزدہ کر دے تو وہ پانچ مرتبہ ”ربنا“ کہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس سے بچائے گا جس کا اس

کو خوف و خطرہ ہوگا اور اس کو وہ عطا کرے گا جس کا وہ ارادہ رکھتا ہوگا۔“

ان سے کہا گیا۔ کَيْفَ ذَلِكَ ”یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“ تو انہوں نے کہا: اگر چاہو تو ان آیات کو ﴿الَّذِينَ

يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ﴾ سے لے کر ﴿اِنَّكَ لَا تُخَلِّفُ الْمِيعَادَ﴾ تک پڑھو۔ یعنی

ذکر و فکر کرنے والوں نے پانچ مرتبہ رَبَّنَا کہہ کر دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔

المسند رک کی کتاب التفسیر (۳۰۰/۲) میں ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ

کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی ہجرت کا ذکر قرآن میں کیوں نہیں کیا؟ تو اللہ تعالیٰ نے فاشحجاب

لہم والی آیت نازل فرمادی۔

ترمذی کی روایت کے مطابق اونٹ پر سوار ہو کر ہجرت کرتے ہوئے مدینہ پہنچنے والی وہ پہلی عورت تھیں۔ اس

لیے انہوں نے ہجرت کے بارے میں جب سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ایسا جواب ارشاد فرمایا جس میں احمد شہاب کے

اعتبار سے عورتوں کو مردوں کے برابر کر دیا گیا۔ مردوں اور عورتوں کی طاقت و صلاحیت اور جسمانی بناوٹ میں اگرچہ

فرق ہے لیکن اعمال کی جزا و سزا میں کوئی فرق نہیں رکھا گیا۔ اسلامی قوانین کی پابندی بھی دونوں پر ایک ہی جیسی ہے۔

سورة التوبة میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ



عَزَّ وَجَلَّ حَكِيمٌ (۷۱) وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسْكِنٍ طَيِّبَةٍ فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ ط وَرِضْوَانٍ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۷۲﴾

”اور مومن مرد اور مومنہ عورتیں بعض ان کا بعض کا ولی و مددگار ہے۔ وہ اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں۔ وہی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ عنقریب رحم فرمائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ غلبے اور حکمت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور مومنات سے ایسی جنتوں کا وعدہ کر لیا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور بھیکگی کے باغات میں پاک گھروں کا بھی وعدہ کیا اور اللہ کا ان سے راضی ہو جانا تو سب سے بڑی نعمت ہوگی اور یہ عظیم کامیابی ہوگی۔“

سورة الاحزاب میں مسلمان مردوں عورتوں، اہل ایمان مردوں عورتوں، اللہ کی بندگی و عبادت کرنے والے مردوں عورتوں، سچ بولنے والے مردوں عورتوں، خشوع و خضوع کا مظاہرہ کرنے والے مردوں عورتوں، صدقہ کرنے والے مردوں عورتوں، روزے رکھنے والے مردوں عورتوں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مردوں عورتوں، اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مردوں عورتوں کو بشارت دی گئی کہ:

﴿أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾ (۳۵)

”اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔“

اس سے بڑھ کر برابری کا تصور اور کیا ہو سکتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ خالق و مالک نے جس طرح مردوں اور عورتوں کے جسموں کی بناوٹ اور اس کے ثمرات میں فرق رکھا ہے۔ اسی طرح ان کے دائرہ کار کو بھی متعین کر دیا ہے۔ علیم و حکیم ہونے کے ناطے اس نے جو کیا اور جو کرنے کا حکم دیا، اسی کے مطابق عمل کرنے میں اہل ایمان کی فلاح و بہبود ہے۔ کیونکہ اسی صورت میں اس کے ہاں اعمال کی قبولیت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ہجرت کرنے والوں کے لیے بلکہ جن کو ہجرت کرنے پر مجبور کیا گیا۔ کیونکہ انہوں نے حق کی دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کیا اور اسی وجہ سے ان کو عذابوں اور تکالیف میں مبتلا کیا گیا اور جنہوں نے اللہ کے دین کی سر بلندی کے لیے قتال کیا دشمن سے ٹکراتے ہوئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا ان کے بارے میں اعلان فرمایا کہ اُن سے اُن کی برائیوں کو دور کر کے ان کو ضرور جنتی باغات میں داخل کرے گا۔

تفسیر ابن کثیر میں شداؤ بن اوس رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ کہا کرتے تھے: لوگو! اللہ تعالیٰ کی قضا پر غمگین اور بے صبر نہ ہو جایا کرو، کسی مومن پر اللہ تعالیٰ زیادتی نہیں کرتا۔ اگر تمہارے کسی ایک کو خوش کرنے والی بات

پہنچے تو اس کو اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا چاہیے اور اگر ایسی پہنچے جس کو وہ ناپسند کرتا ہو تو اس کو چاہیے کہ صبر کرتے ہوئے اللہ سے اجر و ثواب کی امید رکھے۔ کیونکہ اللہ کے پاس ہی بہترین اجر ہے۔

”اولوالالباب“ کو ملنے والے اجر و ثواب سے آگاہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ کفار کو آزمائش کے طور پر دی جانے والی نعمتوں کو دیکھ کر آپ کے دل میں کوئی غلط فہمی پیدا نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ دنیا کی زندگی میں یہ ان کو ملنے والا معمولی سا فائدہ ہے۔ ہمیشہ کی آخری زندگی میں ان کے لیے جہنم کا عذاب ہوگا۔

سورة غافر میں ارشاد ہوا:

﴿مَا يُجَادِلُ فِي آيَاتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَا يَغْرُرُكَ تَقْلُبُهُمْ فِي الْبِلَادِ (۴) كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَالْأَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ وَمَهْمَتْ كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ وَجَادِلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ فَأَخَذْتُهُمْ (۵) فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ (۶)﴾

”اللہ تعالیٰ کی آیات کے بارے میں صرف کفار جھگڑا کرتے ہیں۔ پس آپ کو ان کا شہروں میں چلنا پھرنا دھوکے میں نہ ڈال دے۔ ان سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم نے اور ان کے بعد دوسری جماعتوں نے جھگڑایا اور ہر امت نے اپنے رسولوں کو پکڑنے کا ارادہ کیا اور انہوں نے باطل دلیلوں سے جھگڑا کیا تاکہ حق کو بگاڑ دیں۔ پس میں نے ان پر گرفت کی۔ پھر میرا عذاب کیسا تھا؟“

یہاں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ذریعہ آپ کی امت کے مبلغین پر واضح کیا گیا ہے کہ حق کو ٹھکرانے والے ہمیشہ اللہ کی آیات کے بارے میں جھگڑا کرتے رہے ہیں اور فضول قسم کی دلیلوں کا سہارا لے کر حق کو بگاڑنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ اس کے باوجود دنیا کی نعمتوں سے وہ مالا مال رہے ہیں جو ان کے لیے ڈھیل کی صورت ہوا کرتی تھی۔ جس کی مدت ختم ہونے پر اللہ تعالیٰ ان کو اچانک پکڑ کر تباہ و برباد کر دیتا رہا ہے۔

سورة لقمان میں آپ سے ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنُكَ كُفْرُهُ ۚ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (۲۳) نُمَتِّعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ (۲۴)﴾

”اور جس نے کفر کیا پس اس کا کفر آپ کو غم میں نہ ڈالے۔ ہماری ہی طرف ان کو لوٹنا ہے۔ پھر ہم ان کو اس کی خبر دیں گے جو انہوں نے کیا ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے۔ ہم ان کو تھوڑا سا فائدہ دیں گے پھر ان کو سخت عذاب کی طرف مجبور کر دیں گے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں سرکشوں اور نافرمانوں کو ملنے والی نعمتوں کی اللہ کے ہاں کوئی اہمیت وقعت نہیں۔ سورة الشوریٰ میں سبحانہ و تعالیٰ نے واضح کر دیا۔

﴿وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ خَرْجَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ﴾ (۲۰)  
 ”اور جو دنیا کی کھیتی کا ارادہ رکھتا ہے تو ہم اس کو وہ دے دیتے ہیں لیکن آخرت کی بھلائی میں سے ان کو کچھ نصیب نہیں ہوتا۔“

یہی وجہ ہے کہ دنیا میں اللہ کی نعمتوں سے مالا مال ہونے والوں کی اکثریت کفر و شرک نافرمانی اور سرکشی میں غرق رہتی ہے اور نعمتوں سے نوازنے والے کا شکر کرنے اور اس کو یاد کرنے کا خیال ہی ان کو نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے رویے اور ایسی سوچ سے محفوظ رکھے اور دنیا اور آخرت کی بھلائی سے ہمیں نواز دے۔

### حل لغات:

﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أَنسِي بَعْضَكُمْ مِّنْ بَعْضٍ﴾  
 فاستجاب بمعنی فاجاب اور اس پر فاء اظہار قبولیت کی۔ لہم ربہم کی ہم ضمیریں اولی الالہاب کی طرف راجع۔ انی میں ی شکم کی۔ لا تانیہ۔ اضع فعل مضارع واحد متکلم۔ عمل عامِل مرکب اضافی اس کا مفعول۔ منکم کی تم ضمیر مخاطب۔ من ذکر اونی کا من بیان یا منکم کا بدل ہے۔ بعضکم من بعض جملہ متاثرہ معترضہ یا حال یا صفت۔ جملے کا معنی ہے: پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی (اور اس نے اعلان فرمایا) کہ بے شک میں تم میں سے عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ کیونکہ بعض تمہارا بعض میں سے ہے یعنی اہل ایمان ہونے کے اعتبار سے تم ایک ہی جیسے ہو۔

﴿فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَآخَرُوا جُؤَا مِّنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا﴾ میں اللدین اسم موصول پر فاء تفصیلیہ۔ ہاجروا قاتلوا فعل ماضی معروف۔ آخر جوا، اودوا، قتلوا ماضی مجہول۔ جملے کا معنی ہے: پس وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں تکلیف دیئے گئے اور انہوں نے قتال کیا اور قتل کیے گئے۔

﴿لَا كُفْرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَا دُخْلَنَّهُمْ جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ میں لا کفرون اور لا دخلنہم دونوں فعل مضارع اور واحد متکلم کے صیغوں پر لام تاکید کا اور آخر میں نون ثقیلہ۔ لا دخلنہم کی اور اس سے پہلے عنہم سببیتہم کی ضمیریں ہم اولی الالہاب کی طرف راجع۔ جنات جنة کی جمع۔ تجری فعل مضارع۔ الانہار اس کا فاعل۔ جملے کا معنی ہے: میں ان سے ضرور ان کی برائیوں کو دور کر دوں گا اور جہنمی طور پر ان کو ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ﴿فَوَابَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾ میں فو ابوا مصدر مؤکد جنات کی تیز یا حال۔ عند حرف جر میں کی وجہ سے مجرور ظرف۔ جملے کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کے پاس سے یہ ثواب کی صورت ہوگی۔ ﴿وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ﴾ یہ جملہ اسمیہ اپنے ماقبل مضمون کا ذیل ہے۔ یعنی اللہ

ہی کے پاس بہترین ثواب ہے۔

﴿لَا يَغُرُّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ﴾ میں لَا يَغُرُّكَ فعل نہی مؤکد کی کاف ضمیر مخاطب کی۔ تَقَلُّبُ مصدر فاعل۔ الَّذِينَ موصول۔ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ صلہ۔ جملے کا معنی ہے: آپ کو ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے شہروں میں چلنا پھرنا ان لوگوں کا جنہوں نے کفر کیا۔ مَتَاعٌ قَلِيلٌ۔ یہ مرکب توصیفی مبتدا محذوف (ہو) کی خبر ہے یعنی یہ بہت ہی تھوڑا سا فائدے کا سامان ہے۔

﴿ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَيَنْسُ الْمِهَادَ﴾ میں ثُمَّ حرف عطف۔ مَأْوَاهُمْ کی ضمیر ہُمْ کفار کی طرف راجع۔ يَنْسُ فعل زم۔ الْمِهَادُ اس کا فاعل۔ جملے کا معنی ہے: پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور بہت ہی بری جگہ ہے۔

۳۵

”لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈر گئے ان کے لیے ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کی طرف سے یہ مہمان نوازی ہوگی اور اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ نیکو کاروں کے لیے بہتر ہے۔“

اور یقیناً اہل کتاب میں سے بعض وہ بھی ہیں جو اللہ پر اور جو تمہاری طرف اور جو ان کی طرف نازل کیا گیا اس پر ایمان رکھتے ہیں اللہ سے ڈرتے ہوئے۔ اللہ کی آیات کو معمولی قیمت کے بدلے فروخت نہیں کرتے۔ وہی ہیں جن کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والا ہے۔

اے ایمان والو! صبر کرو اور ایک دوسرے کو صبر کرنے کی تلقین کرتے رہو۔ ایک دوسرے سے رابطہ قائم رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ۔

لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نَزُلًا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلْآبَرَارِ ﴿١٩٨﴾

وَأَنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ خَشِيعِينَ لِلَّهِ لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿١٩٩﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٢٠٠﴾

**تشریح:**

کفار کو دنیا میں ملنے والی نعمتوں کی حقیقت اور ان کے انتہائی برے انجام سے آگاہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے

اس کی بھی خبر دے دی کہ جو متقی، پرہیزگار بندوں کو آخرت میں دیا جائے گا اور یہ اعلان بھی کر دیا کہ نیکو کاروں کے لیے جو کچھ اللہ کے پاس ہے۔ وہ خیر ہی خیر ہے۔ سورة الانقطار میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ (۱۳)﴾ ”بے شک نیکو کار جنتی نعمتوں میں ہوں گے۔“  
سورة المطففين کے الفاظ ہیں:

﴿كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ (۸)﴾  
”کیوں نہیں، بے شک نیکو کاروں کا نامہ اعمال مقام عِلِّیِّین میں ہوگا۔“  
سورة الدھر میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا (۵) عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا (۶)﴾

”بے شک نیکو کار اپنی پیام میں سے پئیں گے جس میں کافور ملا ہوا ہوگا۔ وہ ایک چشمہ ہوگا جس سے اللہ کے بندے پئیں گے۔ اس کی نہریں بنا کر جہاں چاہیں گے لے جائیں گے۔“

اس بشارت کے بعد اللہ تعالیٰ نے الابراہ کی چند صفات بھی بیان فرمادیں:

﴿يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا (۷) وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا (۸) إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا (۹) إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبَّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا (۱۰) فَوَقَّهُمْ اللَّهُ شَرَّ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَسُرُورًا (۱۱) وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَخَرِيرًا (۱۲)﴾

”وہ مانی ہوئی نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن کے شر سے ڈرتے ہیں جس کی برائی ہر طرف پھیل جانے والی ہوگی۔ اور وہ اللہ کی محبت کی وجہ سے مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھاتے ہیں۔ (اور کہتے ہیں) بے شک ہم تم کو اللہ کی رضا کے حصول کے لیے کھلا رہے ہیں تم سے کسی جزایا شکر گزاری کا ارادہ نہیں رکھتے۔ بے شک ہم اپنے رب سے اس دن کے بارے میں خوفزدہ ہیں کہ جو جگہی ترشی اور سختی والا ہوگا۔“ ان کے مذکورہ اعمال کا جو نتیجہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے وہ بھی بیان فرما دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو اس دن کے شر سے بچا لیا اور ان کو تازگی اور خوشی پہنچائی۔ اور ان کو ان کے صبر کرنے پر جنت اور ریشمی لباس سے نوازا دیا۔“

ان کو ملنے والی مزید نعمتوں کا ذکر بھی سورة الدھر میں موجود ہے۔

الابرار کا مفرد اَلْبَارُّ اور اَلْبَرُّ ہے۔ سورة مریم میں بھی اَلْبَرُّ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

﴿وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ (۱۴)﴾ ”اور وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے والے تھے۔“

اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اسی سورۃ میں ارشاد ہوا۔

﴿وَبَرًّا بِوَالِدَتِي (۳۲)﴾ ”اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی ماں کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا بنایا۔“

سورۃ الطور میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ متقین جنت میں داخل ہونے کے بعد جب جنتی نعمتیں پائیں گے تو آپس میں کہیں گے:

﴿فَمَنْ لِلَّهِ عَلَيْنَا وَقَفْنَا عَذَابَ السَّمُومِ (۲۷)﴾ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوهُ اِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ (۲۸)﴾

”پس اللہ نے ہم پر احسان فرمایا اور ہمیں زہریلی ہوا کے عذاب (یعنی جہنم کی جسم کو کھا جانے والی تپش)

سے بچالیا۔ ہم پہلے ہی اس کو پکارا کرتے تھے۔ بے شک وہ بڑا ہی احسان کرنے والا مہربان ہے۔“

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے عبد اللہ بن عمرو سے اپنی تفسیر میں ابن مردودہ کے حوالے سے مرفوعاً اور ابن ابی حاتم

کے حوالے سے موقوفاً نقل کیا ہے کہ نیکو کاروں کو الابرار اس لیے کہا گیا کہ انہوں نے والدین اور اولاد کے ساتھ نیک

سلوک کیا۔ کیونکہ جس طرح تیرے والدین کا تجھ پر حق ہے اسی طرح تیری اولاد کا بھی تجھ پر حق ہے۔

حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ الابرار وہ ہیں جو کسی کو کوئی تکلیف نہیں دیتے۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ اللہ کے

دین کے مطابق عمل کرنے والے ہوں گے، وہ کسی کو تکلیف کیسے دے سکتے ہیں۔ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کا

خیال رکھنا ہی انسان کو جہنم کی آگ سے بچا کر جنت میں داخل کرنے کا سبب بنتا ہے۔

یہود و نصاریٰ کی اکثریت نے اگرچہ اسلامی تعلیم کو ٹھکرایا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ان لوگوں کی تعریف

فرمائی کہ جو اللہ پر ایمان لائے۔ ان کے نبیوں کی طرف جو نازل کیا گیا نہ صرف اس پر بلکہ اللہ سے ڈرتے ہوئے اس

پر بھی ایمان لے آئے جو سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا گیا اور انہوں نے اپنے علمائے سوء کی طرح اللہ کی

آیات کو نہ بچا اور نہ ہی ان میں ہیرا پھیری کرنے کی کوشش کی۔ جیسے ہی حق ان کے سامنے آیا۔ فوراً انہوں نے قبول

کر لیا۔ سورۃ ال عمران میں گزر چکا ہے:

﴿لَيْسُوا سَوَاءً مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْمَعُونَ (۱۳)﴾

يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ

وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ (۱۴)﴾ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَن يُكْفَرُوهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ﴾

”اہل کتاب میں سب برابر نہیں۔ ان میں ایک ایسی بھی جماعت ہے جو راتوں میں اللہ کی آیات پڑھتی

ہے اور سجدے کرتی ہے۔ وہ لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اچھائی کا حکم دیتے ہیں اور

برائی سے روکتے ہیں۔ وہی صلحاء ہیں۔ اور جو بھی بھلائی کا کوئی کام وہ کریں گے تو اس کی ناقدری ہرگز نہیں ہوگی اور اللہ تعالیٰ صاحب تقویٰ لوگوں کو جاننے والا ہے۔“

ایسے لوگوں کے لیے سورة القصص میں یہ اعلان بھی ہوا:

﴿أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُكَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ﴾ (۵۱)

”وہی لوگ ہیں جن کو ان کا دوبرا اجر دیا جائے گا، اس کے سبب کہ انہوں نے صبر کیا اور برائی کا جواب اچھائی سے دیتے ہیں اور جو ہم نے ان کو رزق دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔“

ان لوگوں میں سے ایک حبشہ کا بادشاہ احمدہ نجاشی تھا۔ سیرت ابن ہشام [القسم الاول ص ۳۳۶] کی روایت ہے کہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے اس کے دربار میں جب سورة مریم کی ابتدائی آیات پڑھیں تو اس کے آنسو جاری ہو گئے جن سے اس کی داڑھی تر ہو گئی اور اس کے سرداروں کے آنسوؤں سے ان کے صحیفے بھیگ گئے۔ بادشاہ نے کہا۔ یہ وہی ہے جو عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے اور یہ ایک ہی طاق کی روشنی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کا صلہ اس کو یہ دیا کہ اس کی وفات پر ہر ۹ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے نماز غائبانہ پڑھی اور اس کے لیے دعا کی۔

صحیح بخاری کے باب بنیان الکعبۃ۔ موت النجاشی [ص ۵۴۷] مسلم فصل فی الصلوٰۃ علی الغائب [ج ۱ ص ۳۰۹] کی روایت ہے نبی کریم ﷺ نے چار تکبیروں سے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔

دوسرے یہود کے مشہور و معروف عالم عبد اللہ بن سلام تھے۔ اسد الغلابہ ج ۳ ص ۳۶۵ میں انہی سے مروی ہے۔ فَلَمَّا رَأَيْتُ وَجْهَهُ عَرَفْتُ أَنَّهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ۔ ”جب میں نے آپ ﷺ کا چہرہ مبارک دیکھا تو میں نے جان لیا کہ یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔“ یعنی آپ ﷺ کو دیکھتے ہی آپ ﷺ کے سچے ہونے کی گواہی دے دی۔ اس گواہی کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا میں ان کو جنت کی بشارت مل گئی۔ بخاری کی کتاب المناقب (ص ۵۳۸) میں ان کے بارے میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((مَا سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لِأَحَدٍ يُمَشِي عَلَى الْأَرْضِ أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ إِلَّا لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلَامٍ وَنَزَلَتْ فِيهِ الْآيَةُ ﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَٰئِيلَ﴾))

”زمین پر چلنے والے کو کسی ایکسکمبارے میں نبی ﷺ کو فرماتے نہیں سنا کہ وہ جنتی ہے سوائے عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے یعنی یہ شرف ان کو حاصل ہوا اور ان کے بارے میں آیت نازل ہوئی کہ بنو اسرائیل



میں سے ایک گواہی دے والے نے گواہی دی۔“

یہ اسلام کی عظمت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے مبعوث ہونے نبیوں علیہم السلام اور ان کو ملنے والی کتابوں اور صحیفوں کو بھی حق مانتا ہے نیز اہل کتاب میں سے جو آخری نبی پر ایمان لائے ان کی بھی تعریف کرتا ہے اور ان کو اللہ کے پاس سے ملنے والے اجر کی بشارت دیتا ہے۔

سورة آل عمران کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم فرمایا کہ ہر قسم کی آزمائش میں تم نے صبر کرنا اور آپس میں صبر کرنے کی تلقین کرنا ہے۔ اپنی سلامتی اور بقا کے لیے آپس میں مضبوط ربط رکھنا ہے اور تمام معاملوں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا ہے۔ اسی کے خوف سے اپنے دلوں کو مزین رکھنا ہے۔ یہ ضمانت بھی دے دی کہ مذکورہ چار باتوں کے مطابق عمل کرو گے تو کامیابی تمہارے پاؤں چوم لے گی۔

تفسیر القرطبی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر رات سورة آل عمران کی آخری دس آیات پڑھا کرتے تھے۔ صحیح بخاری کے ابواب الوتر (ص ۱۳۵) میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے تہجد پڑھنے سے پہلے آسمان کی طرف چہرہ مبارک کر کے آخری دس آیات تلاوت فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

### حل لغات:

﴿لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا﴾ میں لیکن حرف استدراک۔ الَّذِينَ اسم موصول۔ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ صله۔ تَجْرِي فعل مضارع۔ الْأَنْهَارُ اس کا فاعل۔ خَالِدِينَ فِيهَا حال۔ جملے کا معنی ہے: ”لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈر گئے ان کے لیے ایسے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔“

﴿نُزُلًا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِلْأَبْرَارِ﴾ میں نُزُلًا مصدر حال۔ مِنْ حرف جر۔ عِنْدَ ظرف۔ وَادُ عاطفہ۔ مَا موصولہ لِلْأَبْرَارِ میں لام حرف جر اَبْرَارِ مجرور، الْبَارِ وَالْبُورِ کی جمع۔ جملے کا معنی ہے: ”مستحقین کے لیے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمان نوازی ہوگی اور جو اللہ کے پاس ہے وہ نیکو کاروں کے لیے بہتر ہے۔“

﴿وَأَنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ﴾ میں اِنَّ حرف مشبہ بالفعل۔ مِنْ جمعیہ حرف جر۔ أَهْلِ الْكِتَابِ مرکب اضافی مجرور۔ مَنْ موصول پر لام تاکید کا۔ يُؤْمِنُ فعل مضارع۔ جملے کا معنی ہے: ”اور بے شک اہل کتاب میں سے بعض وہ بھی ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔“

﴿وَمَا أَنْزَلْ إِلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلْ إِلَيْهِمْ﴾ میں وَادُوں جگہ مَا موصولہ اور أَنْزَلْ فعل ماضی مجہول واحد مذکر غائب۔

جملے کا معنی ہے: ”اور جو تمہاری طرف اور جو ان کی طرف نازل کیا گیا (یعنی قرآن، تورات اور انجیل) اُس پر وہ ایمان بھی رکھتے ہیں۔“

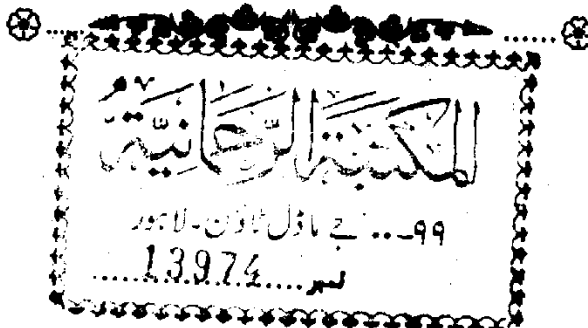
﴿عَاصِيِينَ لِلّٰهِ﴾ اہل کتاب میں سے ایمان رکھنے والوں کا حال۔ جملے کا معنی ہے: اس حال میں کہ وہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔

﴿وَلَا يَشْفَعُونَ بِاللّٰهِ فَمَنْ قَلِيلًا﴾ میں لا تائید۔ يَشْفَعُونَ فعل مضارع جمع مذکر غائب۔ اہل اللہ مرکب اضافی حرف جر ہاء کی وجہ سے مجرور اور یہ ہاء بدلے کی۔ فَمَنْ قَلِيلًا مرکب توصیلی مفعول۔ جملے کا معنی ہے: ”اللہ کی آیات کے بدلے وہ تھوڑی قیمت نہیں لیتے۔ یعنی معمولی رقم لے کر بڑے لوگوں کی مرضی کے مطابق فتوے نہیں دیتے۔“

﴿أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِنَّ اللّٰهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ میں أُولَٰئِكَ اسم اشارہ مبتدا اور لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اس کی خبر۔ اِنْ حرف حبابہ۔ لفظ اللہ اس کا اسم اور سَرِيعُ الْحِسَابِ مرکب اضافی اس کی خبر۔ جملے کا معنی ہے: ”وہی ہیں جن کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والا ہے۔“

www.KitaboSunnat.com

﴿يَأْتِيهَا الْبَلَيُنَ اَصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ میں يَأْتِيهَا حرف ندا۔ الْبَلَيُنَ اَصْبِرُوا متادئی۔ اَصْبِرُوا، صَابِرُوا، رَابِطُوا اور اتَّقُوا چاروں فعل امر کے صیغے ہیں۔ اَصْبِرُوا ثلاثی مجرور (صَبَرٌ بضم) سے۔ صَابِرُوا وَرَابِطُوا ثلاثی حرید فیہ کے باب مفاعلة سے اور اتَّقُوا باب اتعال سے لائے گئے ہیں۔ لَعَلَّكُمْ کی ضمیر نَحْم مخاطب کی اور لَعَلَّ حرف رجا۔ تُفْلِحُونَ فعل مضارع۔ جملے کا معنی ہے: ”اے ایمان والو! صبر کرو، صبر کی ایک دوسری کو تلقین کرتے رہو۔ ایک دوسرے سے رابطہ رکھا کرو (یعنی ایک دوسرے کی محافظ کا حق ادا کیا کرو) اور صاحب تقویٰ بن جاؤ تاکہ تم فلاح پاؤ۔“



رَبَّنَا اتِّنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً  
وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً  
وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ

اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما  
اور آخرت میں بھلائی سے نوازنا  
اور آگ کے عذاب سے محفوظ رکھنا۔

